إذاقة الأثام لمانعي عمل المولد والقيام

میلاد وقیام

تصنیف

رئیس المتکلمین علامہ مولانا نقی علی خان

علیہ رحمۃ الرحمٰن

مع

رشاقة الكلام في حواشي إذاقة الأثام

تصنیف

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان

علیہ رحمۃ الرحمٰن

ترتیب وپیشکش

مولانا محمد اسلم رضا

جامع مسجد بہارِ شریعت، بہادر آباد، کراچی

جامع مسجد الماس، عزیز آباد ۸، کراچی

فہرست

مقدمہ از ناشر

رئیس المتکلمین حضرت علامہ نقی علی خاں صاحب کی حیات و شخصیت

انیسویں (۱) صدی کا ابتدائی دور ہندوستان اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے انتہائی پُر آشوب دور تھا، مسلمانوں میں نئی نئی تحریکیں جنم لے رہی تھیں، جو مسلمانوں کو کافر و مشرک اور بدعتی بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ مسلمان زبردست کشمکش کا شکار تھے، ایک طرف پوری ملتِ اسلامیہ مذہبی خانہ جنگی کا شکار تھی، کفر و شرک و بدعت کے شور و غوغا سے پورا مذہبی ماحول گرد آلود تھا، دوسری جانب انگریز مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کر کے اپنے اقتدار کے مواقع بڑھا رہا تھا۔ یہ ماحول مسلمانوں کے لیے انتہائی کس مپرسی کا تھا، مسلمانوں کے نامور علماء اور دانشوروں میں سے بیشتر جہاد آزادی میں کام آگئے تھے، اور جو باقی تھے وہ اس مذہبی اور سیاسی بحران سے ملتِ اسلامیہ کو بچانے میں مصروف ہوگئے۔

اس مسلم مخالف طوفان کو روکنے کے لیے ایک شخصیت کی ضرورت تھی جسے علوم نقلیہ و عقلیہ دونوں میں پوری دست گاہ حاصل ہو، اور تمام علوم و فنون میں ممتاز مقام رکھتا ہو، جو ایک جانب توحید کی شمع روشن کرے، تو دوسری جانب فخرِ کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و وارفتگی کا پرچم لہرائے، اور نئی نئی مسلم کش تحریکوں کا منہ توڑ

---

(۱) رئیس المتکلمین کے یہ حالات ڈاکٹر محمد حسن صاحب کی تالیف بعنوان: ''مولانا نقی علی خان رحمۃ اللہ علیہ حیات اور علمی وادبی کارنامے'' (مطبوعہ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی ۱۴۲۶ھ) سے اختصاراً ماخوذ ہیں۔

جواب دے سکے۔

انیسویں صدی کی تیسری دہائی کے آخری سال میں ایک ایسی ہی گراں مایہ اور عبقری شخصیت نے اس دنیائے آب و گل میں قدم رکھا جسے عالم اسلام رئیس المتکلمین مولانا مفتی نقی علی خاں کے نام سے جانتا ہے۔

امام العلما مولانا مفتی رضا علی خاں صاحب کے فرزند مولانا نقی علی خان رضی اللہ تعالی عنہما کی ولادت سلخ جمادی الآخر یا غرۂ رجب ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۰ء کو بریلی کے محلہ ذخیرہ میں ہوئی۔ آپ نے جملہ علوم وفنون کی تعلیم اپنے والدِ ماجد امام العلما مولانا رضا علی خاں سے حاصل کی، آپ ایامِ طفولت سے ہی پرہیز گار اور متقی تھے؛ کیوں کہ آپ امام العلما مولانا رضا علی خاں ﷫ کے زیرِ تربیت رہے، جو نامور عالم اور عارف باللہ بزرگ تھے، جن کی پرہیز گاری کا جوہر مولانا نقی علی خاں کو ورثہ میں ملا تھا، اور پھر بفضل الٰہی میانِ طبع بھی نیکی کی طرف تھا، مولانا نقی علی خاں علم و عمل کے بحرِ ذخّار تھے، آپ کی ذات مرجعِ خلائق وعلما تھی، آپ کی آراء واقوال کو علمائے عصر ترجیح دیتے تھے، کثیر علوم میں تصنیفات مطبوعہ وغیر مطبوعہ آپ کے علم وفضل کی شاہد ہیں۔

مولانا نقی علی خاں ﷫ کا مطالعہ انتہائی وسیع تھا، آپ کے تبحرِ علمی کا اعتراف آپ کے ہم عصر علما نے بھی کیا، آپ عالمِ اسلام کی ان مقدس ترین شخصیتوں میں سے ہیں جنھوں نے تاحیات علم وعرفان کے دریا بہائے۔ آپ نے زبان وقلم کے ذریعہ اشاعتِ دین اور ناموسِ رسالت کے لیے جہادِ پیہم کیا۔ آپ کے علم وفضل کی شہادت کے لیے آپ کی تصانیف شاہد عادل ہیں۔ عوام وخواص کی رشد وہدایت کے

لیے آپ کے چند جملے لمبی لمبی تقریروں اور کئی کئی صفحات پر بھاری ہوتے تھے۔

ایک بار امام احمد رضا فاضل بریلوی نے نہایت پیچیدہ مسئلہ کا حکم بڑی کوشش و جانفشانی سے لکھا، اور اس کی تائید مع تنقیح آٹھ اَوراق میں جمع کیں۔ جب امام احمد رضا خان نے اپنا لکھا ہوا فتوی مولانا نقی علی خاں ﷫ کے سامنے پیش کیا تو مولانا نے کوئی ایسا جملہ بتایا جس سے یہ سب ورق رَد ہو گئے، اس طرح کے جملوں کا اثر خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا﷫ کے الفاظ میں:

''وہی جملے اب تک دل میں پڑے ہوئے ہیں، اور قلب میں اب تک ان کا اثر باقی ہے''(۱)۔

مولانا نقی علی خاں کے علم وفضل، ان کے تبحرِ علمی اور جامعیت کا اندازہ امام احمد رضا کی اس ہدایت سے لگایا جا سکتا ہے جو آپ نے اپنے شاگرد مولانا احمد اشرف کچھوچھوی کو کی تھی، امام احمد رضا بیان فرماتے ہیں:

''ردِّ وہابیہ اور اِفتاء، یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طِبّ کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے، ان میں بھی طبیبِ حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ میں بھی ایک طبیبِ حاذق (مولانا نقی علی خاں) کے مطب میں سات برس بیٹھا ہوں''(۲)۔

اس طرح مولانا نقی علی خاں ﷫ علم وعرفان کا مخزن، اور رشد و ہدایت کا

---

(۱) ''ملفوظاتِ اعلیٰحضرت بریلوی''، حصہ اوّل، ص ۱۰۶۔

(۲) ''ملفوظات''، حصہ اوّل، ص ۱۰۶۔

شاہکار نظر آتے ہیں، قلمی طور پر آپ نے دین مبین کے لیے جو کارنامے انجام دیئے وہ رہتی دنیا تک آپ کے علم و فضل کی شہادت دیتے رہیں گے۔

اولاد

حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ کی اولاد میں تین صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں، صاحبزادگان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان

استاذِ زمن حضرت مولانا حسن رضا خان

حضرت مولانا محمد رضا خان

حضرت مولانا نقی علی صاحب کے تلامذہ

حضرت مولانا نقی علی صاحب کے مندرجہ ذیل تلامذہ معروف زمانہ ہوئے:

۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا
۲) استاذِ زمن مولانا حسن رضا
۳) مولانا برکات احمد
۴) مولانا ہدایت رسول لکھنوی
۵) مفتی حافظ بخش آنولوی
۶) مولانا حشمت اللہ خاں
۷) مولانا سید امیر احمد بریلوی
۸) مولانا حکیم عبد الصمد

بیعت و خلافت

حضرت مولانا نقی علی صاحب اپنے صاحبزادے امام احمد رضا فاضل بریلوی اور مولانا عبد القادر بدایونی صاحب کے ہمراہ جمادی الآخر ۱۲۹۴ھ کو خانقاہِ برکاتیہ مارہرہ شریف حاضر ہوئے، اور سیدنا شاہ آلِ رسول قادری برکاتی مارہروی رحمہ اللہ تعالی سے شرفِ بیعت حاصل کیا۔ امام احمد رضا خاں بھی سیدنا شاہ آلِ رسول

کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے، اسی مجلس میں شاہ صاحب نے دونوں افراد کو خلافت وجملہ اجازات سے سرفراز فرمایا۔

اجازت وسندِ حدیث

حضرت مولانا نقی علی صاحب کو سندِ حدیث مندرجہ ذیل تین سلسلوں سے حاصل تھی:

۱) سیدنا شاہ آلِ رسول مارَہرَوی سے، اور وہ اپنے جلیل القدر مشائخ سے بیان کرتے ہیں، جن میں شاہ عبدالعزیز محدّثِ دہلوی بھی ہیں، اور وہ اپنے والد شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی سے کثیر العلم اور قوی الفہم محدّث ہیں۔

۲) اپنے والد امام العلما مولانا محمد رضا علی خاں صاحب سے، اور وہ مولانا خلیل الرحمٰن محمود آبادی سے، اور وہ فاضل محمد سندیلوی سے، اور وہ ابوالعیاش محمد عبدالعلی سے۔

۳) سید احمد زینی دحلان مکی سے، اور وہ شیخ عثمان دمیاطی سے۔

معمولاتِ دینی ودنیاوی

کتب بینی:

حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو کتب بینی کا بہت شوق تھا، آپ کا بیشتر وقت دینی کتابوں کے مطالعہ میں گزرتا تھا، آپ کے مطالعہ کا طریقہ یہ تھا کہ جس کتاب کو پڑھتے، اول تا آخر پڑھتے، درمیان میں نہیں چھوڑتے تھے۔ آپ کے وسعتِ مطالعہ کا اندازہ آپ کی تصنیفات سے لگایا جاسکتا ہے، مثلاً آپ نے "الکلام الأوضح في تفسير سورہ ألم نشرح" میں ستاسی سے زیادہ کتابوں کے حوالے

دیئے ہیں، جس سے علمی و دینی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

فتویٰ نویسی:

تیرہویں صدی ہجری میں حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد ماجد امام العلما حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب نے ۱۲۴۶ھ مطابق ۱۸۳۱ء میں سرزمینِ بریلی پر مسندِ اِفتا کی بنیاد رکھی، اور چونتیس سال تک فتوی نویسی کا کام بحسن وخوبی انجام دیا۔ امام العلما نے اپنے فرزندِ سعید حضرت علامہ نقی علی صاحب کو خصوصی تعلیم دے کر مسندِ اِفتا پر فائز کیا، مولانا نقی علی خاں نے مسندِ اِفتا پر رونق افزا ہونے کے بعد سے ۱۲۹۷ھ تک نہ صرف فتوی نویسی کا گراں قدر فریضہ انجام دیا، بلکہ معاصر علما وفقہا سے اپنی علمی بصیرت کا لوہا منوالیا۔

حضرت رئیس المتکلّمین نے طویل عرصہ تک ملک و بیرونِ ملک سے آنے والے سوالات کے جوابات انتہائی فقیہانہ بصیرت کے ساتھ فی سبیل اللہ تحریر کیے، مولانا کے فتاوی کا مجموعہ تیار نہ ہوسکا، اس لیے ان کی فتوی نویسی پر سیر حاصل گفتگو نہیں کی جاسکتی، لیکن مختلف علوم وفنون پر آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف آپ کے علم وفضل کی شاہد ہیں۔ آپ کے اقوال وآرا کو علمائے عصر سند تسلیم کرتے تھے، اور اپنے فتووں پر مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی تصدیق لازمی وضروری سمجھتے تھے، آپ کے پاس عام طور پر فتاوے تصدیقات کے لیے آتے تھے، آپ انتہائی احتیاط سے کام لیتے، اگر جوابات صحیح ہوتے، دستخط کر کے مہر ثبت کردیتے، اور اگر جواب غلط ہوتے تو علیٰحدہ کاغذ پر جواب لکھ دیتے، کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ اس بارے میں مفتی حافظ بخش آنولوی لکھتے ہیں:

”مولوی صاحب ممدوح (مولانا نقی علی خاں) کوکسی کی تکفیر مشتہر کرنے سے کیا غرض تھی نہ آپ کی یہ عادت، مسائل جو مُہر کے واسطے آتے ہیں اگر صحیح ہوتے ہیں مہر ثبت فرماتے ہیں، اور جو خلافِ کتاب ہوتے ہیں، جواب علیحدہ سے لکھ دیتے ہیں، کسی کی تحریر سے تعرض نہیں کرتے“۔

تصنیف وتالیف:

حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو کتب بینی، فتویٰ نویسی، درس وتدریس، عبادت وریاضت، خدماتِ دینی وملی کے علاوہ تصنیف وتالیف سے بھی بہت شغف تھا، تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی آپ اپنے دور میں نادرِ روزگار تھے، اور جامعیتِ علوم میں ہم عصر علما پر فوقیت رکھتے تھے۔ آپ کو متعدد علوم پر دسترس حاصل تھی، آپ نے اردو زبان کو اپنی گراں قدر تصانیف سے مالا مال کیا، آپ نے مختلف علوم وفنون اور موضوعات پر کتابیں لکھیں، خاص طور پر سیرتِ نبوی، اصلاحِ معاشرہ، تعلیم وتعلم، علمِ معاشرت، تصوف وغیرہ موضوعات ومسائل پر نہایت جامع اور بلند پایہ تصانیف قلم بند کی ہیں۔

آپ کے خلفِ اکبر امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے چھبیس کتابوں کا ذکر فرمایا ہے، اور باقی کتابوں کے مسودات ملے ہیں، جن کے اول وآخر یا وسط سے اَوراق غائب ہیں، اس طرح سے ایک اندازہ کے مطابق آپ نے چالیس کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

آپ کی بیش بہا تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات میں طبع نہ ہوسکیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم وفضل کی دولت کے ساتھ اِستغنا کی

دولت سے بھی مالا مال فرمایا تھا، جس وقت کچھ علما اپنے علم کو جنسِ تجارت بنا کر برطانوی حکّام سے نذرانے وصول کر کے، اور دولت مندوں سے چندہ لے کر اپنے عقائد و نظریات کی ترویج و اِشاعت کر رہے تھے، اس وقت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ کی غیرتِ دینی کا یہ عالم تھا کہ آپ نے اپنے ہم مسلک اور معتقدین رؤسا کے پاس جانا بھی منظور نہیں کیا، یہی وجہ ہے کہ آپ کی مذہبی تصانیف اور دینی تحقیقات آپ کی حیات میں زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکیں۔

درس و تدریس

حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ ایک بلند پایہ عالم اور اپنے وقت کے بے مثال فقیہ تھے، آپ نے درس کی طرف خصوصی توجہ فرمائی، آپ کی شخصیت من حیث التدریس مشہور تھی، طلبا دُور دُور سے آپ کے پاس اکتسابِ علم کے لیے آتے، آپ بہت ذوق و شوق کے ساتھ طلبا کو تعلیم فرماتے۔ حضرت علامہ قوم کی فلاح و بہبود کے لیے دینی تعلیم کو لازمی قرار دیتے، حضرت علامہ کو مسلمانوں کی علمِ دین کی جانب سے لاپرواہی پر بہت تشویش تھی، چنانچہ آپ نے دینی تعلیم کے فروغ کے لیے بریلی میں ''مدرسہ اہلِ سنّت'' قائم فرمایا۔

مدرسۂ اہلِ سنت کا قیام

حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے عہد تک بریلی میں مختلف علمائے کرام اِنفرادی طور پر دینی و مذہبی تعلیم دیتے رہے، جن میں مولانا ہدایت علی فاروقی اور مولانا یعقوب علی کے نام قابل ذکر ہیں، مولانا ہدایت علی بریلوی، بریلی کے محلّہ قردلان کے ساکن تھے، اور علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمہ اللہ کے شاگرد تھے،

آپ نے ''مدرسہ شریعت'' کے نام سے بریلی میں ایک مدرسہ قائم کیا، جس میں آپ دینی تعلیم دیتے تھے، اکبر حسین کمبوہ کی بیوی نے بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا، وہ تنہا اس مدرسہ کے مصارف برداشت کرتی تھیں، بریلی میں یہ پہلا دینی مدرسہ تھا، مدرسہ میں شہر کہنہ کے رئیس مولانا یعقوب علی نے بھی کچھ عرصہ تک درس وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔

ان مدارس کے باوجود بریلی میں کوئی ایسا مدرسہ نہ تھا جو باقاعدہ تعلیم دے سکتا، اس لیے حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے کوٹھی رحیم دادخاں واقع محلّہ گلاب نگر، بریلی میں ''مدرسہ اہل سنت'' کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔

تلاش وجستجو کے باوجود مدرسہ کے قیام کی سن وتاریخ کا کوئی دستاویزی ثبوت حاصل نہیں ہوسکا، مدرسہ کے مصارف عوام کی مدد وتعاون سے پورے ہوتے تھے۔

حضرت رئیس المتکلّمین رحمہ اللہ تعالیٰ درس وتدریس سے خاص شغف رکھتے تھے، مسلمانوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے، آپ علمِ معقول ومنقول پر پوری دسترس رکھتے تھے، مولانا کے شغف اور علم وفضل کے کمال کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا کے ہم عصر اور دوست نواب نیاز احمد خاں ہوشؔ لکھتے ہیں:

''مولوی صاحب سلمہ تعالیٰ (مولانا نقی علی خاں) کا گلِ اسلام تازہ رنگ لایا، یعنی اکثر اشخاص کو تعلیمِ علم کا شوق دلاتے ہیں۔ اپنا وقت دینیات کے پڑھانے میں بہت صرف فرماتے ہیں۔ ہنگام کلام علوم کا دریا بہہ جاتا ہے، العالم إذا تکلّم فھو البحر وتموّج (عالم جب گفتگو کرتا ہے تو علم کے سمندر میں غوطہ لگاتا ہے) کا

مضمون انہیں کی ذاتِ مجمع حسنات پر صادق آتا ہے۔ کسی نحو کسی علم میں عاری نہیں، ہر علم میں دخل معقول ہونا بجز عنایتِ باری نہیں، امورِ خیر میں اپنی اوقاتِ عزیز صرف کرنے میں دشواری نہیں۔ مسائل مشکلہ معقول نے ان کے سامنے مرتبہ حضوری پایا۔ منقول میں بدوں حوالہ آیت اور حدیث کلام نہ کرنا ان کا ایک قاعدہ کلی نظر آیا۔ ان کے حضور اکثر منطقی اپنے اپنے قیاس وشعور کے موافق صغرائے ثنا اور کبرائے مدح شکل بدیہی الانتاج بنا کر دعویٰ توصیف کو ثابت کر دکھاتے ہیں، آخر الامر نتیجہ نکالتے وقت یہ شعر زبان پر لاتے ہیں:

کیا عجب مدرسہ علم میں اس عالم کے
شمس آکر سبق شمسیہ پڑھتا ہو اگر (۱)

ہوشؔ

عبادت وریاضت

حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ زبردست عالم، مفتیٔ وقت، فقیہ عصر، پابندِ شرع اور عابدِ شب بیدار تھے، ہر وقت باوضو رہتے، نمازِ باجماعت کے پابند تھے، اور قلب درود شریف کا ذاکر رہتا۔ روزے پابندی سے رکھتے تھے، آپ کی زندگی کا ہر شعبہ اتباعِ سنت کے انوار سے منور تھا، طبیعت ناساز ہوتی تب بھی نماز باجماعت مسجد ہی میں ادا فرماتے، فرض روزوں کے علاوہ اکثر نفل روزے بھی رکھتے۔ تصنیفی، تبلیغی اور علمی مصروفیات کے باوجود آپ نہ صرف فرائض وواجبات، بلکہ نوافل مستحبہ، اوراد ووظائف، اور ارشادِ شعبہ جات عبادت کو مصروف رہتے۔

---

(۱) "سرور القلوب في ذكر المحبوب"، تقریظ برعایتِ گلزار، ص۶۔

اخلاق وعادات

حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے اخلاق وعادات بہت عمدہ تھے، پوری زندگی عشقِ رسول اور اتباعِ سنت میں گزری، اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا، دوسروں کو بھی یہی تلقین کرتے تھے، سلام کرنے میں ہمیشہ سبقت کرتے، قبلہ کی طرف کبھی پاؤں نہ کرتے، اور نہ کبھی قبلہ کی طرف تھوکتے تھے۔ غربا ومساکین اور طلبہ کے ساتھ انتہائی شفقت کے ساتھ پیش آتے، اور اکثر اُن کی مالی مدد بھی کرتے۔ علما وطلبا کا بہت احترام کرتے تھے، اِن کے آنے پر بہت خوش ہوتے۔ انتہائی خوش مزاج اور با اَخلاق تھے، غرور وتکبر نام کو نہ تھا، خدّام اور ملازمین سے بہت خوش اخلاقی سے پیش آتے، خدا کی رضا کے لیے خدمتِ دین آپ کا مشغلہ تھا، کسی غرض یا ذاتی مفاد کا معمولی شائبہ بھی نہ تھا۔

عشقِ رسول ﷺ

عشقِ رسول ﷺ ہی عشقِ الٰہی کا ذریعہ ہے، عشقِ رسول کے بغیر بندہ عشقِ الٰہی سے محروم رہتا ہے، عاشقِ رسول کا سینہ جتنا عشقِ رسول سے معمور رہتا ہے، اتنا ہی عبادات وطاعت میں حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو تاجدارِ کائنات ﷺ سے سچا عشق تھا، مولانا کے ہر قول وفعل سے عشقِ رسول کی جھلک نمایاں تھی، آپ کو حضور نبی کریم ﷺ کے زبردست گرویدہ اور اُن کے عشق میں وارفتہ تھے، سفر میں ہوں یا حضر میں، گھر ہوں یا عوام کے عظیم اجتماع میں، ہر جگہ سنتِ رسول کی اتباع کی ترغیب وتلقین میں مصروف ومشغول رہے۔ کبھی غیر ضروری گفتگو نہیں فرماتے۔ آپ تمام عمر پورے عالَم کو اتباعِ نبوی میں ڈھالنے کی کوشش

کرتے رہے۔عوام ہوں یا علما، حاجت مند ہوں یا سرمایہ دار، دانشور ہوں یا کم عقل، سب کے سامنے آپ کی گفتگو کا موضوع حضور نبی کریم ﷺ کا عشق و محبت ہوتا، اور اتباع کی تلقین ہوتی۔

ایک بار مولانا نقی علی خاں بیمار ہو گئے جس کی وجہ سے کافی نقاہت ہو گئی۔ محبوب رب العالمین ﷺ نے فدائی کے جذبۂ محبت کی لاج رکھی اور خواب ہی میں ایک پیالے میں دوا عنایت فرمائی جس کے پینے سے افاقہ ہوا اور وہ جلد ہی رُو بصحت ہو گئے۔

مجاہدِ جنگِ آزادی

حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو ملک میں انگریز اقتدار سے شدید نفرت تھی، آپ نے تاحیات انگریزوں کی سخت مخالفت کی، اور انگریزی اقتدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے، وطنِ عزیز کو انگریزوں کے جبر واستبداد سے آزاد کرانے کے لیے آپ نے زبردست قلمی ولسانی جہادی خدمات انجام دیں، اس بارے میں چندہ شاہ حسینی لکھتے ہیں:

"مولانا رضا علی خاں رحمۃ اللہ علیہ انگریزوں کے خلاف لسانی وقلمی جہاد میں مشہور ہو چکے تھے، انگریز مولانا کی علمی وجاہت ودبدبہ سے بہت گھبراتا تھا، آپ کے صاحبزادے مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ بھی انگریزوں کے خلاف جہاد میں مصروف تھے، مولانا نقی علی خاں کا ہند کے علما میں بہت اونچا مقام تھا، انگریزوں کے خلاف آپ کی عظیم قربانیاں ہیں"۔

ملک سے انگریزوں کو نکال باہر کرنے کے لیے ہند کے علما نے ایک جہاد

کمیٹی بنائی، انگریزوں کے خلاف عملاً جہاد کا آغاز کرنے کے لیے جہاد کمیٹی نے جہاد کا فتویٰ صادر کیا، اس جہاد کمیٹی میں امام العلما مولانا رضا علی خاں، علامہ فضلِ حق خیر آبادی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا نقی علی خاں بریلوی، مولانا شاہ احمد اللہ شاہ، مولانا سید احمد مشہدی بدایونی ثم بریلوی، جنرل بخت خاں وغیرہا کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

مولانا نقی علی خاں انگریزوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے پہنچاتے تھے، آپ نے اپنی انگریز مخالف تقاریر سے مسلمانوں میں جہاد کا جوش وولولہ پیدا کیا، بریلی کا جہاد کامیاب ہوا، انگریزوں کو مسلمانوں نے شکست دی، اور بریلی چھوڑنے پر مجبور کردیا۔

شہیدِ محبت کا سفرِ آخرت

حضرت علامہ نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا خونی اِسہال کے عارضہ میں ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۸۸۰ء کو وصال ہوا، علما نے اس کو شہادت سے تعبیر کیا، آپ کے والد ماجد امام العلما مولانا رضا علی خاں کے پہلو میں محو استراحت ہوئے۔ امام احمد رضا خاں فاضل بریلی آپ کے آخری لمحات کا اس طرح بیان کرتے ہیں:

”سلخ ذیقعدہ پنج شنبہ وقت ظہر ۱۲۹۷ھ کو اکیاوَن برس پانچ ماہ کی عمر میں بعارضۂ اِسہال دَموی شہادت پا کر شبِ جمعہ اپنے والد ماجد قدّس سرّہ العزیز کے کنار میں جگہ پائی۔

إذاقة الأثام لمانعي عمل المولِد والقيام

یہ کتاب میلادِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موضوع پر اردو میں لکھی جانے والی اوائل کتب میں سے ایک لاجواب تصنیف ہے، اس کے مطالعے سے مصنف علّام رئیس المتکلمین مولانا نقی علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کا خوب اندازہ ہوتا ہے، آپ نے اس کتاب میں میلاد مصطفیٰ کے جواز کے علاوہ بدعت کی تعریف، اقسام اور اس کے اِطلاقات پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے کہ شاید اس جمع وترتیب کے ساتھ مبحثِ بدعت کہیں اور نہ مل پائے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ سیدنا امام احمد رضا رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی متعدّد تصانیف میں اس کی طرف اشارہ فرمایا، خاص طور پر اُن مقامات پر جہاں بدعت وغیرہ ہفوات وہابیہ کی بحث ذکر فرمائی، نیز اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس پر ایک وقیع حاشیہ بھی تحریر فرمایا، جس کا نام "رَشاقة الكلام في حواشي إذاقة الأثام" رکھا۔

عرصہ دراز سے اس کتاب کی تلاش وجستجو جاری تھی، یہاں تک کہ رئیس المتکلمین کی شخصیت وخدمات کے عنوان سے پی-ایچ-ڈی کرنے والے ڈاکٹر حسن صاحب نے بھی اپنے مقالہ میں اس تالیف مبارک کا ذکر کر کے لکھا کہ: "یہ کتاب عنقا ونایاب ہے"، مگر بحمدہٖ تعالیٰ اس کا ایک نسخہ حضرت مولانا محمد حنیف رضوی صاحب دامت برکاتہ العالیہ کی وساطت سے کسی دردمند کو میسر آیا، اور اس کا فوٹو لے کر الجامعة الأشرفية مبارکپور اعظم گڑھ کے طلبائے درجۂ فضیلت کے حصہ میں اس مبارک رسالہ کی اشاعت وطباعت کی سعادت آئی۔ فقیر اپنے سفر ہندوستان

۲۰۰۶ء میں اس کی زیارت سے فیضیاب ہوا، اس طباعت جدیدہ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا فوٹو اُس نسخے سے لیا گیا ہے جو سیدنا امام احمد رضا کے اہتمام سے مطبع اہلِ سنّت بریلی سے شائع ہوا تھا، جیسا کہ خود اعلیٰ حضرت نے اپنے والد گرامی کے مختصر حالات میں اس کتاب کی بابت فرمایا کہ: ''اِن شاء اللہ عنقریب شائع ہوگی''۔

پھر جب کتاب فقیر کو میسر آئی اسی وقت یہ نیت کر لی تھی کہ اس کی اشاعت جدید کتابت، تخریجِ نصوص، اور ترتیب جدید کے ساتھ کروں گا، مگر چونکہ "ردّالمحتار" (فتاویٰ شامی) پر امام احمد رضا کی تعلیقات "جدّ الممتار" کی خدمت میں مصروف رہا، اس لیے اس کتاب کی باری نہ آسکی۔ اب چونکہ ماہِ ربیع الانور قریب ہے، اور کتاب کا موضوع بھی اس مبارک مہینے سے خاص مناسبت رکھتا ہے، لہٰذا اس کی اشاعت پر ہمت باندھ لی، اور اب یہ کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہے، الحمد للہ ربّ العالمین۔

یہاں ایک بات بتاتا چلوں کہ ہمیں کتاب کا جو نسخہ میسر آیا اس میں متن وحاشیہ کی کچھ عبارات غیر مقروء ہیں، لہٰذا اُن مقامات پر وضاحتی نوٹ لگا دیا گیا ہے، نیز مذکورہ نسخے سے صفحہ ۹۳، ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۱۲۷ اور ۱۲۸ میسر نہ آسکے، اس کے علاوہ آخر میں بھی کچھ عبارت ناقص ہے جس کی مقدار ہمیں نہیں معلوم۔ برائے کرم! اگر کسی صاحب کو اس کتاب کا کوئی کامل نسخہ میسر آئے تو ہمیں بھی اس کی زیارت سے فیضیاب فرمائیں؛ تاکہ ہم اپنے نسخے کی تکمیل کر پائیں، فجزاه الله خيراً۔

نیز یہ بھی واضح رہے کہ حاشیہ کی عبارت میں جہاں لفظ: ''اعلیٰ حضرت'' آیا ہے، وہاں امام احمد رضا مراد نہیں، بلکہ آپ کے والدِ گرامی حضرت رئیس المتکلمین

مولانا نقی علی صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ مراد ہیں، نیز امام احمد رضا کے حواشی کی علامت یہ ہے کہ آپ کے ہر حاشیہ کے آخر میں حضرت عالمِ اہلسنّت وغیرہ تحریر ہے۔

دار أهل السنّة کی جانب سے اس رسالہ کی اشاعت درج ذیل خصوصیات پر مشتمل ہے:

۱) جدید کمپوزنگ۔

۲) صحت وضبطِ عبارت کا اشد اہتمام۔

۳) تخریج آیاتِ قرآنیہ، واحادیث شریفہ، ونصوص کتبِ مختلفہ۔

۴) فہرست مضامین، وآیات واحادیث، ومآخذ ومراجع۔

۵) پیرابندی، کاماز، فُل اسٹاپ وغیرہ کا اہتمام۔

۶) طویل عبارات کی تقریبِ فہم کے لئے ہلالین () کا استعمال۔

چونکہ دار أهل السنّة کی طرف سے تخریجِ آیات واحادیث ونصوصِ کتب کا کام امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ کے حواشی میں بھی انجام دیا گیا ہے، لہٰذا تخاریج وغیرہا کو تسلسلِ عبارت ہی میں اس طرح کے بریکٹ ﴿﴾ میں اندارج کیا گیا ہے؛ کہ حاشیہ علی الحاشیہ ہمارے لیے میسّر نہ آیا۔

نیز خود امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے بھی اپنے حواشی پر مزید تعلیقات رقم فرمائی ہیں، چنانچہ وہ بھی اسی طرح کے بریکٹ ﴿﴾ درج کردی گئی ہیں۔

ان تمام اہتمامات کے باوجود بتقاضائے بشری غلطی کا اِمکان باقی ہے، لہٰذا اس اشاعت جدیدہ کے امور حسنہ ہمیں اِس مبارک کام کی توفیق بخشنے والے پروردگارِ عالم کے فضل عمیم سے ہیں، اوراس میں پائی جانے والی اغلاط فقیر اوراس کی ٹیم کی

طرف منسوب ہیں، لہٰذا ہر مخلص وہمدرد سے التجا ہے کہ ان اغلاط کی نشاندہی فرما کر ممنون وماجور ہوں۔

وصلّى الله تعالى على حبيبه الكريم، وعليه وعلى آله وصحبه أفضل الصّلاة والتسليم۔

دعا گو ودعا جو

محمد اسلم رضا تحسینی

۲۵ صفر المظفر ۱۴۲۹ھ

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

نحمده و نصلّي علی رسوله الکریم

مختصر حالاتِ حضرت مصنف علاّم قدّس سرّہ ملک المنعام

بقلم اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدّدِ دین وملت امامِ اہلِ سنّت

مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ علیہ

وہ جنابِ فضائل مآب، تاج العلماء، رأس الفضلاء، حامیٔ سنّت، ماحی بدعت، بقیۃ السلف، حجت الخلف رضي اللّٰہ تعالی عنه وأرضاه، وفي أعلی غرف الجنان بوّاہ سلخ جمادی الآخر یا غرۂ رجب ۱۲۴۶ھ قدسیہ کو رونق افزائے دارِ دنیا ہوئے، اپنے والدِ ماجد حضرت مولائے اعظم، جر غطمطم، فضائل پناہ، عارف باللّٰہ، صاحبِ کمالات باہرہ و کراماتِ ظاہرہ، حضرت مولانا مولوی محمد رضا علی خاں صاحب روّح اللّٰہ روحه ونوّر ضریحه سے اکتسابِ علوم فرمایا، بحمد اللّٰہ منصب شریف علم کا پایۂ ذروۂ علیا کو پہنچایا، ’’راست میگویم و یزداں نہ پسندو جز راست‘‘ کہ جو دقّتِ انظار، وحدّتِ افکار، وفہمِ صائب، ورائے ثاقب حضرت حق جلّ وعلا نے انہیں عطا فرمائی، اِن دیار وامصار میں اس کی نظیر نظر نہ آئی، فراستِ صادقہ کی یہ حالت تھی کہ جس معاملہ میں جو کچھ فرمایا وہی ظہور میں آیا، عقلِ معاش ومعاد دونوں کا بروجۂ کمال اجتماع بہت کم سنا، یہاں آنکھوں دیکھا۔

علاوہ بریں سخاوت وشجاعت وعلوِ ہمت وکرم ومروّت وصدقاتِ خفیہ

ومبرّاتِ جلیّہ وبلندیٔ اقبال ودبدبہ وجلال وموالاتِ فقرا، اور امرِ دینی میں عدمِ مبالات باغنیاء، حکّام سے عزلت، رزقِ موروث پر قناعت وغیر ذلک فضائل جلیلہ وخصائل جمیلہ کا حال وہی کچھ جانتا ہے جس نے اس جناب کی برکتِ صحبت سے شرف پایا ہے، ''ایں زبحریست کہ در کوزہ تحریر آید''۔

مگر سب سے بڑھ کر یہ کہ اس ذاتِ گرامی صفات کو خالق عزّ وجل نے حضرت سلطانِ رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ کی غلامی وخدمت اور حضورِ اقدس کے اعدا پر غلظت وشدّت کے لیے بنایا تھا، بحمد اللہ ان کے بازوئے ہمت وطنطنۂ صولت نے اس شہر کو فتنۂ مخالفین سے یکسر پاک کردیا، کوئی اتنا نہ رہا کہ سر اُٹھائے یا آنکھ ملائے، یہاں تک کہ ۲۶ شعبان ۱۲۹۳ھ کو مناظرہ دینی کا عام اعلان مسمّٰی بنام تاریخی ''اصلاحِ ذاتِ بیّن'' طبع کرایا اور سوا مہرِ سکوت، یا عار فرار، وغوغائے جہّال، وعجز واضطرار کے کچھ جواب نہ پایا۔

فتنۂ شش مثل کا شعلہ کہ مدت سے سر بفلک کشیدہ تھا، اور تمام اقطارِ ہند میں اہلِ علم اسکے اِطفا پر عرق ریز وگرویدہ، اِس جناب کی ادنیٰ توجہ میں بحمد اللہ سارے ہندوستان سے ایسا فرو ہوا کہ جب سے کان ٹھنڈے ہیں، اہلِ فتنہ کا بازار سرد ہے، خود اس کے نام سے جلتے ہیں۔

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ خدمت روزِ اَزَل سے اس جناب کے لیے ودیعت تھی، جس کی قدرے تفصیل رسالہ ''تنبیہ الجہّال بإلھام الباسط المتعال'' میں مطبوع ہوئی۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ مَن یشاء۔

تصانیفِ شریفہ اِس جناب کی سب علومِ دین میں ہیں، نافعِ مسلمین ودافعِ مفسدین، والحمد للہ ربّ العالمین، از انجملہ ''الكلام الأوضح في تفسير سورة ألم نشرح'' کہ مجلّد کبیر ہے علومِ کثیرہ پر مشتمل، ''وسيلة النجاة'' جس کا موضوع ذکرِ حالاتِ سید کائنات ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجلّدِ وسیط، ''سرور القلوب في ذكر المحبوب'' کہ مطبع نَوَل کِشور میں چھپی، ''جواهر البيان في أسرار الأركان'' جس کی خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے،

ع ''ذوق ایں مے نشناسی بخدا تانہ چشی''،

فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے صرف اس کے ڈھائی صفحوں کی شرح میں ایک رسالہ مسمّٰی بہ ''زواهر الجِنان من جواهر البيان'' بلقب بنامِ تاریخ ''سلطنة المصطفى في ملكوت كلّ الورى'' تالیف کیا۔

''أصول الرشاد لقمع مباني الفساد''، جس میں وہ قواعد ایضاح واِثبات فرمائے جن کے بعد نہیں مگر سنّت کو قوت اور بدعتِ نجدیہ کو موتِ حسرت، ''هداية البرية إلى الشريعة الأحمدية''، یہ دس فرقوں کا رد ہے، یہ کتابیں طبع صبحِ صادق سیتا پور میں مطبع ہوئیں، ''إذاقة الأثام لمانعي عمل المولد والقيام'' کہ اپنی شان میں اپنا نظیر نہیں رکھتی، اوراِن شاء الله العزيز عنقریب شائع ہوگی۔

فضل العلم والعلماء'' ایک مختصر رسالہ کہ بریلی میں طبع ہوا، ''إزالة الأوهام'' ردِّ نجدیہ، ''تزكية الإيقان ردّ تقوية الإيمان'' کہ یہ عشرۂ کاملہ زمانۂ حضرت مصنف قدّس سرّہ میں تبییض پاچکا، ''الكواكب الزهراء في فضائل

العلم وآداب العلماء" جس کی تخریجِ احادیث میں فقیر غفر اللّٰہ تعالی لہ نے رسالہ "النجوم الثواقب في تخريج أحاديث الكواكب" لکھا۔

"الرواية الرويّة في الأخلاق النبويّة"، "النقادة النقويّة في الخصائص النبويّة"، "لمعة النبراس في آداب الأكل واللباس"، "التمكّن في تحقيق مسائل التزيّن"، "أحسن الوعاء لآداب الدعاء"، "خير المخاطبة في المحاسبة والمراقبة"، "هداية المشتاق إلى سير الأنفس والآفاق"، "إرشاد الأحباب إلى آداب الاحتساب"، "أحمل الفكر في مباحث الذكر"، "عين المشاهدة لحسن المجاهدة"، "تشوّق الأداة إلى طريق محبّة اللّٰه"، "نهاية السعادة في تحقيق الهمّة والإرادة"، "أقوى الذريعة إلى تحقيق الطريقة والشريعة"، "ترويح الأرواح في تفسير سورة ألم نشرح"۔

ان پندرہ رسائل مابین وجیز ووسیط کے مسودات موجود ہیں جن کی تبییض کی فرصت حضرت مصنف قدّس سرّہٗ نے نہ پائی، فقیر غفر اللّٰہ تعالی لہ کا قصد ہے کہ انہیں صاف کر کے ایک مجلّد میں طبع کرائے إن شاء اللّٰہ سبحانہ وتعالی،

ع کہ حلوا بہ تنہا نبایست خورد۔

ان کے سوا اور تصانیف شریفہ کے مسودے بستوں میں ملتے ہیں مگر منتشر، جن کے اجزا اوّل آخر یا وسط سے گم ہیں، ان کے بارے میں حسرت ومجبوری ہے، غرض عمر اس جناب کی ترویجِ دین وہدایتِ مسلمین ونکاتِ اعداء وحمایتِ مصطفی صلی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم میں گزری۔ جزاه اللّٰہ من الإسلام والمسلمين خير جزاء،

آمین۔

پنجم جمادی الاولی ۱۲۹۴ھ کو مارہرۂ مطہرہ میں دستِ حق پرست حضرت آقائے نعمت، دریائے رحمت، سید الواصلین، سند الکاملین، قطبِ اوانہ، وامامِ زمانہ، حضور پرنور سیدنا ومرشدنا، مولانا ومأوانا، ذُخرتی لیومی وغدی، حضرت سیدنا سید شاہ آلِ رسول احمدی، تاجدارِ مسندِ مارَہرہ رضي اللہ تعالی عنہ وأرضاہ، وأفاض علینا من برکاتہ ونعماہ، پر شرفِ بیعت حاصل فرمایا، حضور پیر ومرشدِ برحق نے مثالِ خلافت واجازتِ جمیع سلاسل وسندِ حدیث عطا فرمائی، یہ غلام ناکارہ بھی اُس جلسہ میں اِس جناب کے طفیل اِن برکات سے شرفیاب ہوا، والحمد للہ ربّ العالمین۔

۲۶ شوال ۱۲۹۵ھ کو باوجود شدّتِ علالت وقوتِ ضعف خود حضور اِقدس سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص طور پر بلانے سے کہ ((من رآني في المنام فقد رآني)) (۱) عزمِ زیارت وحج مصمم فرمایا، یہ غلام اور چند اصحاب وخدّام ہمراہِ رکاب تھے، ہر چند احباب نے عرض کی کہ: یہ حالت ہے، آئندہ سال پر ملتوی فرمایئے، ارشاد کیا: مدینہ طیبہ کے قصد سے قدم دروازہ سے باہر رکھ لوں، پھر چاہے روح اُسی وقت پرواز کر جائے، دیکھنے والے جانتے ہیں کہ تمام مشاہد میں تندرستوں سے کسی بات میں کمی نہ فرمائی، بلکہ وہ مرض ہی خود نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ایک آب خورہ میں دوا عطا فرمانے سے کہ ((من رآني فقد رآني الحقّ)) (۲) حدِّ منع

---

(۱) "صحیح البخاري"، کتاب التعبیر، باب مَن رأی النّبي ﷺ في المنام، ر: ٦٩٩٤، صـ١٢٠٦۔

(۲) المرجع السابق، ر: ٦٩٩٧، صـ١٢٠٧۔

پر نہ رہا۔

وہاں حضرت اجلّ العلماء، اکمل الفضلاء، حضرت مولانا سید احمد زینی دحلان شیخ الحرم وغیرہ علمائے مکۂ معظمہ سے مکرّر سندِ حدیث حاصل فرمائی، سلخ ذی القعدہ روزِ پنجشنبہ وقتِ ظہر ۱۲۹۷ ہجریہ قدسیہ کو اکیاون برس پانچ مہینے کی عمر میں بعارضۂ اِسہالِ دَموی شہادت پاکر شبِ جمعہ اپنے حضرت والد ماجد قدّس سرّہ کے کنار میں جگہ پائی، إنّا للّٰہ وإنّا إلیہ راجعون ۔

روزِ وصال نمازِ صبح پڑھ لی تھی، اور ہنوز وقتِ ظہر باقی تھا کہ انتقال فرمایا، نزع میں سب حاضرین نے دیکھا کہ آنکھیں بند کیے متواتر سلام فرماتے تھے، جب چند اَنفاس باقی رہے ہاتھوں کو اعضائے وضو پر یوں پھیرا گویا وضو فرماتے ہیں، یہاں تک کہ استنشاق بھی فرمایا، سبحان اللہ! وہ اپنے طور پر حالتِ بے ہوشی میں نمازِ ظہر بھی ادا فرما گئے۔ جس وقت روحِ پُر فتوح نے جدائی فرمائی، فقیر سرہانے حاضر تھا، واللہ العظیم! ایک نورِ ملیح علانیہ نظر آیا کہ سینہ سے اُٹھ کر برقِ تابندہ کی طرح چہرہ پر چمکا، اور جس طرح لمعانِ خورشید آئینہ میں جنبش کرتا ہے، یہ حالت ہو کر غائب ہو گیا، اس کے ساتھ ہی روح بدن میں نہ تھی۔ پچھلا کلمہ کہ زبان فیض ترجمان سے نکلا، لفظِ ''اللہ'' تھا وَبس، اور اخیر تحریر کہ دست مبارک سے ہوئی بسم اللہ الرحمن الرحیم تھی کہ انتقال سے دو روز پہلے ایک کاغذ پر لکھی تھی، بعدہٗ فقیر نے حضور پیر و مرشدِ برحق رضی اللہ عنہ کو رؤیا میں دیکھا کہ حضرت والد قدّس سرّہ الماجد کے مرقد پر تشریف لائے، غلام نے عرض کی: حضور یہاں کہاں، أو لفظاً ھذا معناہ فرمایا: آج سے، یا فرمایا: اب سے ہم یہیں رہا کریں گے، رحمہ اللّٰہ تعالی رحمۃ واسعۃ ۔

ذهب الذين يعاش في أكنافهم

وبقيت في ناس كجلد الأجرب

ليهن رعاء النّاس وليفرح الجهل

بعدك لا يرجو البقا مَن له عقل

اللّٰهمّ ارحمهما، وارض عنهما، وأكرم نزلهما، وأفض علينا

من بركاتهما، آمين برحمتك يا أرحم الراحمين!

وصلّى اللّٰه تعالى على سيّدنا ومولانا محمّد

وآله وصحبه أجمعين، آمين!۔

بسم اللّٰہ الرحمن الرحيم

الحمد للّٰہ الغفور الودود، والصّلاة والسّلام على أحمد محمود، وأكرم مولود، وأسعد مسعود، وآله وصحبه الأنجم السعود، سبحان الذي أرسل رسوله بالحقّ والهدى، وخصّه بالمقام المحمود، والشفاعة الكبرى، لا مثلَ له في الورى، وله المَثل الأعلى، فهو سند الأنبياء والمرسلين، وآدم فمَن دونه تحت لوائه يوم الدين، مولوده عيد، وذكره سعيد، والصّاد عن ذكره طريد بعيد، والقائم بتعظيمه رشيد حميد، صلّى اللّٰہ تعالى عليه وعلى آله وأصحابه نجوم الهداية واليقين، وعلينا معهم أجمعين، آمين!۔

قال وأفاد عماد الرّشاد، ختام المحقّقين، إمام المدقّقين، حجّة الخلف، بقيّة السلَف، حامي السنن السنيّة، ماحي الفتن الدنيّة، أعلم علماء العالم، آية اللّٰہ تعالى وبركة رسوله صلّى اللّٰہ تعالى عليه وسلّم، سيّدنا ومولانا العلّامة الأبجل، الفهامة الأجل الشأن، المولوي محمّد نقي علي خان، المحمدي السنّي الحنفي القادري البركاتي البريلوي قدّس سرّه، وأتمّ نوره، وأكرم نزله، ونوّر منزله، ولا أضلّنا بعده، ولا حرمنا أجره، آمين! ۔

اِن ایام میں کہ ہنگامِ غربتِ اسلام ہے، حضراتِ وہابیہ وفرقۂ نجدیہ کو انکارِ مجلسِ مولدِ سیدِ اَنام عليه أفضل الصّلاة والسّلام پر نہایت اِصرار، اورعلمائے

دین وفضلائے متقدمین ومتاخرین یہاں تک کہ اپنے شیوخ ومستندین کی گمراہی وجہالت کا (صرف اس جرم پر کہ مجلسِ مولِد کو مانتے اور مستحب ومندوب جانتے ہیں)، صاف صریح اقرار ہے، ملتِ جدیدہ کے واعظین اس امرِ خیر باعثِ نزول صدرحمت ومنبع ہزارانِ ہزار برکت کے مٹانے میں ہمہ تن مصروف، اور نئی امت کے متکلمین اس عملِ مبارک کو (کہ عمدۂ مستحبات وبہترین مندوبات سے ہے) بدعت سیئہ ٹھہرانے میں اس درجہ مشغوف کہ رسائل تالیف کر کے فرضی علماء کی طرف نسبت کرنا اپنے خیالاتِ خام اوروں کے سر دھرنا، غلط حوالے دینا، علما اور کتابوں کے نام بنا لینا، قرآن وحدیث میں تصرّفِ معنوی ولفظی، بہتان وافتراء پردازی، اور اسی طرح کی صدہا بیباکیاں راہِ دین میں عیاری وچالاکیاں کرتے ہیں، خلق سے شرم نہ خدا و رسول سے ڈرتے ہیں، ہر چند علمائے اہلسنّت نے شکر الله مساعيهم الجميلة اِزالۂ منکر ودفعِ فساد وشر میں بہت سعی فرمائی، لیکن اکثر رسائل فارسی اور دقائقِ عِلمیہ پر مشتمل تھے، اُن کی تحریر كما ينبغي عوام کی سمجھ میں نہ آئی، لہٰذا فقیر مستجیر بذیلِ نبی بشیر ونذیر عليه صلاة المِلك القدير باوجود قلتِ فرصت وکثرتِ اَعراض وہجومِ ہموم وشدّتِ امراض یہ مختصر ایک مقدمہ اور دو باب اور ایک خاتمہ پر مشتمل، اور مضامین سریع الفہم کو متضمّن اردو سلیس میں مرتّب، اور "إذاقة الأثام لمانِعِي عمل المولد والقيام" سے ملقّب کرتا ہے، والله الموفّق للسداد، ومنه الهداية إلى سبيل الرشاد ۔

مقدمہ تحقیق معنیٰ بدعت میں

بعونہٖ تعالیٰ ہم نے اپنے رسالہ مسمّٰی بہ ''اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد'' میں بکمالِ تحقیق وتدقیق نئے طریق سے (جس میں بشرطِ حق پسندی وانصاف دوستی کسی مخالف کو بھی مجالِ بحث نہیں) ثابت کیا ہے کہ احادیثِ خیر الانام علیہ افضل الصّلاۃ والسّلام واقوال وافعالِ صحابۂ کرام ومجتہدینِ اسلام، اور علمائے دین کے کلام میں غور کرنے اور تطبیق دینے سے رنگ ظہور پاتا ہے کہ لفظِ بدعت شرع میں دو معنی پر آتا ہے:

معنی اوّل مخالف ومزاحم ومعارض ومصادمِ سنّت: مثلاً حکمِ شرع کے برخلاف کرنا، اور جس امر کی خوبی شرع سے ثابت ہو اُسے بُرا، یا جس کی برائی ظاہر ہو اُسے اچھا سمجھنا، بدعت بایں معنی کے ضلالت ہونے میں شک نہیں، اور احادیث میں (کہ بدعت کی شناعت اور بدعتی پر وعید وارد) یہی معنی مراد، اور باعتبار اِسی معنٰی کے خوارج، روافض، معتزلہ، ظاہریہ وغیرہم بد مذہبوں کو اہلِ بدعت کہتے ہیں، اور عقائدِ وہابیہ بھی اِسی معنی کے تحت میں داخل، اور یہ لوگ باعتبار اس معنی کے اہلِ بدعت میں شامل ہیں، بلکہ غالب استعمال اُس کا عقائد ہی میں ہے۔

رئیس المحققین شیخ محدّثِ دہلوی نے ''شرح سفر السعادۃ'' میں لکھا ہے: ''غالب استعمال بدعت در اعتقاد افتد، چنانکہ مذہبِ باطلۂ اہلِ زیغ از فرقِ اسلامیہ''[1]، متعدد احادیث واقوالِ علمائے قدیم وحدیث میں بدعت کا سنّت سے مقابلہ قرینۂ واضحہ اس استعمال کا ہے۔

---

(۱) "شرح سِفر السعادة"، باب أذكار النّبي صلّى الله عليه وسلّم، فصل در سلام وآداب، صـ۴۱۲ بتصرّف۔

اور امام شافعی و امام ابن الجزری و امام غزالی و محقق دہلوی و علامہ تفتازانی و امام سیوطی و امام صدر الدین بن عمر و مصنفِ ''درِ مختار''، و شاہ عبد العزیز صاحب دہلوی وغیرہم بہت اکابرِ دین وائمہ متقدمین وعلمائے متاخرین نے بدعت کو اس معنیٰ کے ساتھ تفسیر اور بدعتِ ضلالت سے تعبیر کیا ہے، اور وہ جو بعض متکلمینِ وہابیہ نے اِس معنیٰ کا انکار عصمت اللہ سہارنپوری سے نقل کیا، اور اس مقولہ کو مؤوّل قرار دیا، قول سہارنپوری کا بعد تسلیمِ صحتِ نقل بمقابلۂ اقوالِ مجتہدین وائمۂ دین کیا وقعت رکھتا ہے؟! اور حضرات مذکورین کے مقبول معنیٰ کو کب رد کر سکتا ہے؟! اور نہ ضرورت تاویل کی ہے، بلکہ اس جگہ تعددِ معنیٰ موجب جمعِ نصوص ورفعِ تعارض واختلاف کا ہے۔

معنیٔ دوم: جو فعل بعینہٖ وبہیئتِ کذائی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نہ آپ کیا، نہ امت کو حکم دیا، نہ برقرار رکھا، گو اصل اُس کی شرع سے ثابت، اور مقصود شرع کے مناسب، اور قواعدِ حُسن ووجوب کے تحت مندرج، اور مصالحِ دینیہ پر مشتمل ہو، بدعت بایں معنیٰ علی الاِطلاق گمراہی وضلالت نہیں، حسنہ بھی ہوتی ہے، اور اقسامِ پنجگانہ: واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام کی طرف تقسیم کی جاتی ہے، اصل اس تقسیم کی احادیث وآثارِ صریحہ سے ثابت۔

امام ابوشامہ استاذ امام نووی اُسے متفق علیہ علما کا فرماتے ہیں، اور علامہ ابنِ حجر نے ''فتح المبین'' میں لکھا ہے: والحاصل أنّ البدعة الحسنة متفق على ندبها، وعمل المولد واجتماع النّاس له كذلك (1)۔ یعنی بدعتِ حسنہ کے

---

(1) "فتح المبين لشرح الأربعين"، تحت الحديث الخامس، صـ۱۰۷، ۱۰۸ ملخصاً۔

مندوب ہونے پر اتفاق ہے، اور عملِ مولِد اور لوگوں کا اُس کے لیے جمع ہونا ایسا ہی ہے۔

اور ''تنبیہ السَفِیہ ''(۱) میں بھی تصریح ہے کہ اسلام کے فرقوں میں کوئی اس قسم کی بدعت کو بُرا نہیں سمجھتا، یہاں تک کہ مخالفین کے رئیس المتکلّمین نواب صدیق حسن خان بہادر ''کلمۃ الحق''(۲) میں اقرار کرتے ہیں کہ: ''اس تقسیم پر ہزار برس تک علما کا اتفاق رہا، اور کسی عالم نے ہزارِ اوّل میں کلام نہ کیا، صرف مجدّد صاحب ہزارِ دوم میں موفّق ساتھ انکار کے ہوئے''۔

اور ''سیرتِ شامی'' میں معرفتِ اقسامِ بدعت کا طریق امام عزالدین بن عبدالسلام سے اس طرح نقل کیا ہے: يُعرض البدعة على القواعد الشرعيّة، فإذا دخل في الإيجاب فهي واجبة، أو في قواعد التحريم فهي محرّمة، أو المندوب فمندوبة، أو المكروه فمكروهة، أو المباح فمباحة" (۳)،

اور علامہ عینی ''شرح صحیح بخاری'' میں لکھتے ہیں: إن كانت تندرج تحت مستحسن في الشرع فهي بدعة حسنة، وإن كانت ممّا يندرج تحت مستقبح في الشرع فهي بدعة قبيحة" (۴)۔

---

(۱) "تنبيه السفيه"۔

(۲) "كلمة الحق"۔

(۳) "سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد"، الباب الثالث عشر في أقوال العلماء في عمل...إلخ، ۱ /۳۷۰ ملخّصاً بتغيّر۔

(۴) "عمدة القاري شرح صحيح البخاري"، كتاب التراويح، باب فضل مَن قام =

محققِ دہلوی ''شرحِ مشکوٰۃ'' میں فرماتے ہیں: ''بدانکہ ہرچہ پیدا شود بعد از پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدعت ست، واز وانچہ موافق اصول وقواعدِ سنّت ست وقیاس کردہ شدہ است، برآن آنرا بدعتِ حسنہ گویند، وانچہ مخالف آن باشد بدعت وضلالت خوانند کلیۂ ((كلّ بدعة ضلالة)) [۱] محمول براین ست، وبعض بدعتہا ست کہ واجب ست، چنانکہ تعلّم وتعلیمِ صرف ونحو کہ بدان معرفتِ آیات واحادیث حاصل گردد، وحفظ غرائبِ کتاب وسنت ودیگر چیزہائیکہ حفظِ دین وملت براں موقوف بود، وبعض مستحسن ومستحب مثل بنائے رباطہا ومدرسہا، وبعض مکروہ مانند نقش ونگار کردن مساجد ومصاحف بقولِ بعض، وبعض مباح مثل فراخی در طعامہائے لذیذہ ولباسہائے فاخرہ، بشرطیکہ حلال باشند وباعثِ طغیان وتکبر ومفاخرت نشوند، ومباحاتِ دیگر کہ در زمانِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبود چنانکہ بیری وغربال ومانند آن، وبعض حرام، چنانکہ مذاہبِ اہلِ بدع واہوا برخلافِ سنّت وجماعت وانچہ خلفائے راشدین کردہ باشند، اگرچہ بآن معنی کہ در زمانِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نبودہ بدعت ست، ولیکن از قسم بدعتِ حسنہ خواہد بود، بلکہ در حقیقت سنّت ست زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمودہ است برشما باد کہ لازم گیرید سنّتِ مرا وسنّتِ خلفائے راشدین را رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین'' [۲]۔

= رمضان، تحت ر: ۸۰۲۰۱۰/ ۲۴۵ بتغيّر۔

(۱) "المستدرَك على الصحيحَين"، كتاب العلم، ر: ۱، ۳۳۲/ ۱۴۳۔

(۲) "أشعّة اللمعات"، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب...إلخ، الفصل الأوّل، ۱/ ۱۳۵ بتغيّر۔

حاصل یہ کہ جو امر بعینہٖ زمانِ نبوّت، بلکہ عصرِ صحابہ وتابعین میں بھی نہ پایا گیا، اگر شرعاً اچھا سمجھا جائے تو مستحسن اور بدعتِ حسنہ ہے، پھر اگر قواعدِ شرع سے اُس کی ضرورت مفہوم ہو تو واجب، جس طرح اہلِ عجم کے حق میں صَرف ونحو کا سیکھنا؛ کہ قرآن وحدیث کا بدون اس کے سمجھنا اور صحیح پڑھنا دشوار، اور قرآنِ مجید میں اعراب لکھنا، گو موجد اس کا حجاج بن یوسف ظالم ہے؛ کہ جاہل غیرِ حافظ بلا اعراب ہزار جگہ قرآن غلط پڑھے گا، تیسری مثال کتبِ حدیث کی تصنیف اور مسائلِ فقہ کی تدوین؛ کہ علما کتابیں تصنیف نہ کرتے تو یہ علوم عالَم سے مندرَس ہو جاتے، چوتھی مثال کتبِ فقہ کا پڑھنا کہ واجب کفایہ ہے، پانچویں مثال تقلیدِ ائمہٗ اربعہ؛ کہ جو اس زمانے میں ان کی پیروی نہ کرے گا عبادات ومعاملات میں رائے کو دخل دیکر بہکتا پھرے گا، چھٹی مثال مجتہدین کا تقریر وتخریجِ اصول میں خوض اور اس سے ایک علم مستقل پیدا، اور اُس کی بنا پر فروع وحوادث استنباط کرنا؛ کہ اگر حضرات ائمہ ایسا نہ فرماتے تو عوام کے عبادات ومعاملات سب خراب ہو جاتے، ساتویں مثال مباحثہ ومناظرہ مخالفانِ حق سے، اور تدوینِ علمِ کلام؛ کہ اہلِ حق اگر بدمذہبوں کا جواب نہ دیں، اور علمائے دین پادریوں اور اہلِ اَہوا کے رَد میں تصنیف نہ کریں، لاکھوں آدمی گمراہ ہو جائیں۔

دیکھو امرِ دوم یعنی اعراب قرآنِ مجید میں لکھنا عہدِ نبوّت میں نہ تھا، باقی امور قرونِ صحابہ یا تابعین میں بھی رائج ومعمول بہ نہ تھے، باوجود اس کے بالاتفاق واجبات سے ٹھہرے، سِوا امرِ ہفتم کے؛ کہ وجوب اس کا مسلک ائمہ متأخرین کا ہے، اور اس زمانے میں یہی قول معتمد ومختار للفتویٰ ہے۔

اور اگر بدعت اصول وقواعدِ شرع کی رُو سے اچھی سمجھی جائے، اور مقصودِ شرع سے موافق، اور مصلحتِ دینی پر مشتمل ہو، مگر حدِ ضرورت کو نہ پہنچی ہو بدعتِ مستحبہ ہے، مثالیں لیجیے: سرائیں، مسافر خانے، پُل، سڑکیں، منارے اذان کے واسطے، مدارس اور خانقاہیں طلبۂ علم وطالبانِ خدا کے لیے بنانا، راہوں پر سبیلِ پانی خواہ شربت خواہ دودھ کی لگانا، دقائقِ تصوّف میں کلام، جوعلم فی الجملہ نافع ہوں اُن کی تحصیل وتعلیم، مباحثۂ مسائل کے واسطے مجلس منعقد کرنا، وعظ ہمیشہ یا اکثر بعد نمازِ جمعہ کے کہنا اور سننا، لوگوں کا مجلسِ وعظ میں جمع کرنا، علومِ نافعہ میں مانندِ اَخلاق وحساب کے تصنیف اور اُن کی ترویج، کتبِ دینیہ میں ابواب وفصول لکھنا اوران کی ترتیب وتہذیب، خطبۂ جمعہ وعیدَین میں خلفائے راشدین واہلِ بیتِ طاہرین وعمّینِ مکرّمین کا ذکر شریف، اذانِ ثالثِ جمعہ، التزام واہتمامِ جماعتِ تراویح، قرآنِ مجید میں علامات حمرت کی لکھنا، طریقۂ زہد ومجاہدات واَشغال میں نئی باتیں جواکابر صوفیہ خصوصاً طریقۂ نقشبندیہ، بلکہ مجدّدیہ میں (کہ اکثر وہابیۂ ہند اِسی سے انتساب اپنا ظاہر کرتے ہیں) رائج ومعمول ہیں، اوران کے سوا بہت کام کہ عصرِ رسالت، بلکہ قرونِ ثلاثہ میں اس ہیئت وطریقۂ ملتزمہ کے ساتھ شائع نہ تھے، اور مخالفین بھی اُن کے حُسن وخوبی میں دَم نہیں مارتے، اہلِ حق کا اہلِ سنّت وجماعت اور دوسروں کا اہلِ بدعت واَہوا نام مقرر کرنا اسی بدعت کے اقسام سے ہے، اور جو مستحسناتِ علماء ومشائخ (بدُونِ لحاظ اس امر کے کہ مخالفین کو قبول ہوں یا نہیں) شمار کیے جائیں تو ایک کتاب جداگانہ تیار کرنا پڑے۔

اور جس بدعت میں نہ کچھ دینی فائدہ نہ مضرّت، نہ کسی اصلِ شرع سے اُس

کی خوبی یا برائی ثابت، وہ مباح وجائز ہے۔ اور جس میں مضرّتِ دینی ہو، اگر قواعدِ شرع اُس کی حرمت کو مقتضی ہوں تو حرام، ورنہ مکروہ۔ علمائے دین نے قرناً فقرناً اس قاعدے پر عمل کیا ہے، اور جس بدعت میں دینی ضرورت سمجھی اُسے واجب، اور جس امر کو فی نفسہٖ اچھا، اور کسی مقصودِ شرع کے مطابق، اور اُس کا مناسب ومعین، اور مصلحتِ دینی پر مشتمل پایا (گو بعینہٖ اور بہیئتِ مخصوصہ عصرِ نبوّت وزمانۂ صحابہ وتابعین میں بھی نہ ہوا) اُسے مندوب ومستحب فرمایا، وقِس علی هذا۔

خود مانعین امام حجۃ الاسلام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہیں:

فالمنارة عون لإعلام وقت الصّلاة، وتصنيف الكتب عون للتعليم والتبليغ، ونظم الدلائل لردّ شبه المَلاحدة والفرق الضالّة نهي عن المنكر وذبّ عن الدين، وكلّ ذلك مأذون فيه، بل مأمور به [1]۔

اسی طرح صدہا علما نے اس قاعدے پر احکام بنا کیے، یہاں تک کہ ''کافی'' میں امام الائمہ، سراج العلماء والامّۃ، ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے مسئلہ تعریف میں منقول ہے: إنّما هو حدث أحدثه النّاس فمَن فعله جاز [2]۔

دیکھو! امامِ اعظم واکرم تعریف کو باوجود اعتراف اس امر کے کہ بدعتِ محدَث ہے، جائز فرماتے ہیں، اور متأخرین تو صدہا اعمال کو (باوصف اس کے کہ قرونِ ثلاثہ میں نہ تھے، نہ مجتہدین سے ثابت ہوئے) اسی قاعدے سے مباح یا

---

(۱) انظر: "الطريقة المحمدية"، صـ ۱٤٥، ۱٤٦ بتصرّف۔

(۲) انظر: "غنية ذوي الأحكام"، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ۱/ ۱٤٥ نقلاً =

مستحسن کہتے ہیں، اور اُن مسائل میں کلام (جیسا بعض مانعینِ مَولِد سے واقع ہوا) مقام سے اجنبی اور خلافِ دابِ مناظرہ، بلکہ نرا مغالطہ ہے۔ ہم علما کے اس قاعدے پر عمل کرنے سے اِستناد کرتے ہیں، گو وہ مسئلہ دوسروں کے نزدیک قاعدۂ اِباحت سے خارج، اور حرمت خواہ کراہت میں داخل ہو، یا تصریحِ شرع خواہ اِستنباطِ مجتہد یا عمومِ نص قاعدے سے خارج کردے۔

یوں تو مجتہدین سے باوصف ملکۂ اجتہادِ مطلق خطا واقع ہوتی ہے، اور دلیلِ شرعی ضعیف بمقابلہ دلیلِ شرعی قوی مضمحل ہو جاتی ہے، اور مجتہد خواہ اصلِ مجتہد کی عموماً بے اعتباری لازم نہیں آتی۔

اس جگہ یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ قائلینِ اِباحت واستحباب نے اُن اعمال کو اسی قاعدے سے مباح یا مستحب کہا، اور یہ قاعدہ فقہا میں معمول بہ رہا، اور اس قدر جمِ غفیر کا عمل کرنا، اور علمائے متقدمین کا تصریح فرمانا ہمارے لیے دستاویز ہے یا نہیں؟!
اور نیز علمائے دین بالاتفاق بدعت کے معنیٰ دوم کو حسنہ وسیّئہ، اور اقسامِ پنجگانہ کی طرف تقسیم کرتے، اور بعض افراد کو واجب، بعض کو مباح، بعض کو مستحب کہتے رہے، باوجود اس کے تقسیم سے انکار، اور جملہ افراد کی گمراہی وضلالت ٹھہرانے پر اس درجہ اِصرار، جمہور امت وسوادِ اعظمِ ملت سے مخالفت، اور بمقابلہ ایسے ثبوت کے کسی شیخ یا عالم کا قول بدُونِ دریافتِ حقیقتِ حال، اور اُس کے دوسرے اقوال وافعال کے پیش کرنا، اور عوام کو دھوکا دینے کے لیے اَبلہ فریب تقریریں بنانا نری جہالت اور راہِ دین میں سخت بیبا کی وجرأت ہے یا نہیں؟!

= عن "الكافي"۔

اسی طرح یہ دعوی وہابیہ کا کہ: ''جو امر قرونِ ثلاثہ میں نہ پایا گیا اصطلاحِ شرع میں بدعت ہے'' محض بے اصل وغلط ہے، ثبوت اصطلاح کا اہلِ اصطلاح سے چاہیے، حدیث: ((خير أمّتي قرني... إلخ)) [1] سے (کہ اس باب میں منتہائے فکرِ مانعین ہے) انفراداً اور بانضمامِ دیگر احادیث کسی طرح معنیٰ شرعی ہونا اس کا ثابت نہیں، بلکہ اکثر احادیثِ صحیحہ وآثارِ صریحہ واقوالِ علما مُبطِل اس مدّعا کے ہیں۔ باوجود اس کے اگر کسی کے کلام میں اس کا کچھ پتا بھی چلا تو وہ اصطلاح اس قائل کی قرار پائے گی، نہ معنیٰ شرعی، بلکہ اس مادّہ میں تصریح بعض اشخاص کی کسی معنیٰ کی نسبت کہ: ''یہ شرعی ہیں اس وجہ سے کہ کبھی اصطلاحِ علما کو بھی شرعی کہتے ہیں'' غیر کافی، حضراتِ وہابیہ استعمال لفظِ بدعت کا اس معنیٰ میں بدُون پھیر پھار کے، اور شرعی ہونا اُس کا کتاب وسنّت سے ثابت کریں! ورنہ آیت وحدیث وآثارِ صحابہ سے یہ معنیٰ مراد لینا اور بدلیل: ((كلّ بدعة ضلالة)) [2] وغیرہا احادیث کے اسے بدعت وضلالت علی العموم ٹھہرا دینا ایسا ہی ہے جیسا زنا، سَرقہ، رِبا کسی اچھے یا مباح فعل کا نام رکھ لیں، اور آیتیں حدیثیں کہ ان الفاظ کے معانی شرعیہ کی مذمت میں وارد ہیں پیش کرکے کہہ دیں: ''دیکھو ہم نے اس فعل کی برائی آیت، حدیث سے ثابت کردی''۔

لطف یہ ہے کہ باعتبار اس معنیٰ کے بھی تقسیمِ بدعت سے چارہ نہیں، اور اسے

---

(۱) "صحيح البخاري"، كتاب فضائل أصحاب النّبي، باب فضائل أصحاب... إلخ، ر: ۳٦٥٠، صـ٦١٢۔

(۲) "المستدرَك على الصحيحَين"، كتاب العلم، ر: ۳۳۲، ۱/ ۱٤۳۔

علی العموم گمراہی وضلالت ٹھہرانا مخالفین کے طور پر بھی (خواہ مقلّد ہوں یا خود مجتہد بن بیٹھیں) قطعاً باطل؛ کہ حوادث ووَقائع میں (کہ بعد قرونِ ثلاثہ کے ہوئے، یا آیندہ ہوں، بلکہ جملہ مسائلِ جزئیہ فرعیہ میں کہ اس عصر تک کسی نے استخراج نہ کیے، نہ قرآن وحدیث میں مصرّح کوئی حکمِ شرع سے استنباط کیا جائے گا، اور اُس کے مطابق حکم وعمل جاری ہوگا) یہ استنباط اور قول وفعل خواہ مخواہ ضلالت سے خارج کرنا پڑے گا، اور اس کے لیے حدیث: ((كلّ بدعة ضلالة)) (۱) وغیرہا میں تاویلات وتخصیصات کی ضرورت، اور تقسیمِ (۲) بدعت کا قائل ہونا پڑے گا۔

بالجملہ تقریرات حضراتِ وہابیہ بیان معنیٰ بدعت میں نہایت مضطرب، اور احادیث واقوالِ صحابہ وتابعین ومجتہدین وائمہٴ دین وعلمائے متقدمین ومتاخرین کے صریح مخالف ہیں، لااَقل عدمِ مطابقتِ احادیث وآثار واقوالِ علمائے کِبار ان کے طور پر قطعاً لازم، اور انکارِ تقسیم متفق علیہ، جس پر ہزار برس تک باعترافِ متکلمینِ وہابیہ بھی علما کا اتفاق رہا، اور مخالفِ سوادِ اعظمِ امّت وجمہورِ اہلِ ملّت کا اِلزام ان پر قائم، بخلاف تقریرِ رسالہ "أصول الرشاد" کے کہ بفضلِ الٰہی جملہ احادیث وآثار

---

(۱) "المستدرَك على الصحيحَين"، كتاب العلم، ر: ٣٣٢، ١/ ١٤٣۔

(۲) أقول وبالله التوفيق: اور یہاں عمومات واِطلاقات ونظائر سے تمسک من حيث لا يشعر حق کا قبول، اور قرونِ ثلاثہ میں وجودِ شئے بخصوصہ کی ضرورت سے عدول ہوگا، بات وہی قرار پائے گی، جو عموماتِ اجازت کے تحت میں داخل، جائز، ورنہ ممنوع۔ اب قرونِ ثلاثہ کی تخصیص بھی باطل، اور تقسیمِ بدعت بھی صراحۃً حاصل۔

مولانا مولوی محمد احمد رضا خان صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ابن المصنف العلام قدّس سرّہ۔

میں اس کی رُو سے توفیق، اور تفسیراتِ علما میں (کہ بظاہر مختلف ہیں) تطبیق حاصل، اور اس کے ساتھ دفعِ خبط وخلطِ مخالفین وجملہ مغالطات وتشکیکِ وہابیہ کے رد میں وافی ہے۔

مگر بایں خیال کہ شاید عوام کالانعام کہیں: ''جس طرح اہلِ سنّت وجماعت تحقیقِ معنیٰ بدعت میں احادیث وآثار واقوالِ علما پیش کرتے ہیں، اور اس معنیٰ کو صحیح اور شرع سے ثابت فرماتے ہیں، اسی طرح وہابیہ بھی کتابوں کا حوالہ دیتے اور اپنے معنیٰ کو صحیح بتاتے ہیں، ہم لوگ بے علم ہیں، کسے صحیح جانیں؟ اور کس کی بات مانیں؟''، یا متعصّبانِ لیام عوام کو بہکائیں کہ: ''ہمارے مصنّفین بھی تو کتابوں سے اپنا مطلب ثابت کرتے ہیں''، اور وہ عبارتیں کتب کی (کہ اُن کے متکلمین اور عمائدِ مذہب نے جہلاً خواہ عِناداً مفیدِ مدّعا قرار دیں) عوام کو دکھائیں کہ: ''ہم بھی ثبوت اس مدّعا کا کتاب سے رکھتے ہیں'' مخالفوں کی تقریر سے تعرّضِ تفصیلی ضرور؛ کہ حقیقت اس کی خواص وعوام پر ظاہر ہو، اور جو عیّاریاں اور چالاکیاں اور حوالۂ احادیث وآثار واقوالِ علمائے نامدار میں غلطیاں اور بیباکیاں کیں ہر ایک کو اچھی طرح معلوم ہو جائیں۔

اور ازانجکہ مقدمۂ رسالہ ''غایۃ الکلام'' مولوی بشیر الدین صاحب قنّوجی اپنے عمائد اور مقتداوں کی تقریرات کو جامع ومتضمّن، اور بیان ''ایضاح الحق'' مولفۂ اسماعیل صاحب دہلوی (کہ اس باب میں اصل ہے) حاوی ہے؛ کہ مؤلفِ رسالۂ مذکورہ نے ''ایضاح الحق'' ودیگر رسائل وکتبِ عمائدۂ وہابیہ وتالیفاتِ نجدیہ میں جو بات مفید اس مدّعا کے سمجھے اُٹھا نہ رکھی، تو اس کا رَد بعینہٖ کل تقریراتِ وہابیہ کا رَد ہے،

لہٰذا اُسی سے تعرّض کافی ہے، واللّٰہ الموفّق، وبہ نستعین، نعم المولی، ونعم المعین۔

واضح ہو کہ مؤلفِ رسالہ ''غایۃ الکلام'' نے جس خبر یا اثر یا عبارتِ کتابِ فقہ میں لفظ بدعت یا محدَث کا پایا، بلا تامّل وتکلّف نقل کر کے آخر مقدمہ میں بڑا ناز فرمایا کہ: ''انچہ دریں مقدمہ در تفسیرِ بدعت مذکور شدہ قلیلے نہ است کہ نزد راقم حاضر دریں باب ست''۔

میں کہتا ہوں: اکثر تفاسیر آپ کے مخالف اور بعض مدّعا سے محض بے علاقہ، تو اُن کے جمع کرنے میں سوا اس کے کہ موافق شرمائیں، اور مخالف ہنسیں، اور خاص وعام کہیں: ''ذاتِ شریف مفید ومضر میں تمیز نہیں رکھتے، جو چاہتے بے سمجھے بوجھے لکھ دیتے ہیں'' کیا فائدہ حاصل ہو؟! جو بقیہ عبارات............[1] کے (کہ اس باب میں مکنونِ خاطر یا نظرِ گرامی میں حاضر ہیں) ظاہر کرنے سے ہوگا۔

اب تفسیر شریف کی کیفیت دیکھئے! بعد کیت وذیت کے یہ قرار پایا:

"البدعة أمرٌ محدَثٌ في الدين لم يثبت عن كتاب الله وهدي سيّد المرسلين"۔

واہ حضرت! اس قدر تفحّص وتلاش اور مسافتِ بعیدہ قطع کرنے کے بعد بھی ناک تو اپنی ہی جگہ پر ٹھہری، پھر یہ مشقت کس غرض سے کی؟! اگر "ما لم يثبت"...إلخ سے یہ مراد ہے کہ وہ چیز بعینہٖ اور بہیئتِ کذائی وصورتِ مخصوصہ کتاب

---

(۱) یہاں دو کلموں کی مقدار عبارت واضح نہیں۔

وسنّت سے ثابت نہ ہو، تو یہ حاصل ہمارے معنیٰ دوم کا ہے، تقسیم اس کی بدعتِ حسنہ وسیئہ کی طرف باتفاقِ علمائے دین ثابت، اور انکارِ تقسیم صریح مخالفتِ سوادِ اعظمِ ملت، بلکہ اِجماعِ امّت کے ہے، کما حققنا سابقاً۔

اور جو یہ مراد کہ کتاب وسنّت سے اصلاً ثابت نہ ہو، یعنی نہ کسی قاعدۂ شرع سے مطابق، نہ عام کے تحت میں داخل، نہ مقصودِ شرع کے موافق، نہ معین، نہ شرع سے اُس کی اجازت کسی وجہ پر حاصل، تو بدعاتِ واجبہ ومستحبہ ومباحہ اس مفہوم سے خارج، اور صرف محدَثاتِ مکروہہ ومحرّمہ ہی داخل رہیں گے، اور وہ مخالفِ سنّتِ ہدیٰ ہیں، تو ماحصل اس تفسیر کا ہمارے معنیٰ اوّل کی طرف راجع ہوجائے گا۔ کسی نے سچ کہا ہے:

انچہ دانا کند کند نادان لیک بعد از فضیحت بسیار

بااینہمہ یہ تفسیر ذاتِ شریف کے طور پر مانع نہیں، بہت امور کہ آپ کے نزدیک بھی گمراہی وضلالت سے خارج ہیں اس میں داخل رہے، جن کے اِخراج اور سنّت میں داخل کرنے کے لیے تکلّفاتِ باردہ اور امورِ خارجہ کی طرف محتاج ہوئے، شاید آپ کو معلوم نہیں کہ تفسیر وتعریف میں تبادُر شرط ہے، اور پُر ظاہر کہ سیرتِ تابعین ومسائلِ قیاسیۂ مجتہدین ہدیٰ سید المرسلین سے ہرگز متبادر نہیں۔

اب اُن تکلّفاتِ باردہ کا حال سنیے! حدیثِ مسلم: ((خير الحديث كتاب الله... إلخ)) (۱) کے بعد لکھا: ''ازیں حدیث مستفادست کہ انچہ از امورِ

(۱) "صحيح مسلم"، كتاب الجمعة، باب تخفيف الصّلاة والخطبة، ر: ۲۰۰۵، صـ۳٤۷۔

دینیہ ثابت از کتاب اللہ وہدیٰ رسول اللہ نیست از محدَثاتِ امورِ بدعت اند، چنانچہ در حدیثِ آیندہ منصوص ست‘‘۔

اقول: یہ محض اِفترا ہے، حدیث میں اس مضمون کا (کہ جو امر کتاب وسنّت سے ثابت نہیں مطلقاً محدَثاتِ امور میں داخل ہے) کہاں پتا ہے؟ بالفرض اگر کُل محدَثات کتاب وسنّت سے خارج مانے جائیں، ہنوز دہلی دور ہے؛ کہ ہراُس شے کا کہ کتاب وسنّت سے خارج ہو محدَثاتِ امور میں داخل ہونا کیا ضرور ہے؟! اور تقابلِ خیر وشر اور مقابلہ کتاب وسنّت کا محدَثات سے ذکر میں آپ کو مفید نہیں؛ کہ خیر اور اسی طرح شر اسمِ تفضیل ہے، بالخصوص اس جگہ کہ امور کی طرف اضافت اور مقامِ ذَم ومدحت ہے، تو جو امور کہ نہ شر ہیں نہ کتاب وسنّت کے مرتبہ میں خیر، واسطہ واقع ہوکر سب دفترِ گاؤ خورد کردیں گے۔

غرض سَوقِ حدیث اور اس کے مضمون سے آپ کے مقدمہ کا کچھ پتا نہیں چلتا، نہ حدیث میں قید دینیہ کی صراحۃً خواہ اشارۃً مذکور الفاظِ حدیث نقل کرنا، اور اس کی بحث میں طبع زاد اور خیالی مضامین جن کا کسی طرح پتا لفظوں میں نہ ہو لکھ دینا حضراتِ وہابیہ کا مدارِ مذہب ومنتہائے سعی ہے، شاید مؤلّفِ رسالہ نے لفظِ محدَث سے دھوکا کھایا، اور اس قدر بھی خیال نہ فرمایا کہ محدَث لغت میں نئی چیز کو کہتے ہیں، یہ معنی اس جگہ باتفاقِ فریقین مراد نہیں، ناچار قید دینیہ کی بڑھائی، اب بھی وہی آش کاسے میں رہے کہ علمائے دین بالاتفاق نئے اُمور کو (جو صاف صریح قرآن وحدیث میں مذکور نہیں، اور زمانۂ نبوّت میں بہیئتِ کذائی وصورتِ مخصوصہ موجود، بلکہ عصرِ صحابہ وتابعین میں بھی مروّج ومعمول نہ تھے) حسنہ وسیئہ کی طرف منقسم سمجھتے ہیں، اور

آپ لوگ بھی اُن امور کو جن کا زمانۂ صحابہ وتابعین میں رواج ہو، اگر اس خصوصیت کے ساتھ قول وفعلِ حضرتِ رسالت وکتاب اللہ سے ثابت نہ ہوں، اور مجتہداتِ ائمۂ اربعہ کو اچھا جانتے ہیں، ولہٰذا بدلالتِ حدیث: ((عليكم بسُنّتي))...إلخ [1] وغیرہا معمولاتِ صحابہ وتابعین واِستنباطِ مجتہدین کو باوجودِ اعتراف اس امر کے کہ محدَثاتِ امور سے ہیں حقیقتِ محدَثات سے خارج اور ملحق بسنّت ٹھہرایا۔

اس تقدیر پر آپ کے نزدیک محدَث حقیقۃً وہ امر قرار پایا، جس کا وجود کتاب وسنّت میں اصلاً نہ ہو، نہ باعتبار اصل کے، نہ بہیئتِ کذائی، اور جس کی اصل شرع سے پائی جائے وہ محدَث سے خارج اور اپنی اصل کے حکم میں ہے، اور یہ آپ کے خصم کو مضر نہیں، بلکہ مفید ہے۔

ہمارے نزدیک بھی اس جگہ محدَث سے وہی باتیں مراد ہیں جو بعینہٖ وبہیئتِ کذائی شرع سے ثابت نہیں، نہ کسی اصل اور قاعدۂ شرعیہ کے تحت میں داخل، اور یہی امور مفہومِ محدَث کے افرادِ کاملہ ہیں، اور اِسی صورت میں حمل شر کا محدَثاتِ امور پر، اور حمل بدعت وضلالت کا کُل محدَثات پر بلا کلفت صحیح ہے، اور معمولاتِ صحابہ وتابعین خواہ مجتہداتِ ائمۂ اربعہ ومستحسناتِ علمائے متقدّمین ومتأخرین کو محدَث کہہ کر حکمِ سنّت میں داخل کرنا، اور باوجود اس کے حقیقتِ محدَثات سے خارج ٹھہرانا، جیسا کہ مؤلفِ رسالہ وواضعِ مقدّمۂ مذکورہ سے واقع ہوا، اور اس قسم کے تصرّفات وتاویلات کی حاجت نہیں۔

---

(۱) "سنن أبي داود"، كتاب السنّة، باب في لزوم السنّة، ر: ٤٦٠٧، صـ٦٥١.

اور جب معنیٔ محدَث (کہ اس جگہ مراد ہیں) ظاہر ہوئے تو بدعت کو بمعنیٔ مخالف ومزاحمِ سنّت لینے سے کلامِ بلاغت نظامِ حضرتِ رسالت علیہ الصّلاۃ والسّلام کا: ((کلّ محدَث بدعة، و کلّ بدعة ضلالة)) [1] ظاہر پر محمول رہے گا، اور جس غرض کے واسطے اس ذی شعور نے مسافتِ بعیدہ قطع کی اور تقسیمِ اِجماعی غلط ٹھہرائی، تفسیراتِ علما ناقص وبے کار سمجھ کر بدعت کی نئی تفسیر بنائی، احادیث وآثار واقوالِ علمائے نامدار ہم نے جو نقل کیے بہت لچر بھار کی ٹھہرائی؛ کہ کسی طرح لفظ ''کل'' تاویل سے سالم اور حدیثِ مذکور شکلِ اول سے ملتج رہے، بعنایتِ الٰہی ہماری تقریر سے بدُون ان خرابیوں کے حاصل، ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ [2]، اور اس تحقیق سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ تقسیمِ بدعت ہرگز تاویل وتصرّف خواہ عدمِ انتاجِ حدیثِ مسطور کو مستلزم نہیں؛ کہ حدیث میں بدعت بمعنیٔ اوّل ہے، اور محدَث کے جو معنی یہاں مراد ہیں اُن کا بھی یہی مآل ہے۔

محقق دہلوی ''شرح صراط المستقیم'' میں حدیثِ مذکور کے تحت میں لکھتے ہیں: ''ہر امرِ محدَث وبدعت کہ مخالفِ سنّت ومغیّرِ آن باشد گمراہی است'' [3]۔

اور ملاّ علی قاری ''مرقاۃ'' [4] میں ''ازہار'' سے نقل کرتے ہیں: ((کلّ

(۱) "سنن أبي داود"، كتاب السنّة، باب في لزوم السنّة، ر: ٤٦٠٧، صـ٦٥١۔

(۲) پ۲۷، الحديد: ۲۱۔

(۳) "شرح صراط المستقيم"، باب در بيانِ نماز آنحضرت صلّى الله عليه وسلّم، فصل در خطبۂ نبويّہ صلّى الله عليه وسلّم در روزِ جمعه، صـ۲۰۲ بتغيّر۔

(۴) "مرقاة المفاتيح"، كتاب الإيمان، باب الاعتصام...إلخ، تحت ر: ١٤١، =

بدعة))، أي: سيئة ((ضلالة)) لقوله عليه السّلام: ((مَن سنّ في الإسلام سنّة حسنة))[۱]۔

پس ساری واویلا اس دانشمند کی ایک بے اصل بات پر مبنی ہے، اور جس قدر محنت وعرق ریزی کہ اس مبحث میں کی فضول ولایعنی ہے۔ علاوہ ازیں بعض افعال پر بدعت کا اِطلاق اور اس کے ساتھ اُن کا استحسان صحابۂ کرام سے ثابت، عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کو بدعت کہا ہے، اور اُس کی مدحت کی: نعمت البدعة هذه[۲]۔ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نمازِ چاشت کو بدعت کہہ کر اس کی خوبی وفضیلت کی تصریح فرمائی[۳]، ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تراویح کو محدَث فرما کر اس کی مداوَمت اور نہ چھوڑنے پر تاکید کی۔

اور احادیث سے بھی تقسیم کا پتا ثابت، اور علمائے دین کا قرناً فقرناً اس پر اتفاق رہا ہے، تو وجہ اِستنکاف کی تقسیم سے کیا ہے؟ اور اس قدر واویلا اور شور وغوغا

=۱/۳۶۸۔

(۱) "صحيح مسلم"، كتاب الزكاة، باب الحث على الصدقة ولو بشقّ تمرة أو كلمة طيّبة، وأنّها حجاب من النّار، ر: ۲۳۵۱، صـ۴۱۰۔

(۲) "الموطّأ" الإمام مالك، كتاب الصّلاة في رمضان ، باب ما جاء في قيام رمضان، ر: ۲۵۲، صـ۷۰۔

(۳) "المعجم الكبير"، مسند عبدالله بن عمر رضى الله عنهما، ر: ۱۳۵۶۳، ۱۲/۳۲٤۔

سراسر بے جا ہے! کیا "کل" بمعنی اکثر نہیں آتا ہے؟! یا احادیث کا شکلِ اوّل پر ہونا ضروری ٹھہرا ہے؟!

پھر لکھتے ہیں: "امامحدَثاتیکہ درقرونِ ثلٰثہ بلانکیر مروّج شدند بدلالتِ دیگر احادیث درحقیقت ازمحدَثاتِ امورنیستند، بلکہ ملحق بہدیٔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اند"(۱)۔

اقول: بعد اعتراف اس کے کہ وہ امور محدَثات سے ہیں مجرّد اِلحاق بسنّت انہیں حقیقتِ محدَثات سے خارج نہیں کرسکتا، اور حکمِ سنّت میں ہونے سے حقیقۃً سنّت ہونا ان کا ثابت نہیں ہوتا۔ خدا جانے آپ حقیقت کس شے کو سمجھتے ہیں! البتہ باعتبار ہمارے معنیٰ کے معمولاتِ صحابہ وتابعین، بلکہ رواجِ عام ہر قرنِ اسلام اور بدعاتِ واجبہ ومستحبہ ومباحہ سب مفہومِ محدَث سے خارج ہیں، دوسری حدیثوں سے استشہاد کی ضرورت نہیں۔

پھر لکھتے ہیں: "واز حدیثِ سابق مستفادست کہ انچہ ازمحدَثاتِ امورنیست داخل کتاب اللہ و ہدیٰ رسول اللہ است، واِلحاقِ سنّت بسنّت مناسب بود"...الخ(۲)۔

اقول: دیکھو حدیث نقل کرکے ایسی جھوٹ بات لکھنا اور اسے حدیث سے مستفاد قرار دینا کیسی بیباکی ہے...!

ع "چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد"۔

---

(۱) "کلمۃ الحق"۔ (۲) "کلمۃ الحق"۔

حدیث میں اس مضمونِ مخترع اور طبع زاد ڈھکوسلے کا کہاں پتا ہے؟! شاید آپ یہ سمجھے کہ جب اس مقدّمہ کو کہ ''انچہ از امورِ دینیہ ثابت از کتاب وہدیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیست از محدَثاتِ امور ست'' بزورِ زبان حدیث سے ثابت ٹھہرا ہی دیا ہے تو لامُحالہ اُس کا عکس بھی ثابت قرار دیا جائے گا، اور یہ بھی یاد نہ رہا کہ بفرضِ تسلیم کلّیتِ اصل موجبہ کا عکس جزئیہ ہی نکلتا ہے، سوا اس کے کوئی ذاتِ شریف سے دریافت کرے کہ مباحات سنّتِ ہدی ہیں یا شرّ الامور سے؟ پھر حدیث: ((خير أمّتي قرني))...إلخ ذکر کر کے سیرتِ تابعین کو شرّ الامور سے خارج اور سنّتِ ہدی میں داخل کرتے ہیں۔

اور ہم نے رسالہ ''اصول الرشاد'' میں بوجوہ ثابت کیا ہے کہ: استدلال وہابیہ کا اس باب میں محض بے جا ہے، البتہ خیریتِ سیرت ومعمولاتِ تابعین بدلالتِ آیت سراپا ہدایت: ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [1]...الآية، اور حدیث: ((اتّبعوا السواد الأعظم)) [2]...إلخ، اور اثرِ ابنِ مسعود: ما رآه المسلمون...إلخ [3]، اور نیز آیتِ سراپا بشارت: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ [4]، اور کریمہ: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً

(۱) پ۵، النساء: ۱۱۵۔

(۲) "مشكاة المصابيح"، كتاب الإيمان، باب الاعتصام...إلخ، الفصل الثاني، ر: ۱۷٤، ۱/ ۹۷۔

(۳) "المستدرَك"، كتاب معرفة الصحابة، ر: ٤٤٦٥، ٥ /١٦٨٥ ملخّصاً۔

(۴) پ ٤، آل عمران: ۱۱۰۔

وَّسَطاً﴾[۱]... الآیۃ اوراحادیثِ صحیحہ سے کل امت کی خیریت ثابت، اور جوامور کہ قرونِ ثلاثہ میں نہ تھے لیکن عموماتِ شرع کے تحت میں مندرج، یاکسی اصلِ شرع سے مستفاد، یامقصودِ شرعی کے موافق، یااس کی تحصیل میں معین ومفید ہیں، ان کی خوبی خواہ اِباحت بھی دلائل وقواعدِ شرع سے بخوبی ظاہر۔

باایںہمہ معمولاتِ قرنِ تابعین کی خیریت پراس درجہ اِصرار، اور اُن اُمور پر یہ انکارِ صریح خلافِ انصاف اور نِرا اعتساف ہے! جس طرح معمولاتِ صحابہ وتابعین بدلالتِ بعض احادیث اور مجتہداتِ ائمہ اربعہ باعتبار اپنی اصل وسند کے سنّت سے ملحق ہوسکتے ہیں، اسی طرح یہ امور بھی بدلالت آیات واحادیث وقواعدِ شرع شریف واجب، خواہ مستحب، خواہ مباح ہیں۔ بعض آیات واحادیث پرنظر اور بعض سے اِغماض شیوہ اہلِ بدعت واَہوا کا ہے؛ کہ یہود سے جن کے حق میں ﴿أَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ﴾[۲] وارد کیھ لیا ہے۔

پھر تحریر کرتے ہیں: ''وچون در اصول مقرر ست کہ جموع واسمائے جموع''...الخ۔ حاصل اس تقریر کا یہ ہے کہ اضافت ((أصحابي)) اور ((قرني)) میں بقاعدہ اصول عموم واستغراق کومفید ہے، تو خیریت ونجات قول وفعلِ کلِ اصحاب واہلِ قرن یااکثر سے اگر بعض آخر سکوت کریں، اور انکار واعتراض کے ساتھ پیش نہ آئیں، متعلق ہوتی ہے، اسی کو خُلق وسیرتِ قوم کہتے ہیں، اور یہی مضمون حدیثِ

---

(۱) پ ۲، البقرۃ: ۱٤۳۔

(۲) پ ۱، البقرۃ: ۸۵۔

رُزَین سے مستفاد ہے۔

اقول: یہ صورت تعامل کی ہے، اور سب قرونِ سلام کا حکم اس میں برابر؛ کہ تعامل ہر زمانے کا حجتِ شرعی اور معتبر ہے، بخلاف قرنِ صحابہ؛ کہ امامِ اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قول وفعل ہر صحابی کا حجت ہے، اور ترکِ احتجاج بعض اقوال خواہ افعال سے بوجہِ معارضِ قوی حجت ہونا اس کا باطل نہیں کرتا، کما لا یخفی۔

اور جماہیر ائمۂ سلَف وخلف کا اتفاق ہے کہ ہر واحد صحابۂ کرام سے عادل اور افرادِ امت سے مرتبہ میں فائق، اور وہ سب خیر وبہتر ہیں، اور حوالہ اصول کا بھی بے اصل ہے، سلّمنا کہ جموع اِضافت کے ساتھ مفیدِ استغراق ہیں، لیکن استغراقِ جمع بتصریح علمائے اصول مجموع اَفراد کے حکم میں نہیں، بلکہ کلّ واحد من الأفراد کے معنٰی میں ہے، ''مطوّل''(۱) وغیرہ کتب میں دیکھ لیجئے!۔

باوجود اس کے واسطے اتباعِ قولِ صحابہ کے اتفاقِ اکثر خواہ کل کے شرط لگانا، اور ایک دو صحابی کے قول کو اعتبار واعتماد کے لیے کافی نہ ٹھہرانا جنون ہے، ظاہراً اس نظر سے کہ بہت اقوال وافعالِ صحابۂ کرام میاں اسماعیل صاحب وغیرہ اسلافِ مستدِل کے طور پر شرک وبدعت میں داخل ہیں، اس قید کو اختیار اور اتباعِ صحابہ کے لیے اِجماع یا اتفاق، وہ بھی سکوتِ باقین کے ساتھ اعتبار کیا ہے، ملا صاحب! کسی کی حمایت بمقابلہ اصحابِ حضرت رسالت شعبہ رفض کا ہے۔

ایک اور لطیفہ سنیے! کہ ذاتِ شریف کہ خود اسی رسالہ کے خطبے میں لکھتے

---

(۱) ''المطوّل''، الاستغراق، صـ۱۸۶۔

ہیں:((بأیّھم اقتدیتم اھتدیتم)) [(۱)]۔

سبحان اللہ! حمایتِ میاں اسماعیل صاحب وغیرہ کا یہ جوش ہے کہ اپنا لکھا اور مسلّم مقدّمہ بھی فراموش ہے!۔

پھر لکھا: ''أمّا مسائل قیاسیۃ...إلخ''، یعنی مسائلِ قیاسیہ و اِجماعیہِ مجتہدین باعتبار اپنی اصل وسند کے کتاب اللہ یاہدیٔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملحق ہیں۔

اقول: اکابر واصولِ مؤلفِ رسالہ ہزار جگہ عدمِ فعلِ شارع، بلکہ مجرّد عدمِ نقل کو قرونِ ثلاثہ سے مدارِ بدعت وحرمت وضلالت ٹھہراتے ہیں، اور خود مؤلف بھی دوسری جگہ بعض مسائلِ قیاسیۂ مجتہدین کو بتصریح بدعت وضلالت میں شمار کرتے ہیں، خدا جانے اس جگہ مجتہدینِ امت پر کیا نظرِ عنایت ہے؟!

خیر حضرت صبح کا بھولا شام کو گھر آئے، اُسے بھولا نہیں کہتے! مگر یہ تو فرمایئے کہ باعتبار اصل وسند کے سنّت سے ملحق ہونا اقوالِ مجتہدین کے لیے مخصوص ہے یا جس کے لیے اصل وسند پائی جائے سنّت سے ملحق ہے؟! دوسری شِق میں مجلسِ میلاد اور فاتحہ وسوم وغیرہا امورِ مروّجہ اپنی اصل وسند کے اعتبار سے محدَثات امور وبدعتِ سیئہ سے خارج، اور پہلی صورت میں وجہِ تخصیص وہی ہے جو آپ نے بعد میں بیان فرمائی کہ: فلاں چیز فلاں چیز کی اصل ہے، یہ مجتہدینِ امت کے سوا دوسروں کو معلوم نہیں ہوسکتا۔

---

(۱) "المشکاۃ"، کتاب المناقب والفضائل، باب مناقب الصحابۃ، الفصل الثالث، ر:۶۰۱۸، ۳/۳۳۵۔

ہم نے اس کا جوابِ تفصیلی رسالہ ''اصول الرشاد'' میں لکھا ہے، اور آپ کے مقصود کو اس تقریر سے بخوبی باطل کر دیا ہے، کیا بلا ہے کبھی آپ لوگ دائرۂ اجتہاد کو اس قدر وسعت دیتے ہیں کہ ہر کس و ناکس کو قرآن وحدیث سے اِستخراج و اِستنباط کی اجازت دیتے ہیں! یہاں تک کہ ہر جاہل عامی کتاب وسنّت سے جو بات جس طرح سمجھ لے اسی پر عمل کرنا اور تقلیدِ امام چھوڑ دینا واجب ہے! اگر اس وقت تقلید نہ چھوڑے گا، وعیدِ شدید: ﴿اتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَاباً مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾(۱) میں داخل ہوگا، اور اس حرکتِ ناشائستہ کا عمل بالحدیث نام رکھتے ہیں! تمام ہمت مولائے قوم کی ''تنویر العینین'' اور شروع ''تقویۃ الایمان'' میں اسی طرف مصروف۔

اور کبھی استدلال بدلالۃ النص وعلتِ منصوصہ وعمومِ آیات واحادیث وغیر ہا امور کو بھی مجتہدِ مطلق سے خاص ٹھہراتے ہیں! اس اضطراب ونا انصافی کی کیا حد ہے؟! استدلال بدلالۃ النص وبعلتِ منصوصہ، اور اِجرائے حکمِ کلی جزئیات پر، اور استخراجِ جزئیات بدلالتِ مساوات، اور استناد بعمومِ احادیث وآیات، اور فہمِ احکامِ صریحہ عبارۃ النص واشارۃ النص سے، اور تحصیلِ نتائج مقدماتِ منصوصہ اور بدیہیاتِ شرعیہ سے برعایتِ قیاسِ اقترانی واستثنائی مخصوص بمجتہدین نہیں، علمائے مقلدین میں قرناً فقرناً بلانکیر جاری ہے، بلکہ استنباط اصولِ مجتہد سے یا مطابق اصولِ مجتہد کے دلائلِ شرع سے جن احکام میں مجتہد سے نص نہیں، یا واسطے تائیدِ مجتہد کے شائع اور رائج۔

کیا ''شرحِ وقایہ'' و''ہدایہ'' و''فتح القدیر'' وغیر ہا کتبِ متداولہ مشہورہ بھی

---

(۱) پ ۱۰، التوبۃ: ۳۱۔

ان صاحبوں کی نظر سے نہیں گزریں؟! یا ان کے استنباط واستدلال مجتہدین سے بعینہٖ ثابت کر سکتے ہیں؟! کاش! یہ حضرات اسی بات پر قائم ہو جائیں تو ''تقویۃ الایمان'' کے عقائد واحکام سے (کہ بے محل آیت وحدیث کے تحت میں لکھ دیے ہیں، اور ان صاحبوں کے اکثر ڈھکوسلوں اور خرافات سے جن کے ثبوت کا کتاب وسنّت سے غلط دعویٰ کرتے ہیں) بلا دقّت نجات ملے، اور جواب میں صرف یہ بات کہ: ''مصنفِ ''تقویۃ الایمان'' اور نیز اپنے لیے منصبِ اجتہاد ثابت کر دو، ورنہ آیت وحدیث سے ثبوت کا دعوی اور سب تقریر تمہاری اور تمہارے پیشوا کی محض فضول ولا یعنی ہے'' کفایت کرے۔ حرمت وکراہت، استحباب وحلت کی طرح احکامِ شرعیہ ہیں، اور امورِ متنازع فیہا کی حرمت وکراہت نہ قرآن وحدیث میں مصرّح، نہ تصریح اس کی کسی مجتہد سے منقول، باوجود اس کے خود قرآن وحدیث کا حوالہ دینا اور دوسروں کو اسی امر سے روکنا وہی بات ہے کہ: ع

ہم تو کہیں جو ہے سو ہے　　　　تم نہ کہو جو ہے سو ہے

اسی طرح یہ حضرات آپ تو فرضی علما اور خیالی کتابوں سے بھی سند لانے میں باک نہیں رکھتے، اور جب اِس طرف سے علمائے محققین اور کتبِ معتبرہ کا (جن سے صدہا جگہ خود سند لاتے ہیں اور اپنے مطلب کے وقت اُنہیں علمائے محققین وائمۂ دین اور اسی قسم کے الفاظِ تعظیم سے یاد کرتے ہیں) حوالہ دیا جاتا ہے تو یوں گولی بچاتے ہیں کہ: ''ان کتابوں اور علما سے استناد بے کار ہے، ثبوت قرآن وحدیث سے چاہیے''، بلکہ ان حضراتِ ائمہ وعلما کی طرح طرح سے توہین کرتے ہیں، یہاں تک کہ نوبت تا بہ تکفیر پہنچاتے ہیں۔

مصنفِ ''کلمۃ الحق'' نے چند ورق علمائے دنیا کی برائیوں اور نکوہش میں سیاہ کیے، اور حضراتِ ائمۂ سابقین وعلمائے لاحقین کہ اس مجلسِ متبرک کو مستحسن سمجھتے اور مستحب کہتے، ان کے مصداق قرار دیے، اس قدر بھی لحاظ نہ فرمایا کہ خود آپ کے استاد مفتی صدر الدین خان صاحب نے (جنھیں خود اسی رسالے میں سند العالمین فی العالمین کا خطاب عنایت کیا ہے، اور اُن سے تلمّذ وتعلّم پر بڑا ناز فرمایا ہے) استحبابِ مولد میں لکھا ہے، اور مولانا رفیع الدین خاں صاحب مراد آبادی سے (جن کی کوشش وحسنِ سعی سے اس محفلِ مبارک نے ملک ہندوستان میں زیادہ رواج پایا، اور بیان مولدِ اقدس میں اُنھیں نے ایک رسالہ بزبان فارسی تحریر فرمایا) استناد کیا ہے، شاہ ولی اللہ محدّثِ دہلوی کہ مولائے قوم میاں اسماعیل دہلوی کے جدّ امجد وشیخ المشائخ واستاذ الاستاذ ہیں، اس عملِ خیر کی خوبی پر کس شدّ ومد کے ساتھ شہادت دیتے ہیں! اور علامہ سخاوی اور امام سیوطی وغیرہما بہت اکابرِ دین کہ شاہ عبدالعزیز صاحب وشاہ ولی اللہ صاحب ومیاں اسماعیل ومولوی اسحاق صاحب کے اساتذہ وشیوخِ حدیث سے ہیں، اُسے کس طرح ثابت کرتے ہیں؟!

مگر ان حضرات کی عادتِ مستمرہ ہے کہ جس عالم امام عارف کا قول اپنے مشرب کے خلاف ہوتا ہے اسے ایک مردِ لایعنی ٹھہراتے ہیں، اور اپنے مولویوں کو آسمان پر چڑھاتے ہیں، متکلم قنوجی نے شیخ عبدالحق دہلوی وملا علی قاری کی نسبت لکھ دیا: ''ہر دو در سلکِ فقہاء منتظم نیستند''، اور نذیر حسین دہلوی کو اور دوسرے متکلم خود ان حضرت اور ان کے آقا کو کیسے کیسے کلمات سے یاد کرتے ہیں! واہ رے دیانت! کہ شیخِ محقق وملا علی قاری تو زمرۂ فقہاء سے خارج کیے جائیں، اور نذیر حسین وبشیر

الدین وامداد علی ڈپٹی کلکٹر زبدۃ الفقہاء وعمدۃ المحدّثین لکھے جائیں! ((إذا لم تستحي فاصنع ما شئت)) [1]۔

حاصل اس تحکم کا یہ ہے کہ: ''ہمیں منصبِ اجتہاد واستنباط بھی حاصل ہے، اور علما سے اگر چہ مجاہیل وغیر معتبر ہوں، بلکہ کتب ورسائلِ مفروضین سے استناد واستشہاد پہنچتا ہے، اور تم نہ آیت وحدیث سے سندلانے کی لیاقت رکھتے ہو! نہ علمائے سابقین ولاحقین سے ہمارے مقابلے میں اِستناد کر سکتے ہو! تمہیں ہمارے ساتھ مباحثہ کا کوئی طریق نہیں! جو ہم کہیں خواہ مخواہ مان لو!'' پھر لکھتے ہیں: ''أمّا تقييد أمور وتعريف بدعة بدينيّة... إلخ ''، یعنی امورِ دینیہ کی قید تعریفِ بدعت میں اس لیے ہے کہ حدیثِ صحیحین میں وارد: ((من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو مردود)) [2]، اورامرِ دین ہی خطر سے اختصاص رکھتا ہے۔

اقول: گو حدیث شریف میں ((أمرنا هذا)) سے امرِ دین ہی مراد ہو، مگر اس طریقہ سے ثابت کرنا حضرت ہی کا کام ہے، کیا یہ بھی نہ دیکھا کہ اضافت جمع متکلم کی طرف ہے، قطع نظر اس سے حمل مطلق کا مقیّد پر کب جائز ہے؟! آپ تو اپنا حنفی ہونا ظاہر کرتے ہیں! تو حدیث: ((شرّ الأمور محدَثاتها)) [3] میں یہ تقیید

---

(۱) "صحيح البخاري"، كتاب أحاديث الأنبياء، باب ٥٤، ر: ٣٤٨٤، صـ٥٨٧ـ

(۲) "صحيح البخارى"، كتاب الصلح، باب: إذا اصطلحوا على صلح...إلخ، ر:٢٦٩٧، صـ٤٤٠، بتغيّر، و"صحيح مسلم"، كتاب الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة...إلخ، ر:٤٤٩٢، صـ٧٦٢ـ

(۳)"سنن ابن ماجة"، المقدّمة، باب اجتناب البدع والجدل، ر: ٤٥، صـ١٨ـ

کس طرح اعتبار کر سکتے ہیں! اور جو خواہ مخواہ وہاں قیدِ امرِ دین کی اعتبار کرنا ہی (گو اصلِ حنفی سے مخالفت لازم آئے) منظور ہے، تو قید ((ما ليس منه)) پر بھی نظر کرنا ضرور ہے؛ کہ علی الاعلان ہمارے مدّعا کی شہادت دیتی ہے، یعنی مطلق محدَث مردود نہیں، بلکہ جو امرِ دینی نہ ہو اور دین سے کچھ علاقہ نہ رکھے، نہ بخصوصہ، نہ باعتبارِ اصل وسند، نہ کسی عامِ شرعی کے تحت میں مندرِج، نہ کسی امرِ دینی میں مفید ومعین، نہ کسی قاعدۂ شرع سے اس کی خوبی ثابت، نہ اجازت حاصل، اور ایسا امر مخالف ومزاحمِ سنّت ہی ہوگا، تو گویا ارشاد ہوتا ہے: ''جو شخص ہمارے دین میں کوئی امر مخالف ومزاحمِ امرِ دینی اِحداث کرے وہ مردود ہے''۔

صاحبِ ''مظاہرِ حق'' کو بھی (کہ عمائدِ فرقہ سے ہے) اس مطلب کا اعتراف ہے: ''اور لفظ ((ما ليس منه)) میں اشارہ ہے اس کی طرف کہ نکالنا اُس چیز کا مخالفِ کتاب وسنّت نہ ہو بُرا نہیں''، وكفى به حجّة على المخالفين، والحمد لله ربّ العالمين ۔

اور حدیثِ مسلم: ((مَن عمل عملاً ليس عليه أمرنا فهو ردّ)) [1] بھی اسی مطلب پر محمول، اور حدیثِ رافع بن خدیج: ((إذا أمرتكم بشيء من أمر دينكم فخذوا به، وإذا أمرتكم بشيء من رأي فإنّما أنا بشر)) [2] تو

---

(۱) "صحيح مسلم"، كتاب الأقضية باب نقض الأحكام...إلخ، ر:٤٤٩٣، صـ٧٦٢ـ

(۲) "صحيح مسلم"، كتاب الفضائل، باب وجوب امتثال ما قاله...إلخ، ر:٦١٢٧، صـ١٠٣٩ بتغيّر۔

مدّعائے مؤلفِ رسالہ واضعِ مقدّمہ سے اصلاً تعلق نہیں رکھتی، اسی طرح تائیدِ تفسیر میں جو احادیث و آثار و اقوالِ علمائے کِبار نقل کیے ہیں، نہ تفسیر شریف کی اُن سے کچھ تائید، نہ کسی طرح اِس بزرگوار کو مفید، بعض محض بے علاقہ، بعض صریح مضر۔ حیرت ہے کہ یہ حضرات بایں ادّعائے علم و دانش مطلب فہمی سے بہرہ نہیں رکھتے! یا دانستہ عوام کو مغالطہ دیتے ہیں کہ ہم نے اپنا دعویٰ اس قدر حدیثوں اور کتابوں سے ثابت کردیا، گو خواص اس حرکت پر ہنسیں۔

صاحبو! کیا آیت، حدیث یا کسی صحابی، تابعی، مجتہد، عالم کا قول صرف نقل کردینا کافی ہوتا ہے؟! اگرچہ محض بے محل؟! اگرچہ نرا بے علاقہ؟! بلکہ اگرچہ صراحۃً مخالف؟! حضرات ذرا خوفِ خدا کیجیے! دعویٰ کا ثابت ہونا چاہیے، نمائش کے واسطے آیتیں حدیثیں بے محل لکھ دینا اور امرِ دین میں عیّاری اور دھوکا بازی کرنا شیوۂ اہلِ اَھوا ہے، یہ تو فرمایئے! حدیث حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (کہ بخاری و مسلم سے آپ نے نقل کی) تفسیرِ شریف کی کیا تائید ہوئی؟ اس کا حاصل تو صرف اس قدر ہے کہ ایک قوم غیرِ سنّت کے ساتھ استنان کرے گی، تو مخبرِ صادق علیہ الصلاۃ والسلام کا فرمانا پورا ہوا۔

بعض بیباکوں نے انبیاء اولیاء کی جناب میں طرح طرح کی گستاخی، خدا و رسول کے کلام میں تصرّفِ معنوی، غلط حوالے دینا، اَبلہ فریبیوں سے عوام کو بہکانا، اپنا عقیدہ و مذہب سالہا چھپانا، اور اس کے برخلاف تحریر و تقریر کرنا، نئے عقیدے اور نئے مسئلے جن کا دین میں وجود نہیں، نہ اس صدی سے پہلے کسی نے کتابوں میں دیکھے سنے تھے گڑھنا، مسلمانوں کو مشرک، سنّیوں کو بدعتی ٹھہرانا، ظاہریہ معتزلہ خوارج کے

عقیدے اختیار کرنا، اور وہی آیتیں حدیثیں جو یہ بد مذہب دلیل لائے، ثبوت میں لانا، باوجود اس کے اپنے فرقے کو اہلِ سنّت و جماعت کہنا، اور اُسی قسم کی حرکتوں اور امرِ دین میں بیباکیوں کی عادت کی ہے، اور ان بدعاتِ شنیعہ وافعالِ قبیحہ کا (کہ صریح مخالفِ سنّت وخلافِ شریعت ہیں) نام اتباعِ سنّت رکھا ہے، اور حدیثِ مسلم میں کہ: ''حواریوں اور اصحابِ انبیاء کے بعد ایسے ناخلف ہوتے رہے کہ جو کہتے نہ کرتے، اور جو کرتے اس کے ساتھ حکم نہ کیے جاتے''(۱)۔

بعد اِتمامِ تقریب اوّلاً: فعل بے امر کی مذمت نہیں، ورنہ سب مباحات ممنوع ہو جائیں، ہاں فعل برخلافِ امر کی مذمت ہے، اور یہ عین ہمارا مدّعا اور تمہیں کچھ مفید نہیں۔

ثانیاً: امر سے صریح مراد تو محدَثاتِ قرنِ تابعین واستنباطاتِ مجتہدین بھی مذموم ٹھہرائیے! اور ضمنی واستنباط کو عام تو امورِ نزاعیہ بھی مامور بہا ہیں، ہاں اپنی خبر لیجیے کہ منہ سے اتباعِ سنّت کا دعوی اور اعمال وہ جو اوپر بیان ہوئے...! یہ اعمال (کہ کارِ دین میں آپ صاحبوں نے داخل کیے) کس امرِ شرعی کے مطابق ہیں؟! اگر ہوں تو پیش کیجیے! ورنہ اس تشنیع میں داخل ہونے کا اقرار فرمائیے!۔

احادیث کا (کہ مؤلفِ ''غایۃ الکلام'' نے تائیدِ تفسیرِ مخترع میں ذکر کیں) یہ حال تھا، اب آثار کی کیفیت ملاحظہ کیجیے!۔

اوّلاً: مستدِل کے نزدیک نجات وخیریت صرف سیرتِ صحابہ کے ساتھ

---

(۱) "صحیح مسلم"، کتاب الإیمان، باب کون النهي عن المنكر من الإیمان...إلخ، ر: ۱۷۹، ص۔٤٢۔

(کہ اُس کے نزدیک عبارت ہے اِجماع یا اتفاقِ اکثر سے، باوجودِ سکوتِ باقی اشخاص کے) مخصوص ہے، ایک دو صحابی کے انکار سے بدُونِ اِثباتِ اِجماع، یا اتفاقِ اکثر انکار پر استناد اپنے قرارداد کے خلاف ہے، کیا وہ قاعدہ جسے ایک دو ورق پہلے بنایا تھا نسیاً منسیًا ہوگیا؟! وہاں اپنے اسلاف کی حمایت اور احکامِ "تقویۃ الایمان" کی رعایت ملحوظ تھی، اور یہاں تفسیرِ مخترع کی تائید اور ذمِ بدعت کی تکثیر منظور ہے، اپنا قلم اپنا مذہب، جس جگہ جو چاہا لکھ دیا، کسی کا کیا اِجارہ ہے...؟!

ثانیاً: فاعلین اِن افعال کے جن پر بعض صحابہ سے انکار نقل کرتے ہیں صحابی تھے یا تابعی، پہلی صورت میں تو قول انکار کرنے والے کا مصنف کے طور پر سیرتِ صحابہ ہرگز نہیں ہوسکتا؛ کہ اتفاقِ اکثر مع سکوت الباقین نہ پایا گیا، قطع نظر اس سے اُن انکار کرنے والے صاحب کو صحابی فاعل پر کیا ترجیح ہے، کہ صرف اُن کے کہنے سے اُنہیں (عیاذاً باللہ) مرتکبِ بدعت وضلالت کہا جائے، اور دوسری شق میں بھی مؤلف کے طور پر فعلِ صحابی وتابعی ایک حکم میں ہے؛ کہ بحالتِ انفراد دونوں غیر معتبر، اور بعدِ اِجماع واتفاق دونوں ملحق بسنّت، علاوہ ازیں فعل تابعی مجتہد[1] کا (گو بعض صحابۂ کرام سے انکار ثابت یا من حیث الدلیل وہی جانب قوی ہو) بدعت وضلالت نہیں ہوسکتا، اختلافاتِ صحابہ مسئلۂ مجتہد فیہا میں ایک جانب کو ضلالت وگمراہی سمجھنا کُھلی تقلید روافض وغیرہم مبطلین کی ہے۔

"شرحِ مقاصد" میں بعد ذکرِ اَشعریہ ماتریدیہ کے لکھا ہے: "المحققون

---

(۱) الوصف ملحوظ كما لا يخفى۔

من الفريقَين لا ينسب أحدهما الآخرَ إلى البدعة والضلالة خلافاً للمبطلين، حتّى ربما جعلوا الاختلاف في الفروع أيضاً بدعةً وضلالةً كالقول بحلّ متروك التسمية عمداً... إلخ" [1]۔ اور حدیثِ بخاری سے کہ باوجود ارشادِ ہدایت بنیاد: ((لا يصلّينّ أحد العصرَ إلّا في بني قريظة))... إلخ [2]، یعنی کوئی نمازِ عصر نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں، بعض صحابہ نے یہ سمجھ کر کہ مقصودِ جناب تعجیل کے ساتھ پہنچا ہے نہ حقیقتِ کلام، راہ میں نمازِ عصر پڑھ لی، اور حضور نے کچھ عتاب وانکار نہ فرمایا، بخوبی ثابت کہ مجتہد پر بوجہِ مخالفتِ ظاہرِ نصوص طعن وتشنیع کی گنجائش نہیں، ایک دو صحابی کے قول سے اسے مبتدِع اور گمراہ ٹھہرانا کب جائز ہوگا؟!

ثالثاً: آثارِ مستندۂ مؤلف میں جن افعال پر بعض صحابہ سے نکیر نقل کی، بعض مجتہدین نے ان کے جواز خواہ استحباب کی تصریح فرمائی، مثلاً تھویب [3] کو امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے امرائے عصر کے لیے جائز رکھا، اور امام محمد نے مطلقاً [4]، اور

---

(۱) "شرح المقاصد"، المبحث الثامن، حكم المؤمن والكافر والفاسق، الجزء الخامس، صـ۲۳۲ بتصرّف۔

(۲) "صحيح البخاري"، كتاب صلاة الخوف، باب صلاة الطالب والمطلوب... إلخ، ر: ۹٤٦، صـ۱٥۲۔

(۳) اذان کے بعد دوبارہ اطلاع دینا، نماز کو بلانا۔

(۴) "النهر الفائق"، كتاب الصّلاة، باب الأذان، ۱/ ۱۷۷۔

رکعتینِ فجر کے بعد اضطجاع (۱) جس کی ممانعت ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں (۲)، امام شافعی اور بہت صحابہ تابعین اُسے مندوب وسنّت کہتے ہیں (۳)، اور پیشوائے ملتِ نجدیہ ابن حزم ظاہری فرض ٹھہراتا ہے (۴)، کیا بلا ہے کہ اِن حضرات کو سخن پروری میں اپنے مقتدیانِ مذہب کا بھی خیال نہیں رہتا! بے تکلف انہیں بھی گمراہ ومبتدع ٹھہرایا جاتا ہے، اور قنوت کو جس کا بدعت ہونا ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا (۵)، امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ سنّت فرماتے ہیں (۶)، اسی طرح اکثر مسائلِ مذکورہ میں ائمۂ مجتہدین سے تصریح موجود، اور یہ بات ثابت ہوچکی کہ مسئلہ مجتہد فیہا میں ایک جانب کو بدعت وضلالت ٹھہرانا محض بے جا ہے، بلکہ بطورِ مؤلف یہ افعال سنّت میں داخل ہیں، تو اِنہیں بدعت ٹھہرانا بطورِ

---

(۱) بر پہلوئے خوابیدن، یعنی فجر کی سنّتیں پڑھ کر کچھ دیر لیٹ کر فرض پڑھنا۔

(۲) "المصنَّف" لعبدالرزاق، كتاب الصّلاة، باب الضجعة بعد الوتر وباب النافلة من الليل، ر: ۴۷۲۲، ۳/ ۴۳۔

(۳) "عمدة القاري"، كتاب التهجّد، باب الضجعة على الشِقّ الأيمن بعد ركعتَي الفجر، تحت ر: ۱۱۶۰، ۵/ ۵۱۵۔

(۴) "المحلّى"، كتاب الصّلاة، باب مسألة الجهر، ر: ۳۴۱، ۳/ ۱۹۶، ۱۹۷۔

(۵) "مجمع الزوائد ومنبع الفوائد"، كتاب الصّلاة، باب القنوت، ر: ۲۸۲۱، ۲/۲۷۱۔

(۶) "المنتقى شرح موطّأ مالك"، كتاب الصلاة، باب القنوت في الصبح، تحت ر: ۳۷۵، ۲/ ۲۸۹، و"العناية شرح الهداية"، كتاب الصلاة، باب صلاة الوتر، ۱/ ۳۷۹۔

مؤلف ہدیٰ کو ضلالت کہتا ہے، افسوس کہ یہ بزگوار اپنے اصول وطرقِ مخترعہ یاد نہیں رکھتے! آپ وضع کرتے ہیں اور خود عمل نہیں کرتے! اب انصاف کریں کہ ((یقولون ما لا یفعلون)) کا (کہ حدیثِ مسلم میں گزرا) کون مصداق ہے؟!

رابعاً: عصرِ صحابۂ کرام میں اِطلاقِ بدعت ایسے امور پر کہ عہدِ نبوت میں نہ تھے (گو شرع سے خوبی خواہ جواز اُن کا ثابت ہو) ثابت ہے، ولہٰذا بعض افعال کو بدعت کہتے اور بدعتِ حسنہ کا ارادہ کرتے، اور کبھی باوجود اِطلاقِ بدعت ان کے حسن وخوبی کی تصریح بھی فرمادیتے، یا بعض حضرات اِقتصاد فی العمل پسند کرتے، اور حقوقِ نفس کی رعایت اور نشاط فی العبادۃ کی تحصیل، خواہ تعلیم وبیانِ جواز وغیرہ امور ملحوظ رکھتے، یا رخصت پر عمل کرتے۔

اور کبھی کسی امر کو اُس وقت امرِ دین میں مخل پاتے، یا کوئی اصلِ شرعی جواز واستحسان کی خیال میں نہ آتی تو فضول ولایعنی سمجھ کر ترک کرتے، یا اُس وقت ضرورت خواہ بھلائی اُس فعل میں نہ سمجھتے، یا فرصت نہ ہوتی، اُس سے بہتر کام میں مشغول ہوتے، یا آسانی وتسہیل پر نظر فرماتے، یا بدیں خیال کہ لوگ نوعہدانِ اسلام اس فعل کو واجب نہ سمجھ لیں، اور اُمت کو دشواری میں ڈالدیں، یا کسی شے کی تعظیم میں اِفراط کر کے حدِ پرستش کو پہنچا دیں، اور بوجہِ قربِ عہد کے زمانۂ کفر سے پھر اُسی عقیدے کی طرف مَیل کر جائیں، فعل جائز یا مستحب کے التزام پر تشدّد ونکیر فرماتے۔

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اگر قطعِ شجرہ ثابت ہوجائے، اور نیز ممانعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کے مقام میں نماز پڑھنے سے، اور حجرِ اسود سے فرمانا کہ: تو ایک پتھر ہے! اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم استلام نہ فرماتے، میں بھی نہ

فرماتا[1]، سب اسی نظر سے ہے، ورنہ تبرک مَشاہدِ انبیا سے بتصریحِ کتاب وسنّت ثابت، اور نیز یہی وجوہ باعثِ اختلاف ہیں؛ کہ ایسے امر کو مناسب وقت یا منفعتِ دینی پر مشتمل سمجھا، یا اب وہ حرجِ شرعی مرتفع ہوگیا، یا رأسًا نہ پایا گیا، مستحب اور جائز کہا، بلکہ خود کسی وقت ایک امر سے انکار فرمایا اور دوسرے وقت خود کیا، یا جائز بتایا، جیسے مسئلۂ زیادت میں ابنِ عمر وابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے انکار وعمل دونوں ثابت۔

اگر ممانعتِ صحابہ نسبت افعال کے اِسی قاعدے پر مبنی ہوتی کہ یہ افعال عصرِ نبوّت میں نہ تھے، نہ ہمارے زمانے میں رائج ومعمول بہا ہوگئے، تو بدعت وضلالت ہیں، اور یہ قاعدہ شرع میں مصرَّح ومعلومِ اہلِ شرع ہوتا تو متروکاتِ صحابہ کا عصرِ تابعین میں رواج نہ ہوسکتا، نہ کوئی مجتہد اس کے خلاف حکم دے سکتا؛ کہ جس کا ضلالت وگمراہی ہونا شرع سے ثابت ہوگیا اس میں اجتہاد کو کیا دخل؟!

بالجملہ ترک وانکارِ صحابہ اِن وجوہ اور اِن کی اَمثال پر (کہ بعض ''غنیۃ الطالبین'' و''غنیۃ المتملّی'' وغیرہما کتبِ مستندۂ مؤلف میں بھی مصرَّح ہیں) مبنی ہے، تو بلا دریافتِ حقیقتِ حال ووجہِ انکار اُنہیں پیش کرنا محض نافہمی ومغالطہ دہی ہے، اور باوجود اعتراف اس امر کے کہ مجتہداتِ ائمہ حکمِ سنّت میں ہیں ایسے افعال کو گمراہی وضلالت ٹھہرانا، اور اختلافِ صحابہ میں ایک جانب کو بدعتِ سیّۂ اور فاعلین کو مبتدع وگمراہ کہنا شعبۂ رفض اور بڑی گستاخی ہے۔

خامساً: سب سے زیادہ جرأت وبیباکی متکلم قنوجی کی یہ ہے کہ بعض آثار

---

(۱) "صحيح البخاري"، كتاب الحجّ، باب ما ذكر في الحجر الأسود، ر: ۱۵۹۷، ص۲۵۹۔

واقوال میں لفظِ بدعت کے ساتھ اُس فعل کی خوبی بھی بتصریح مذکور ہے، ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول در بابِ نمازِ چاشت نقل کیا: إنّها بدعة، اور کچھ خبر نہیں کہ اِطلاقِ بدعت کے ساتھ حضرت ممدوح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کی مدح فرمائی، مجاہد، ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: بدعة ونعمت البدعة [1]، ''غنیۃ الطالبین'' میں بروایتِ ابن المبارک اس قدر زیادہ ہے: وإنّها لمن أحسن ما أحدثه النّاس [2]، اور یہ بھی ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے وارد ہوا: ما ابتدع المسلمون أفضل من صلاة الضحى [3]، تو ارشادِ ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس مسئلہ میں تقسیمِ بدعت کی کھلی دلیل ہے، مضر کو مفید ٹھہرانا اور بے تکلف مباحثۂ علما میں پیش کرنا ذاتِ شریف ہی کا کام ہے، اور صرف لفظ: إنّها بدعة نقل کرنا اور ان تصریحات کو ہضم کر جانا، امرِ دین میں کیسی چالاکی وجرأت ہے؟! ایسے لوگ اگر نمازِ فرض سے منکر ہو بیٹھیں اور ﴿لَا تَقْرَبُوْا الصَّلَاةَ﴾ [4] قرآن سے نقل کر کے ﴿وَأَنْتُمْ سُكَارٰى﴾ [5] اُڑا دیں، کچھ عجب نہیں۔

---

(۱) "المعجم الكبير"، مسند عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، ر: ۱۳۵٦۳، ۳۲٤/۱۲۔

(۲) "الغنية لطالبي طرق الحقّ عزّ وجل"، القسم الرابع: فضائل الأعمال، ۱٦٤/۲۔

(۳) "عمدة القاري"، كتاب التهجّد، أبواب التطوّع، باب صلاة الضحى في السفر، تحت ر: ۱۱۷۵، ۵ /۵٤۱۔

(٤) پ۵، النساء: ٤۳۔ (۵) پ۵، النساء: ٤۳۔

اور سنیے! خود قولِ حضرت ابو بکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ در بابِ جمعِ مصحف: قلت لعمر: كيف تفعل شيئاً لم يفعله رسولُ اللّٰه صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم؟! فقال عمر رضي اللّٰه تعالى عنه: هو واللّٰه! خير، فلم يزل عمر يراجعني حتّى شرح اللّٰه صدري لذلك، ورأيت في ذلك الذي رأى عمر [1]۔

اور قولِ زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی باب میں: قلت، يعني لأبي بكر: كيف تفعلون شيئاً لم يفعله رسولُ اللّٰه صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم؟! قال: هو واللّٰه! خير، فلم يزل أبو بكر يراجعني...إلخ [2]، ''بخاری شریف'' سے نقل کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! حضرت ابو بکر و زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پہلے کلام سے تو استدلال ہوتا ہے، اور اس طرف اصلاً نظر نہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے قول سے رائے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف رجوع فرمائی، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُنہیں الفاظ سے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمائے تھے ترغیب دی، اور ان کی ترغیب و اِصرار کے بعد یہ شبہ حضرت زید کی طبیعت سے بھی رفع ہوا، یہاں تک کہ قرآن جمع کیا، اور سب صحابہ نے اتفاق فرمایا۔

---

(۱) "صحيح البخاري"، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ر: ٤٩٨٦، صـ٨٩٤ بتغيّر۔

(۲) "صحيح البخاري"، كتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن، ر: ٤٩٨٦، صـ٨٩٤ ۔

وہابی صاحبو خدارا انصاف! اس حدیث شریف کا مضمون ہمارے تمہارے مباحثہ پر ھُوَ ھُوَ بلا کمی وزیادت منطبق ہے، بڑی دوڑ تمہاری مسائلِ متنازع فیہا میں یہی ہے کہ یہ افعال زمانۂ رسالت خواہ قرونِ ثلاثہ میں نہ پائے گئے، اور ہم بعینہٖ وہی جواب دیتے ہیں جو حضرت عمر نے حضرت صدیق اکبر، پھر صدیقِ اکبر نے حضرت زید بن ثابت کو دیا کہ: ''یہ کام اچھا ہے، گو اگلے زمانے میں واقع نہ ہوا، اور حضرت صدیقِ اکبر اور زید بن ثابت نے اس جواب کو کافی ووافی سمجھ کر شبہ سے رجوع فرمائی، اور سب صحابہ نے بالاتفاق جمعِ مصحف باوجود ترکِ حضرت رسالت علیہ الصلاۃ والسلام پسند کیا، تو یہ بحث عصرِ صحابہ میں بخوبی طے ہولی، اور اس شبہ کی بے اصلی پر صحابہ نے اِجماع کرلیا''۔ کیا یہ جواب جس پر اتفاق و اِجماعِ صحابہ منعقد ہوا اس شبہ کے دفع میں کفایت نہیں کرتا؟! سچ ہے: تعصب عقل وحیا کھو دیتا ہے، اور ہوائے نفس بصیرت کو اندھا کرتی ہے کہ حق بات نظر ہی نہیں آتی ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (۱)۔

اب روایاتِ فقہ کی (کہ مؤلف نے مفیدِ مدّعا ومؤیدِ تفسیر قرار دیں) کیفیت سن لیجیے! حاصلِ استدلال یہ کہ: فقہاء نے بعض امور کو بدیں جہت کہ قرونِ ثلاثہ سے منقول نہ ہوئے بدعت ومکروہ فرمایا۔

اوّلاً: مؤلف کے نزدیک بھی اس قدر سے کراہت ثابت نہیں ہوتی، خود اسی رسالہ میں لکھا ہے: ''ہر چند عدمِ ماثوریت یا عدمِ منقولیت عملے از قرونِ ثلاثہ موجبِ

---

(۱) پ ۱۸، النور: ۴۰۔

سیئہ بودن آن نیست، لیکن عدمِ ماثوریت یا عدمِ منقولیتِ آن از مجتہدین البتہ موجبِ سیئہ بودن آن ہست"(۱)، تو روایاتِ مستندۂ مؤلف کے بھی خلاف ہیں، اور اس قاعدۂ مسلّمۂ مؤلف سے منقوض، اور پچھلے فقرے کے رَد میں بعض بیانات ہمارے رسالہ "اصول الرشاد" کے کفایت کرتے ہیں۔

ثانیاً: ابھی بیان ہوا کہ یہ شبہ زمانۂ صحابہ میں طے ہوگیا، اور یہ بات ٹھہرگئی کہ امرِ خیر کا زمانۂ سابق میں نہ ہونا اس کی خیریت وخوبی میں کچھ خلل نہیں ڈالتا، اور صحابہ نے برخلاف اس شبہ کے عمل کر کے قرآن کے جمع ہونے پر اپنی رضامندی ظاہر کی، تو اس کی بے اصلی پر اتفاق ہولیا، باینہمہ اگر کسی فقیہ کو یہ شبہ عارض ہو تو برخلاف قول وفعلِ صحابۂ کرام کب قابلِ اِلتفات ہے؟! غضب تو یہی ہے کہ یہ حضرات اگر ایک بات کسی کتاب میں مفیدِ مطلب اپنے زعم کر لیتے ہیں، اس کے مقابلے میں تمام شرع سے منہ پھیرتے ہیں! نہ خدا سے خوف، نہ رسول سے شرماتے ہیں، نہ صحابہ وتابعین وائمۂ مجتہدین کا ارشاد کچھ خیال میں لاتے ہیں۔

ثالثاً: انہیں اقوالِ فقہا میں (کہ مفیدِ مطلب ومؤیدِ تفسیرِ مخترع سمجھے گئے) اکثر اقوال میں صرف عدمِ نقل پر حضرتِ رسالت وصحابۂ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کفایت کی، اور یہ تو نہایت ظاہر کہ فقہا سو جگہ عدمِ نقل پر جنابِ رسالت سے اقتصار فرماتے ہیں، اور اُسے وجہ ممانعت وکراہت کی ٹھہراتے ہیں، اور یہ صریح مخالفِ مقصودِ مستدِل ہے؛ کہ اس تقدیر پر معمولاتِ زمانۂ تابعین، بلکہ عصرِ صحابۂ

---

(۱) "غایۃ الکلام"۔

کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی بدعت ومکروہ ٹھہریں گے، پھران اقوالِ پریشان کو مفیدِ مدّعا ومؤیدِ تفسیر سمجھنا اور اس طمطراق کے ساتھ مباحثۂ علما میں ذکر کرنا نافہمی نہیں تو کیا ہے؟!

رابعاً: یہی فقہا[1] اور اِن کے اَمثال یا اِن سے اَمثل اور اکثر کبرائے مؤلف اور اِن کے مستندین صدہا امورِ خیر کو (جن کا وجود قرونِ ثلاثہ میں نہ تھا، نہ مجتہدینِ ملت نے تصریح فرمائی) مستحسن اور بعض کو واجب کہتے ہیں، یہاں تک کہ صاحبِ ''عین العلم'' بطورِ قاعدہ کلیہ فرماتے ہیں: ''والإسرار بالمساعدة فيما لم ينه عنه، وصار معتاداً بعد عصرهم حسن، وإن كان بدعةً''[2]، یعنی موافقت کے ساتھ قوم کو خوش کرنا ایسے فعل میں جس کی ممانعت شرع سے نہ ہوئی، اور اِن کے زمانے کے بعد اس کی عادت ہوگئی، گو وہ فعل بدعت ہو اچھا ہے۔ اور ''فتح

---

(۱) اقول: ہُد ظاہر کہ یہ تقریرِ استدلالِ وہابیہ کے رد وجواب میں ہے، حاصل اس کا منع ہے؛ کہ ہم نہیں تسلیم کرتے کہ فقہا مجرّد عدمِ نقل کو مثبتِ منع جانتے ہوں، بسند یہ کہ یہی فقہا اور ان کے اَمثال... الخ۔ اور حل وہ ہے جو حقیقۃ الامر میں اِفادہ ہوگا، خواہ اسی منقضِ اِجمالی کے رنگ پر تقریر کیجیے، یعنی یہ تمہارا تمسک صحیح ہو، تو فساد لازم آئے، فقہا قائل بالمتنافیین ٹھہریں، اپنا کلام آپ رد کریں، یا معارضہ ہے، اور وہ ظاہر ہے، بہر حال بجوابِ سوال پھر اِعادۂ استدلال صریح جہل وضلال۔ یہ نکتہ خوب یاد رکھنے کا ہے!؛ کہ مخالف کو ان عبارات کے مقابل اپنے اسی تمسکِ مردود کے پیش کرنے کا کوئی حق نہیں، ولكن الوهابيّة قوم يجهلون۔

حضرت عالمِ اہلِ سنت مدّ ظلہ ابنِ سیدنا المصنّف العلام قدّس سرّہ۔

(۲) "عين العلم" مع شرحه، بيان فضل الصمت وآفات اللسان، ۱/ ۵۱۱۔

القدیر‘‘ کے آدابِ زیارتِ بابرکت میں لکھا ہے: ’’وكلّ ما كان أدخل في الإجلال كان حسناً‘‘[1]، یعنی جو بات نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم میں زیادہ دخل رکھتی ہو اچھی ہے۔

وفي "البحر الرائق": ذكر الخلفاء الراشدين مستحسن بذلك جرى التوارث وبذكر العمّين [2]، وفي "الدرّ المختار": يندب ذكر الخلفاء الراشدين والعمّين [3]، وفيه أيضاً: التسليم بعد الأذان حدث في ربيع الآخر سبعمئة وإحدى وثمانين في عشاء ليلة الاثنين، ثمّ يوم الجمعة، ثمّ بعد عشر سنين حدث في الكلّ إلّا المغرب، ثمّ فيها مرّتَين وهو بدعة حسنة [4]، وأيضاً فيه في المسألة المصافَحة بعد العصر قولهم: إنّه بدعة، أي: حسنة مباحة كما أفاده النووي في "أذكاره" [5] وغيره في غيره...إلخ [6]۔ وفيه أيضاً: والتلفّظ عند الإرادة بها مستحبّ، وهو المختار، وقيل: سنّة يعني أحبّه السلَف، أو سنّه

(۱) "فتح القدير"، كتاب الحجّ، باب الهدي، مسائل منثورة، ۳ / ۹٤۔

(۲) "البحر الرائق"، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة، ۲ /۲۵۹۔

(۳) "الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجمعة ، ۱ / ۱۱۱۔

(۴) "الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة ، باب الأذان، ۱ /٦٤۔

(۵) "الأذكار من كلام سيّد الأبرار"، كتاب السلام والاستئذان وتشميت العاطس وما يتعلّق بها، باب في مسائل تتفرّع على السلام، فصل في المصافَحة، صـ٤۳۵۔

(٦) "الدرّ المختار"، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، ۲ /۲٤٤۔

علماؤنا؛ إذ لم ينقل عن المصطفى والصحابة والتابعين، بل قيل: بدعة[١]۔ قال الطحطاوي: لكنّها حسنة على المعتمد لا سيّئة [٢]، وفي "الدرّ المختار" أيضاً: وجاز تحليّة المصحف لما فيه من تعظيمه...إلخ [٣]۔

وأيضاً فيه: وعلى هذا لا بأس بكتابة أسامي السور وعدّ الآي والعلامات، فهي بدعة حسنة...إلخ [٤]، وصرّح باستحسان علامات الحمرة وتحسين الكتابة في "الإحياء" [٥] أيضاً، وفي "الدرّ المختار" أيضاً: ولا بأس به عقب العيد؛ لأنّ المسلمين توارثوه، فوجب اتّباعهم وعليه البَلخيّون، ولا يمنع العامّة من التكبير في الأسواق في الأيّام العشر، وبه نأخذ [١]۔"بحر"[٢]، "مجتبى"، وغيره [٣]۔

---

(١) "الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، ١ /٦٧۔

(٢) "حاشية الطحطاوي على الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، باب شروط الصلاة، ١/١٩٤۔

(٣) "الدرّ المختار"، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، فصل في البيع، ٢/٢٤٥۔

(٤) "الدرّ المختار"، كتاب الحظر والإباحة، باب الاستبراء، فصل في البيع، ٢/٢٤٥۔

(٥) "الإحياء"، كتاب آداب التلاوة، الباب الثاني في ظاهر آداب التلاوة، ١/٣٢٦ بتصرّف۔

قال الطحطاوي[۴] في فصل الجمعة: سئل العلاّمة محمد البرهمتوشي عن حكم الترقيّة، فقال: إنّها بدعة حسنة استحسنها المسلمون، وقال صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم: ((ما رآه المسلمون حسناً فهو عند اللّٰه حسن... إلخ)) [۵]۔

قال القاري[۶] في "شرح الأربعين" في صلاة الرغائب: فصلاة مئة ركعة بأيّ طريق لا يكون من البدع المذمومة مع ما ورد عن ابن مسعود ـ رضي اللّٰه تعالى عنه ـ أنّ ما رآه المسلمون...إلخ [۷]۔

وفي "شرح الطحاوي": الأفضل أن يشتغل بقلبه بالنيّة ولسانه بالذكر ويده بالرفع[۱]، في "المنية": والمستحبّ في النيّة أن ينويَ

---

(۱) "الدر المختار"، كتاب الصّلاة، باب العيدين، ۱ /۱۱۷۔

(۲) "البحر الرائق"، كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ۲ /۲۸۹ ملتقطاً بتصرّف۔

(۳) "ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: كلمة "لا بأس" قد تستعمل في المندوب، ۵ /۱۵۱، تحت قول "الدر": ولا يمنع العامّة...إلخ۔

(۴) "حاشية الطحطاوي على الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، باب الجمعة، ۱/۳٤۷۔

(۵) "كشف الخفاء"، حرف الميم، ر: ۲۲۱٤، ۲ /۲۱۹۔

(۶) "المبين المعين لفهم الأربعين"، تحت الحديث الخامس، صـ۶۷۔

(۷) "كشف الخفاء"، حرف الميم، ر: ۲۲۱٤، ۲ /۲۱۹۔

بالقلب ويتكلّم باللسان، وهذا هو المختار [٢]. قال في "البحر"[٣]: وصحّحه في "المجتبى". وفي "الهداية" [٤] و"الكافي"[٥] و"التبيين": إنّه يحسن لاجتماع عزيمته [٦]، وفي "الاختيار" معزياً إلى محمد بن حسن أنّه سنّة [٧]، وهكذا في "المحيط" [٨] و"البدائع"[٩] (إلى أن قال بعد نقل خلافه)، وزاد في "شرح المنية" [١٠] أنّه لم ينقل عن الأئمّة الأربعة أيضاً، فتحرّر من هذا أنّه بدعة حسنة عند قصد جمع

---

(١) "شرح الطحاوي".

(٢) "منية المصلّي"، الشرط السادس النيّة، صـ١٥٤ بتصرّف.

(٣) "البحر"، كتاب الصّلاة، باب شروط الصلاة، "النيّة"، ١/ ٤٨٣، ٤٨٤.

(٤) "الهداية شرح بداية المبتدي"، كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة التي تتقدّمها، الجزء الأوّل، صـ٥٥.

(٥) "الكافي"، كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، ١/ق٥٩ بتصرّف.

(٦) "تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق"، كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة، الجزء الأوّل، صـ٩٩.

(٧) "الاختيار لتعليل المختار"، كتاب الصّلاة، باب ما يفعل قبل الصّلاة، الجزء الأوّل، صـ٥٢.

(٨) "المحيط"، كتاب الصّلاة، باب النيّة، صـ٤٧ من المخطوط.

(٩) "بدائع الصنائع".

(١٠) "حلبة المجلّي"، كتاب الصّلاة، الشرط السادس: النيّة، ٢/ق٤١ بتصرّف.

العزيمة، وقد استفاض ظهور العمل بذلك في كثير من الأعصار في عامّة الأمصار، فلعلّ القائل بالسنّيّة أراد بها الطريقة الحسنة، لا طريقة النّبي صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم، وفي "الغنية" (١) بعد نقل: "أنّها لم تنقل عن القرون الثلاثة"، لكن عدم النقل وكونه بدعةً لا ينافي كونه حسناً لقصد اجتماع العزيمة على ما أشار إليه في "الهداية" (٢)، وصرّح به في "التجنيس" (٣)۔

وفي "شرح المشكاة" لعلي القاري: أنّ الأكثرين على أنّ الجمع بينهما مستحبّ؛ لتسهيل تعقّل معنى النيّة واستحضارها... إلخ (٤)۔

وفي "المواهب اللدنّية": والذي استقرّ عليه أصحابنا استحباب النطق بها (٥)، وفي "شرح الوقاية": واستحسن المتأخّرون

---

(١) "غنية المتملي"، الشرط السادس: النيّة، صـ٢٥٤۔

(٢) "الهداية"، كتاب الصّلاة، باب شروط الصّلاة التي تتقدّمها، الجزء الأوّل، صـ٥٥۔

(٣) "التجنيس والمزيد"، كتاب الصّلاة، باب فيما يتقدّم الصّلاة من الشروط، فصل في النيّة، مسألة ٤٢٢، ١/ ٤١٤۔

(٤) "مرقاة المفاتيح"، حديث النيّة المسمّى بطليعة كتب الحديث، ١/ ٩٤۔

(٥) "المواهب اللدنية"، مع "شرحه"، القسم الأوّل في الفرائض...إلخ، الفصل =

التثويبَ في الصلوات كلّها [١]، وفي "الدرّ المختار": يثوّب بين الأذان والإقامة للكلّ بما تعارفوه إلّا في المغرب، قال الباقاني في مسألة التعريف: لو اجتمعوا لشرف ذلك اليوم (أي: عرفة) لسماع الوعظ بلا وقوفٍ وكشفِ رأسٍ جاز، بلا كراهة اتّفاقاً[٢]، وفي "الجامع الصغير"[٣] و"شرح الظهيري"[٤]: ويكره التعشير والنقط، والمشايخ لم يروا به بأساً؛ لأنّ العجم لا يمكن لهم التلاوة إلّا بالنقط، وأمّا كتابة أسامي السور وعدّ الآي ونحوهما فهي بدعة حسنة، وقال شرف الأئمّة المكّي رحمه الله: القراءة على القبر بدعة حسنة [٥]۔

وفي "شرح الوقاية": استحسن المتأخّرون العمامة [٦]، وفي

= الثالث في ذكر كيفية صلاته صلّى الله تعالى عليه وسلّم، الأوّل في صفة افتتاحه صلّى الله تعالى عليه وسلّم، ١٠ /٣٠٢۔

(١) "شرح الوقاية"، كتاب الصّلاة، باب الأذان، ١ / ١٥٤۔

(٢) "الدر المختار"، كتاب الصّلاة، باب الأذان، ١ / ٦٣۔

(٣) "الجامع الصغير"، كتاب الوصايا، مسائل متفرّقة ليست لها أبواب، صـ٥٣٤۔

(٤) انظر: "قنية المنية لتتميم الغنية"، كتاب الكراهية والاستحسان، باب في حقّ المصاحف والكتب، قـ٦٩ بتصرّف، نقلاً عن "جص"، و"شظ"۔

(٥) انظر: "القنية"، كتاب الكراهية والاستحسان، باب القراءة والدعاء، قـ٦٦، نقلاً عن شم۔

(٦) "شرح الوقاية"، كتاب الصّلاة، باب الجنائز، ١ /٢٥٢۔

"الهندية"[1] عن "جواهر الأخلاطي"[2]: لا بأس بكتابة أسامي السور وعدد الآي، وهو وإن كان إحداثاً فهو بدعة حسنة، وكم من شيء كان إحداثاً هو بدعة حسنة، وكم من شيء يختلف باختلاف الزمان والمكان. وفي "فتاوى قاضي خان": تكلّموا في الدعاء عند ختم القرآن في شهر رمضان بالجماعة، واستحسنه المتأخّرون، فلا يمنع عن ذلك[3]، إلى غير ذلك من المسائل ۔

دیکھو! ان کتبِ کثیرہ میں ان جماعاتِ فقہائے کرام نے خطبوں میں خلفائے راشدین وعمّین مکرّمین کا ذکر شریف، اذان کے بعد مؤذِن کا بآوازِ بلند نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر عرض صلاۃ وتسلیم، نمازِ عصر کے بعد مصافحہ، زبان سے نماز کی نیت، مصحف پر سونا چڑھانا، قرآنِ عظیم میں سورتوں کے نام آیتوں کا شمار، وقف وغیرہ کے علامات لکھنا، نمازِ عید کے بعد تکبیر کہنا، عام آدمیوں کا بازاروں میں بآوازِ عشرۂ ذی الحجہ میں تکبیریں کہتے پھرنا، جب امام روزِ جمعہ منبر پر جائے تو مؤذِن کا آیۂ کریمہ: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰئِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾[4] اور حدیثِ اِنصات پڑھنا، رجب کی پہلی شبِ جمعہ میں سو رکعت نمازِ رغائب ادا کرنا، نمازوں کے لیے اذان بعد

(۱) "الهندية"، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد...إلخ، ۳۲۳/۵۔

(۲) "جواهر الأخلاطي"، كتاب الأضحية، ق۲۳۳۔

(۳) "الخانية"، كتاب الصّلاة، باب افتتاح الصلاة، الجزء الأوّل، صـ۸۰ ملتقطاً۔

(۴) پ۲۲، الأحزاب: ۵۶۔

اذان کہنا، روزِ عرفہ تشبّہ حجاج کے لیے مسلمانوں کا جمع ہو کر جنگل کو جانا، قرآنِ عظیم میں ہر دس آیت پر علامت لکھنا، نقطے اور اعراب لگانا، قبر پر حافظ کو تلاوت کے لیے بٹھانا، میّت کے عمامہ باندھنا، ماہِ مبارک رمضان میں وقتِ ختمِ قرآن جمع ہو کر دعا مانگنا وغیر ذلک امورِ کثیرہ کو نو پیدا مان کر حکمِ جواز واستحباب دیا۔

تسلیم بعد الاذان میں تصریح فرمائی کہ: وہ ۷۸۱ھ میں عشائے دوشنبہ، پھر اذان جمعہ پھر ۷۹۱ھ میں بجز مغرب سب اذانوں، پھر اذانِ مغرب میں بھی حادث ہوئی، اس قدر نو پیدا ہے، مگر بدعتِ حسنہ ہے، زبان سے نیّت کو فرمایا: نبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وصحابہ وتابعین حتّٰی کہ ائمۂ اربعہ میں بھی کسی سے منقول نہیں، بااینہمہ مستحب ہے، حسنہ ہے، سنّتِ علما ہے، نامِ سور وشمارِ آیات لکھنے کو فرمایا: اگرچہ نو پیدا ہے، مگر بدعتِ حسنہ ہے؛ کہ بہت نو پیدا چیزیں حَسن ہوتی ہیں، اور بہت احکام اختلافِ زمان ومکان سے مختلف ہو جاتے ہیں، اگر مجرد عدمِ نقل موجبِ کراہت ہوتا تو اِن احکام وبیانات کی کیا گنجائش تھی؟! کیا وہ بھی آپ لوگوں کی طرح (معاذ اللہ) ((یقولون ما لا یفعلون))، ((ویفعلون ما لا یؤمرون)) میں داخل تھے؟!۔

حقیقۃ الامر یہ ہے کہ عدمِ نقل کسی فعل کا قرونِ ثلاثہ خواہ حضرتِ رسالت وصحابہ سے عدمِ وقوع کو مستلزم نہیں، کما قال في "فتح القدیر": وبالجملة عدم النقل لا ينفي الوجود [1]، بلکہ اس سے عدمِ وجدانِ نقل ہی مراد ہوتا ہے؛ کہ استقرائے تام کا دعوی نقل کی نسبت بھی دشوار کام، تو کسی کا یہ کہہ دینا کہ: ''یہ فعل قرونِ

---

(۱) "فتح القدیر"، کتاب الطهارة، ۱/ ۲۰۔

ثلاثہ میں نہ تھا'' مقامِ تحقیق میں محلِ کلام ہے، کیا یہ بزگوار اس قدر بھی نہیں سمجھتے کہ ایسے کلام احکام کے مبنٰی نہیں ہوسکتے، اور جب کلامِ فقہا کا یہ حال ہے تو مخالفین کو ایسے بڑے دعوی کی کیا مجال ہے؟!

''بخاری شریف'' میں وارد ہوا: کسی نے ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ: حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز چاشت پڑھتے تھے؟ فرمایا: لا أخاله [1] دیکھو ایسے صحابی جلیل الشان باعظمت متتبّع و متفحّصِ سنّت وعدمِ وقوع وترک پر جزم نہ کرسکے! اور یہ حضرات بایں بضاعتِ مزجات جس امر کی نسبت چاہتے ہیں بے تکلف عدمِ وقوع وعدمِ نقل کا دعویٰ کرتے ہیں، قطع نظر اس سے مجرّ دترک وعدمِ وقوع دلیلِ کراہت نہیں؛ کہ ترک [2] دوسری جہت سے بھی ہوتا ہے۔

---

(۱) "صحيح البخاري"، كتاب التهجّد، أبواب التطوّع، باب صلاة الضحى في السفر، ر: ۱۱۷۵، ص۱۸۷، ۱۸۸۔

(۲) فائدۂ جلیلہ: أقول وباللّٰہ التوفیق: بلکہ ترک جب تک بمعنٰی کف وباز ماندن واحترازِ قصدی واجتنابِ عمدی نہ لیا جائے، سرے سے افعالِ مکلّفین ہی سے نہیں، نہ زیرِ قدرت بشری داخل، تو اِس میں اتباع کیونکر متصوّر؟! ''أشباہ والنظائر'' میں تعریفِ نیت میں فرمایا: هي في اللغة القصد، وفي الشرع كما في "التلويح": قصد الطاعة والتقرّب إلى اللّٰه تعالى في إيجاد الفعل اهـ [''التلويح''، الركن الأوّل في الكتاب، الباب الأوّل، فصل في أنواع علاقات المجاز، مسئلة لابدّ للمجاز من قرينة، ۱ /۲۰۹ بتصرّف] ولا يرد عليه النيّة في التروك؛ لأنّه لما قدّمناه لا يتقرّب بها إلّا إذا صار الترك كفاً هو فعل، وهو المكلّف به في النهي، لا الترك بمعنى العدم؛ لأنّه ليس داخل تحت قدرة العبد، =

البتہ اجتنابِ جناب واصحاب واحترازِ قصدی کسی فعل سے اس کی کراہت پر دلالت کرتا ہے، بشرطیکہ کوئی اصلِ شرعی خوبی واجازت پر دال، اور کراہت کے سوا کوئی امر ترک پر باعث، اور فعل کا مانع نفس الامر میں متحقق، اور عمل بالرخصۃ وتعلیمِ جواز ورعایتِ حقوقِ نفس وخلق وغیرہا امورِ مذکورہ سابقہ کا احتمال نہ ہو، تو بدُونِ تحقیق وتفتیش اِن امور کی طرف کسی کے کہہ دینے خواہ لکھ دینے سے فعلِ متروک کو مکروہ ٹھہرانا سراسر خلافِ تحقیق ہے، اور جس حالت میں اُن افعال کی (جن کی کراہت کلامِ بعض فقہا میں مصرّح) یہ کیفیت ہے تو تفریعاتِ مخالفین وقیاساتِ مانعین کس شمار میں ہیں؟! خصوصاً جن افعال کا استحباب خواہ جواز اصلِ شرعی سے ثابت، اِنہیں مکروہاتِ

= كما في "التحرير"۔["الأشباه والنظائر"، الفن الأوّل في القواعد الكلية، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها، الأوّل: بيان حقيقتها، صـ۲٤، ملتقطاً]۔

سیدِ عالم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک فعل واقع نہ ہوا، اب جب تک یہ ثابت نہ کرو کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بالقصد اُس سے اجتناب فرمایا، تم اتباع کس طور پر کرو؟ بالقصد اس سے بچوگے؟ یا یوں کہ تمہارا کوئی قصد بچنے کا نہ ہو، مگر فعل تم سے واقع نہو؟ ثانی میں تمہیں کیا دخل جب تمہارے قصد کا قدم درمیان نہیں؟ تو اب فعل کا وجود وعدم محض ارادۂ الٰہیہ پر رہا، تم نے اتباع کاہے میں کیا؟ اور اوّل پر اتباع نہ ہوا ابتداع ہوا؛ کہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے تو بالقصد اُس فعل کا چھوڑنا ثابت نہ تھا، اور تم نے قصداً چھوڑا، تو تم نے وہ کیا جو حضور سے اصلاً ثابت نہ تھا، کیا اسی کو اتباع کہتے ہیں؟! تو ثابت ہوا کہ مجرد ترک پر بالقصد بچنا خود ہی اُس فعل میں پڑنا ہے، جو ہرگز مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ ع

ہمیں اِلزام دیتے تھے قصور اُن کا نکل آیا۔ هكذا ينبغي التحقيق، والله تعالى أعلم وليّ التوفيق۔

حضرت عالمِ اہلِ سنّت مدّ ظلہ ابنِ تاج المحققین سیدنا المصنف العلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

فقہا پر قیاس کرنا نری دانائی ہے۔

بالجملہ مدارِ کار اجتناب واحترازِ قصدی پر ہے، نہ مجرد ترک خواہ عدمِ نقل وعدمِ وجدانِ نقل پر، البتہ اس اجتناب واحتراز کو بعض فقہا نے ترک خواہ عدمِ وقوع وعدمِ نقل وغیرہا سے مسامحۃً تعبیر کیا، لاحقین نے بھی وہی تعبیر برقرار رکھی، جس طرح تمثیلِ عرضی کے ضحک وتعجب کے ساتھ فنِ میزان میں شائع ہوگئی، بعض نے اسی کو حقیقۃً مبنیٰ سمجھ کر احکام بنا کیے کہ محققین نے رد کر دیے، لطف تو یہ ہے کہ متکلمینِ مخالفین بھی اس امر پر متنبہ ہو کر کسی جگہ وجودِ مقتضی وعدمِ موانع کی قید ملحوظ رکھتے ہیں، اور دوسرے مقام پر بھول جاتے ہیں، کاش! ہر جگہ ملحوظ رکھتے تو اکثر موارِدِ نزاع طے ہو جاتے، اور وجہ اضطراب واختلافِ اقوال کی ظاہر نہ ہوتی؛ کہ جس نے فعل کے لیے کوئی اصلِ شرعی اور ترکِ جناب واصحاب کے لیے خارج سے کوئی باعث خواہ اُس وقت فعل کے لیے مانع پایا، فعل کو بحسب مقتضائے اصل خواہ بنظرِ مصالحِ دینیہ جائز یا مستحب یا واجب فرمایا، اور جسے کوئی دلیل ہاتھ نہ آئی اور وہاں ترک کو اجتناب واحترازِ قصدی سمجھا، یا مطلق ترک واجتنابِ قصدی میں فرق نہ کیا، کراہت کا حکم دیا، اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ ایسی جگہ کثرتِ مانعین کے ساتھ بھی حق بجانبِ مجوز ومبیح ہے؛ کہ حکم اس کا دلیل کے ہاتھ آنے اور حکم مانعِ دلیل نہ پانے اور انعدامِ اصل پر مبنی ہے، بلکہ حقیقۃً اختلاف ہی نہیں؛ کہ اگر مانع دلیلِ مجوز پاتا اُس کے ساتھ اتفاق کرتا، تو یہ بیانِ مخالفین (کہ درصورتِ اختلاف احتیاط ترک میں ہے) ایسی جگہ نری مغالطہ دہی ہے، یہ صرف اُسی مقام میں مسلّم ہے کہ طرفین دلائل پیش کریں اور دلیلِ مجوز دلیلِ مانع سے قوی نہ ہو، اور ایک وجہ اختلاف کی ارتفاعِ علت حرج یا حدوث اقتضائے

مصلحت ہے، اور اختلافِ زمان اسی سے عبارت ہے، یہ بھی قاعدۂ مستندۂ مخالفین کے (کہ موردِ اختلاف میں خواہ مخواہ جانبِ منع کو ترجیح ہے) مخالف ومنافی ہے۔

باقی رہا یہ امر کہ مصنفِ ''غایۃ الکلام'' نے اسی مقدمہ میں موردِ قسمت قائلینِ تقسیم کے نزدیک بدعت لغوی یا معنیٰ شرعی قریبِ لغوی یعنی المحدَث بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلّم کو ٹھہرایا ہے، اور اپنی تفسیر کے مفاد کو سب کے نزدیک بدعتِ مذمومہ قرار دے کر یہ دعوی کیا ہے کہ قائلینِ تقسیم بھی بدعتِ حسنہ اسی کو کہتے ہیں جو کسی دلیلِ شرعی سے ثابت ہو، اور منکرینِ تقسیم اُسے سنّت میں داخل کرتے ہیں، تو نزاعِ تقسیم وعدمِ تقسیم میں محض لفظی ہے، اور جو محدَث کسی دلیلِ شرعی سے ثابت نہیں بالاجماع حُسن وخوبی سے خالی ہے۔

اقول وباللہ استعین: معنیٰ مخترعِ مصنف میں ثبوت سے اگر عدمِ تصریحِ جزئیاتِ ہیآتِ مخصوصہ کے ساتھ مراد، تو یہ معنی بالاصالۃ خواہ ضمنِ معنیٰ عام قطعاً منقسم؛ کہ قائلینِ تقسیم صدہا اُمور کی نسبت (کہ کتاب وسنّت میں بخصوصہا مصرّح نہیں) جواز واستحباب کا حکم کرتے ہیں، اور جو عدمِ ثبوت سے عام مراد ہے تو ہرچند یہ معنی قابلِ قسمت نہیں، لیکن اس تقدیر پر امورِ متنازع فیہا مفہومِ بدعت سے خارج، اور اِن کے جواز واستحباب کا اعتراف واجب، اور یہ سب عرق ریزی وجانفشانی (کہ معنیٰ لغوی کو مقسم اور معنیٰ شرعی کو غیر منقسم ٹھہراتے ہیں) بےکار وضائع ہوگئی، فتبصّرا۔

اور عبارتِ تفتازانی وابنِ حجر مکی وملا علی قاری کہ مصنف نے تفسیرِ بدعتِ مذمومہ میں نقل کیں، ان کا بھی مآل ومرجع اسی طرف ہے کہ جو حادث کسی دلیلِ شرع

سے اصلاً ثابت نہ ہو بدعتِ مذمومہ ہے، دیکھو! ابنِ حجر مکی [1] وملا علی قاری خاص عملِ مَولِد کو باوجود اِنعدامِ تصریح مستحب کہتے ہیں، تو وہ کس طرح اُمورِ غیرِ مصرّح کو عموماً بدعتِ سیئہ کہتے؟! ملا علی قاری وابنِ حجر مکی رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول کون سمجھے؟!

جناب مصنف کو اپنی بھی خبر نہیں! خود عدمِ ثبوت وعدمِ نقل کو قرونِ ثلاثہ سے معیار ومدارِ کراہت وگمراہی نہیں ٹھہراتے، بلکہ صاف اقرار کرتے ہیں کہ: ''صرف اس قدر سے کراہت اور بدعتِ ضلالت ہونا ثابت نہیں ہوتا''۔ اور یہ بھی تصریح کرتے ہیں کہ: ''جس کی اصل کتاب وسنّت سے ثابت، کتاب وسنّت سے ملحق''۔ اور اصل کا ثبوت مصنف کے طور پر دو طریق سے ہوتا ہے: یا اس کا اعتبار شرع سے عام طور پر ظاہر ہو جائے، جس طرح معمولاتِ قرنِ صحابہ اور رسم ورواجِ قرنِ تابعین، یا وہ جزئی کسی اصلِ شرعی سے ثابت ہو، جیسے مجتہداتِ مجتہدین، سو کل امورِ متنازع فیہا ایسے ہی ہیں، اور اُن کے لیے دونوں یا ایک طریق سے اصلِ شرعی موجود۔

ہم نے رسالۂ ''اصول الرشاد'' میں بیان کیا ہے کہ: مآل ومرجع اِس اِنعدامِ اصل کا مخالفت ومزاحمت کی طرف ہے، تو اس تقدیر پر معنیٰ دومِ شرعی کا عدمِ انقسام ثابت ہوا، جو ہمیں بھی مسلّم، اور اب بے شک نزاعِ لفظی آپ کی طرف سے قائم ہوئی۔

اسی طرح تفسیرِ بدعت سے کہ نواب صدّیق حسن خان بہادر اپنے رسالہ میں اختیار کرتے ہیں: (''بدعت آنست کہ بعد قرونِ ثلاثہ مشہود لہا بوجود آمد واصلش

---

(1)....۔

از کتاب وسنّت معلوم نشد، وسندش بہ ثبوت نہ پیوستہ چہ ظاہر چہ خفی چہ ملفوظ چہ مستنبط''(۱)۔

اور اُسی رسالہ میں جو چیزیں بالاِ جمال ماذوناتِ شرعیہ میں داخل اور مقاصدِ شرع کے موافق اور اُن کے معین ہیں، گو خصوصیت اُن کی بالتصریح شرع سے ثابت اور صحابۂ کرام سے ماثور نہ ہو، مانند تعمیرِ منارۂ مسجد وتصنیفِ کتب ونظمِ دلائل وغیرہا، اور بحوالہ ''فتح الباری''(۲) و''شرحِ اربعین معین بن صفی'' و''شرحِ ملاّ علی قاری''(۳) و''فوز المبین حاجی رفیع الدین خان مرادآبادی'' وغیرہ، ہر اُس چیز کو جس کے لیے شرع سے اصل ہے، مفہوم بدعتِ شرعی سے خارج ٹھہراتے ہیں، اور خود تفسیرِ بدعت میں نقل کرتے ہیں: والمراد بها ما أحدث وليس له أصل في الشرع سمّي في عرف الشرع بدعة، وما كان له أصل يدلّ عليه الشرع فليس ببدعة، فالبدعة في عرف الشرع مذمومة بخلاف اللّغة۔ ہمارا مدّعا ثابت، تو یہ بحث (کہ موردِ تقسیم بدعتِ لغوی ہے نہ بدعتِ شرعی) ہمارے مقابلے اور اس مناظرے میں محض لاطائل وفضول ہے۔

بالجملہ یہ دونوں متکلم مانعین ہماری طرح امورِ متنازعہ کے حسن واِباحت

---

(۱) "كلمة الحق"۔

(۲) "فتح الباري"، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنّة، باب الاقتداء بسنن...إلخ، تحت ر: ۷۲۷۷، ۱۳/ ۲۸۸ بتصرّف۔

(۳) "المبين المعين لفهم الأربعين"، تحت الحديث الخامس، صـ٦٦۔

کے معترف ہوگئے، اور سوا اس کے کہ اصل کا دریافت کرنا، اور ایسے حوادث ووقائع میں کتاب وسنّت سے استنادِ مجتہدین کے سوا دوسروں کو بھی پہنچتا ہے یا نہیں، کچھ نزاع نہ رہی، سو یہ امر بھی ہمارے رسالہ ''اصول الرشاد'' میں بخوبی طے ہوگیا ہے، اور اس مقدّمہ میں بھی بالاِجمال بیان کیا ہے، قطع نظر اس سے، یہ دوسری بحث ہے، مقسم میں کلامِ مقام سے اجنبی اور بلا ریب لایعنی۔

ایک اور لطیفہ سنیے! جو تعریفیں علما سے نقل کیں ان میں تحدیدِ زمانی کا اصلاً پتا نہیں، اور نہ فی الواقع تحدیدِ زمانی اور وجود (خواہ عدمِ فعل کسی زمانے میں) اس میں دخل رکھتا ہے، بلکہ اخذ اُس کا تعریف میں خلل کرتا ہے، ولہٰذا تعریف ذاتِ شریف کی مانع نہ رہی، اور مذہبِ رفض وخروج وقدر وغیرہا (کہ اُسی زمانے میں پیدا ہوئے) بدعت سے خارج ہوگئے۔ کیا نواب صاحب بہادر اِن باطل فرقوں کو اہلِ اَہوا وبدعت سے نہیں سمجھتے؟!

ایک اور تماشا ہے! یہ فرقِ باطلہ تو باعتبارِ تعریف کے بدعتی نہ ٹھہرے، اور فرقۂ وہابیہ ضرور بدعتی قرار پایا، جس کا وجود قرونِ ثلاثہ میں نہ تھا، نہ اُن کے عقائد کتاب وسنّت میں مصرَّح، نہ کوئی سند ظاہر خفی ملفوظ مستنبط اُن کے لیے شرع سے ثابت ہو سکے؛ کہ حضراتِ وہابیہ کے نزدیک اِدراکِ اصل وسند مخصوص بمجتہدین ہے، اور بانیانِ مذہب سے لے کر اب تک اِن صاحبوں کے لیے مرتبۂ اجتہاد کسی دلیل سے کہیں ثابت نہ ہوا، اس تعریف کا کیا کہنا ہے کہ معرَّف کا گھر ڈھاتی ہے، مخالف کو مدد پہنچاتی ہے!۔

ثانیاً: نواب صاحب حافظ ابن حجر عسقلانی اور ملا علی قاری کو صرف بدعتِ لغوی کی تقسیم اور بدعتِ شرعی کی علی العموم ضلالت ہونے کا قائل بتاتے ہیں، اور کچھ

خبر نہیں کہ یہ دونوں فاضل اجل کس شدومد کے ساتھ مَولِد کو مستحسن فرماتے ہیں! تو وہ اگر کسی ایسے معنیٔ شرعی کو جس سے مسائلِ متنازع فیہا خارج رہیں عموماً سیئہ وضلالت فرمادیں، نواب صاحب کو کیا مفید؟! اور ہمیں کب مضر ہے؟! اور مولوی رفیع الدین خان مرادآبادی نے تو خاص بیانِ مَولِد میں ایک رسالہ بزبانِ فارسی لکھا ہے، اور ملک کٹھیر میں اس عملِ مقدّس نے اُن کی وجہ سے زیادہ رواج پایا ہے۔

ثالثاً: ملا علی قاری فرماتے ہیں: أصل البدعة ما أحدث على غير مثال سابق، ويطلق على ما يقابل السنّة، أي: ما لم يكن في عهد رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم، ثمّ ينقسم إلى الأحكام الخمسة كذا ذكره الحافظ السيوطي "[1]۔

دیکھو! معنیٔ شرعی بالتصریح بیان کرکے اُس کی تقسیم کی، باوجوداس کے اُنہیں تقسیمِ بدعتِ لغوی کا قائل ٹھہرانا کس درجہ خوش فہمی ہے! اور ما لم يكن في عهد رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم کو بدعتِ لغوی ٹھہرانا اور ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾[2]، ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ِابْتَدَعُوْهَا﴾[3] سے آنکھ بند کرلینا، اس سے زیادہ عجیب! پھر دوسرے وقت اُسی معنیٰ کو قریب بمعنیٰ لغوی کہتے ہیں، اضطرابِ بیان کی کچھ حد ہے؟! اور جب کیفیتِ رسالہ "کلمۃ الحق" ومقدّمہ

---

(۱) "مرقاة المفاتيح"، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنّة، ۱/ ۳۶۸۔

(۲) پ۱، البقرة: ۱۱۷۔

(۳) پ۲۷، الحديد: ۲۷۔

''غایۃ الکلام'' ظاہر ہوگئی تو سب تقریر ''ایضاح الحق'' میاں اسماعیل دہلوی کی بھی بعنایتِ الٰہی دفع ہوئی؛ کہ اصل ان کی وہی ہے، بلکہ مصنفِ ''غایۃ'' نے اس مضمون کے ساتھ کسی قدر تلمیع اور رنگ آمیزی زیادہ کی ہے، اور کل تقریریں حضراتِ وہابیہ کی (کہ آج تک اس باب میں سنی، دیکھی ہیں) باطل ہوگئیں؛ کہ انہیں تقریروں سے ماخوذ ہیں، اور جس عامی نے اِن کی سوا کچھ اپنی طرف سے کہا ہے اصلاً قابلِ التفاتِ علما نہیں، پس یہ مقدّمہ واسطے تحقیقِ بدعت اور اِبطالِ جملہ خرافات وہذیاناتِ وہابیہ کے کافی ہے، اور اُن کے اِبطال سے بعنایتِ الٰہی نصف وہابیت باطل ہوتی ہے، بلکہ نصف سے زیادہ؛ کہ معانی مخترعہ بدعت پر مبنی ہے، ولذلك أطنبنا الكلام في هذا المقام، ولله الحمد والمنّة على ما هدينا إلى حقيقة المرام، والصّلاة والسّلام على نبيّنا وآله وأصحابه هداة الأنام ۔

بابِ اوّل اِثباتِ مجلسِ ملائک اِنس میں

ہم نے رسالہ ''اُصول الرشاد'' کے قاعدۂ دوم میں عقلاً ونقلاً ہر طرح ثابت کر دیا ہے کہ: مجموع امورِ مستحسنہ کا مستحسن ہوتا ہے؛ کہ جس طرح مجموع اسود و اسود کا اسود، اور ابیض و ابیض کا ابیض ہی رہتا ہے، اسی طرح وہ امرِ حسن کے اجتماع سے کوئی حکم منافی حکمِ آحاد کے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ حسن اُس کا حسن ہر واحد سے زیادہ ہو جاتا ہے، جیسے بالوں کی رسی ہر بال سے زیادہ قوت رکھتی ہے، اور بڑی جماعت کی خبر باوجود ظنّیتِ آحاد کے مفیدِ یقین ہو جاتی ہے۔

اب صرف یہ امر قابلِ لحاظ ہے کہ محفلِ مَولِد کیسے اُمور پر مشتمل ہے، اور حکم

ان کا کیا ہے؟ سو حقیقت اس کی یہ ہے کہ ایک شخص یا چند آدمی شریک ہو کر بخلوصِ عقیدت ومحبت حضرتِ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ ولادتِ اقدس کی خوشی، اور اس نعمتِ عظمیٰ اعظم نعم الٰہیہ کے شکر میں ذکر شریف کے لیے مجلس منعقد کریں، اور حالاتِ ولادت باسعادت، ورضاعت وکیفیتِ نزولِ وحی، وحصولِ مرتبۂ رسالت، واحوالِ معراج وہجرت، وارہاصات ومعجزات واخلاق وعاداتِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور حضور کی بڑائی اور عظمت کہ خدائے تعالیٰ نے عنایت فرمائی، اور حضور کی تعظیم وتوقیر کی تاکید، اور وہ خاص معاملات وفضائل وکمالات جن سے حضرت احدیت جلّ جلالہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخصوص اور تمام مخلوق سے ممتاز فرمایا، اور اسی قسم کے حالات وواقعاتِ احادیث وآثارِ صحابہ وکتبِ معتبرہ سے مجمع میں بیان کیے جائیں، اور اثنائے بیان میں کتاب خواں وواعظ درود پڑھتا جائے، اور سامعین وحاضرین بھی درود پڑھیں، بعد ازاں ما حضر تقسیم کریں، یہ سب امور مستحسن ومندوب ہیں، اور ان کی خوبی دلائلِ قاطعہ وبراہینِ ساطعہ سے ثابت۔

پہلی دلیل صرف کلامِ ربانی وآیاتِ قرآنی سے ماخوذ ومستفاد: قال اللہ العليّ الجوّاد: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ﴾ (۱)، بیشک اللہ عزوجل نے احسان کیا ایمان والوں پر کہ بھیجا اُن میں رسول اُنہیں میں سے، کہ پڑھتا ہے اُن پر اُس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اُنہیں اور

---

(۱) پ ٤، آل عمران: ١٦٤۔

سکھاتا ہے کتاب وحکمت، اگرچہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اورارشاد ہوتا ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ [1] اور نہ بھیجا ہم نے تمہیں مگر رحمت سارے جہاں کے لیے۔

اور فرماتا ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [2] یعنی خدا کی کیسی بڑی مہربانی سے تو اُن کے لیے نرم ہوا اور جو درشت خوسخت دل ہوتا تو وہ تیرے گرد سے پریشان ہوجاتے۔

اور ارشاد ہوا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ [3]، یعنی اللہ تعالیٰ اُن پر عذاب نہ کریگا جب تک تو اُن میں ہے۔

اور ارشاد ہوتا ہے: ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ [4]، حاصل یہ کہ تحقیق تمہارے پاس ایک رسول آیا جس پر تمہارا مشقت میں پڑنا ناگوار ہے، تمہاری بھلائی پر حریص ہے، مسلمانوں پر مہربان ہے مہربان۔

اور فرماتا ہے: ﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ

---

(۱) پ ۱۷، الأنبياء: ۱۰۷۔

(۲) پ ٤، آل عمران: ۱٥۹۔

(۳) پ ۹، الأنفال: ۳۳۔

(۴) پ ۱۱، التوبة: ۱۲۸۔

﴿الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ [1]، یعنی وہ نبی اُنہیں اچھے کام کا حکم دیتا ہے، اور بُرے کام سے منع کرتا ہے، اور پاک چیزیں اُن کے لیے حلال اور ناپاک چیزیں اُن پر حرام فرماتا، اور اُن سے اُن کے بوجھ اور طوق کہ اُن پر تھے اُتارتا ہے۔

ان آیات اور ان کے اَمثال سے آفتابِ نیم روز کی طرح ظاہر کہ وجودِ باجود حضور پُر نور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بہت بڑی نعمت اور ہمارے حق میں سراسر رحمت ہے، اور کون نعمت اس سے زیادہ ہوگی کہ اُن کے سبب کفر و شرک سے بچے، دینِ حق و صراطِ مستقیم سے واقف ہوئے، بہشت ہاتھ آئی، دوزخ سے نجات پائی، اِجماع ہمارا حجت جُدا، مرتبہ ہمارا اگلی امتوں سے بڑھ گیا، بے شمار فضیلتیں، بے انتہاء خوبیاں، اور دِین میں برکتیں شریعت میں آسانیاں ہمارے لیے خاص ہوئیں؛ کہ اگلی امتوں کو نہ ملیں، یہاں تک کہ نعمتِ الٰہی ہم پر تمام ہوئی، اور ہمارے دِین میں کسی طرح کی تنگی نہ رہی، اور ہر نعمت کا تذکرہ وتحدیث بحکم [2]: ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ [3] مامور بہ۔

تو شکلِ اوّل سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ولادتِ باسعادت کا تذکرہ اور

---

(۱) پ۹، الأعراف: ۱۵۷۔

(۲) دوسری آیت میں ارشاد ہوا: ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِأَيَّامِ اللّٰهِ﴾ [پ۱۳، إبراهيم: ۵] انہیں یاد دلاؤ خدا کے دن!۔ اور اللہ کے دنوں میں کون سا دن اعظم ہے روزِ ولادتِ اقدس سے جس کے صدقے میں سب دن ہوئے؟! تو اس دن کا مسلمانوں میں ذکر کرنا نصِ قرآن سے مامور بہ ہے، یہ دوسری مستقل دلیل کلامِ جلیل سے ہے۔ عالمِ اہلسنّت دامت فیوضہٗ۔

(۳) پ۳۰، الضحى: ۱۱۔

مسلمانوں کو اس کا بیان سنانا مامور بہ ہے، اور امر اس جگہ لا اقل ندب و استحباب کے لیے ہے، تو ذکرِ ولادتِ باسعادت کا استحباب خدا کی کتاب سے بشکل بدیہی الاِنتاج ثابت ہوا، اور جو مانعین باوجود تصریح ''تفسیرِ مدارک'' وغیرہ کے والصحیح [1] أنّها تعمّ جمیع نعم الله [2] اس جگہ عموم وکلیتِ کبریٰ میں کلام کریں گے، اور نعمت کو خاص مذکورات میں منحصر ٹھہرا دیں گے، تاہم ہمارے اصل مدّعا میں کچھ حرج لازم نہ آئے گا؛ کہ تحدیثِ مذکورات اُنہیں اَذکارِ شریفہ سے ہے کہ مجلسِ مَولِد میں بیان ہوتی ہیں، اور ماحضر محتاجوں کو دینا تصدّق اور اَغنیاء کو ہدیہ ہے، پہلے امر کی خوبی تو قرآنِ مجید کی اکثر آیات میں صریح وارد، اور [3] دوسرا بمقتضائے.................

---

(۱) بلکہ بیہقی نے ''شُعب الایمان'' میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((التحدّث بنعمة الله شکر، وترکها کفر)) ["شعب الایمان"، باب في ردّ السّلام، ر: ۹۱۱۹، ٦ / ۳۰۲۱ بتغیّر] اللہ عزّ وجل کی نعمت کو بیان کرنا شکر ہے اور اُسکا ترک کفر ہے۔ عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ العالی۔

(۲) "مدارك التنزيل"، الضحی: ۱۱، ۲ / ۸۱۵۔

(۳) اقول: بلکہ اغنیاء کو دینا بھی ایک نوع صدقہ وحسنہ ہے، اگرچہ محتاج پر تصدّق افضل واعلیٰ ہے، ''بحر الرائق'' ["البحر الرائق"، کتاب الوقف، تحت قول "الکنز": حبس العين علی ملك...إلخ، ٥ /۳۱۳ بتغیّر] پھر ''ردّ المحتار'' میں ہے: الصدقة تکون علی الأغنياء أيضاً وإن کانت مجازاً عن الهبة عند بعضهم، وصرّح في "الذخيرة" بأنّ في التصدّق علی الغني نوع قربة دون قربة الفقير۔ ["ردّ المحتار"، کتاب الوقف، مطلب: لو وقف علی الأغنياء...إلخ، تحت قول "الدرّ": ولو في الجملة، ۱۳/ ۳۷۳]۔ عالمِ اہلسنّت دامت برکاتہ۔

((تہادوا[1] تحابوا))[2] اور بحکمِ تجربہ باعثِ موافقت، اور موافقت عقلاً اور بمنطوق ﴿رُحَمَآءُ بَیۡنَهُمۡ﴾[3] وغیرہا آیات محمود، تو اُسی شکل سے نتیجہ نکلتا ہے کہ

---

(۱) یہ حدیث ابویعلی["مسند أبي يعلى"، مسند أبي هريرة، ر: ٦١٤١، ٤ /٤٦٥] وابنِ عساکر["تاريخ دمشق"، باب موسى بن وردان أبو عمرو القريشي، ٦١ /٢٢٥] نے بسندِ جید حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، اور ابنِ عساکر کی حدیث میں ام المؤمنین صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((تهادوا تزدادوا حبّاً)) ["تاريخ دمشق"، باب عبيد الله بن العيزار المازني، ٣٨/ ٨٠] ، ایک دوسرے کو ہدیہ دو، آپس میں محبت بڑھے گی۔ "معجمِ کبیر طبرانی" میں ام حکیم بنت وداع رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((تهادوا، فإنّ الهدية تضعف الحبّ)) ["المعجم الكبير" للطبراني، أمّ حكيم بن وداع الخزاعية، ر: ٣٩٣، ٢٥ / ١٦٣]، باہم ہدیہ دو؛ کہ ہدیہ محبت کو دو چند کرتا ہے۔ احمد وترمذی کی روایت میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے: ((تهادوا، فإنّ الهدية تُذهب وحر الصدر)) ["جامع الترمذي"، أبواب الولاء والهبة...إلخ، باب في حثّ النبي...إلخ، ر: ٢١٣٠، صـ٤٨٩، و"المسند"، مسند أبي هريرة، ر: ٩٢٦١، ٣ /٣٧١]، آپس میں ہدیہ دو؛ کہ ہدیہ سینہ سے کینہ کو دُور کرتا ہے۔ یہی مضمون بیہقی نے "شُعب الایمان" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا["شعب الإيمان"، باب في مقاربة أهل الدين وموادتهم وإفشاء السّلام بينهم، ر: ٨٩٧٧، ٦/٢٩٨٣]۔ عالمِ اہلسنّت دامت فیوضہ۔

(۲) "الأدب المفرَد"، باب قبول الهدية، ر: ٦٠٥، صـ١٣٥۔

(۳) پ٢٦، الفتح: ٢٩۔

ہدیہ دینا تحصیلِ موافقت ہے، اور تحصیلِ موافقت مقبول ومندوب، تو ہدیہ دینا مقبول ومندوب، وھو المطلوب۔

اور درود وسلام کا مطلوب ومامور بہ ہونا تو نصِ قاطع سے ثابت، اور اُس کے حسن وخوبی پر اِجماعِ امت ہے، اور اِن عمدہ اور مستحب کاموں کے لیے جمع ہونا اور جمع کرنا خیر کی طرف جانا اور خیر کی طرف بلانا ہے، بلکہ تحدیث تنہائی میں متصوّر نہیں، اور جس قدر اجتماع زیادہ تحدیث زیادہ، اور اجتماع تداعی اور تعیینِ یوم ووقت سے ہوتا ہے، تو تداعی اور اسی طرح تعین وغیرہ تکمیلِ مامور بہ میں مداخلت رکھتے ہیں، تو وہ بھی تحدیث کی طرح مستحب اور مندوب ہیں؛ کہ وسائل حسن وقبح میں مقاصد کے تابع ہوتے ہیں، اور تجربہ کامل شاہدِ عادل کہ بہت لوگ جن کے اکثر اوقات معاصی وفضولیات میں ضائع وبرباد ہوتے ہیں، مجلسِ مَولِد میں حاضر ہوکر درود وسلام کی کثرت کرتے ہیں، تو یہ مجلس کرنا اور اِس نیت سے لوگوں کو بلانا، بالبداہۃ خیر کی طرف دعوت اور شر سے روکنا ہے، جس کی تاکید وترغیب کلامِ الٰہی میں جابجا ہے۔

اور کریمہ: ﴿وَمَآ أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ﴾ [1] میں حضور کا تمام عالم کے لیے رحمتِ الٰہی ہونا مصرَّح، دوسری آیت سراپا بشارت میں فرماتا ہے: ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا﴾ [2]، یعنی اے نبی! اُنہیں

(۱) پ ۱۷، الأنبياء: ۱۰۷۔

(۲) پ ۱۱، یونس: ۵۸۔

حکم دے کہ اللہ کے فضل اور اُس کی رحمت ہی پر خوشی کریں۔ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ بالبداہۃ حاصل کہ وجودِ باجود حضرتِ رسالت اور خدا کی اس بڑی نعمت پر خوشی کرنا مطلوبِ شارع، اور لا اقل مستحسن اور اچھا ہے، سوا[1] اس کے تذکرۂ نعمت عقلاً مستلزم ِسرور و فرحت ہے، اور مولوی اسحاق صاحب کو بھی خاص ما نحن فیہ میں اس امر کا اعتراف ہے، ''مأ ۃ مسائل'' میں لکھتے ہیں: ''زیرا کہ در مولد شریف ذکرِ ولادتِ حضرت خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ست وان موجبِ سرور ست''[2]۔

اور عقل و نقل حاکم کہ: الشيء إذا ثبت ثبت بحميع لوازمه، بلکہ گویا یہ فرحت وقتِ ذکرِ ولادت امورِ طبعیّہ اہلِ اسلام سے، جس میں قصد و اختیار کو مدخل باقی نہ رہا، اور تخصیص ماہِ ربیع الاوّل اس مجلس کے ساتھ اصلِ مَولِد میں دخل نہیں رکھتی، نہ اہلِ مولد کو اس کا التزام، بلکہ ہر مہینے میں مجالس ہوتی ہیں، البتہ ماہِ مبارک

---

(۱) اعلیٰ حضرت تاج المحققین قدّس سرّہ یہاں جزئیات موجودہ فی المجلس کو فرداً فرداً اِثبات فرما رہے ہیں، اُنہیں میں سے سرور و فرحت ہے، جس پر ایک دلیلِ قطعی آیۂ کریمہ سے ارشاد ہوئی، یہ دوسری دلیل عقلی ہے، اور ممکن کہ اسی آیتِ فرحت کو تیسری مستقل دلیل اِثباتِ مجلسِ مبارک قرار دیجیے؛ کہ ہمیں قرآن رحمتِ الٰہی پر خوشی منانے کا حکم دیتا، اور مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خود رحمتِ الٰہی بتاتا ہے، تو اُن کی ولادتِ پاک کی خوشی منانا، شادی رچانا مطلوبِ قرآن ہے، اور مجلسِ میلادِ مبارک اسی مجلسِ شادی کا نام ہے۔

حضرت عالمِ اہلسنّت ابن المصنّف العلّام قدّس سرّہ۔

(۲) "مأۃ مسائل"۔

اس عملِ متبرّک سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے، سو اس قدر قرآن سے ثابت ہوسکتا ہے، کریمہ: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾... [1] الآیۃ میں ماہِ رمضان کی ظرفیت روزہ کے لیے نزولِ قرآن پر حرف ''فا'' کے ساتھ مرتّب فرمائی، اور نیز قاعدہ مسلّمہ ہے کہ صلہ موصول میں معنیٔ تعلیل مفہوم ہوتے ہیں، امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ تعالیٰ ''تفسیر کبیر'' میں تصریح فرماتے ہیں: قوله تعالى: ﴿أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ [2] علتِ تخصیص کا بیان ہے، یعنی نزولِ قرآن ماہِ رمضان میں اس ماہِ مبارک کو روزہ کے ساتھ خاص کرنے کے لیے علت ہے، اور صوم و نزولِ قرآن میں مناسبت بیان کر کے لکھتے ہیں: جب یہ مہینہ قرآن کے نزول سے مختص ہوا تو اُس کا اختصاص روزہ کے ساتھ مقتضائے حکمت ہے، عبارته هكذا: إنّه تعالى لمّا خصّ هذا الشهر لهذه العبادة بين العلّة لهذا التخصيص، وذلك هو أنّ الله سبحانه خصّه بأعظم آيات الربويّة، وهو أنّه أنزل فيه القرآن، فلا يبعد تخصيصه بنوع عظيم من آيات العبوديّة، وهو الصوم، وممّا يتحقّق ذلك أنّ الأنوار الصمدية -إلى أن قال:- فثبت أنّ بين الصوم وبين نزول القرآن مناسبة عظيمة، فلمّا كان هذا الشهر مختصّاً بنزول القرآن، وجب أن يكون مختصّاً بالصوم [3]۔

---

(۱) پ۲، البقرة: ۱۸۵۔

(۲) پ۲، البقرة: ۱۸۵۔

(۳) "التفسير الكبير"، البقرة، تحت الآية: ۱۸۵، ۲/ ۲۵۱، ۲۵۲ ملتقطاً۔

پس آیت سے باشارۃ النص ثابت کہ نزولِ قرآن موجبِ تعیین وتخصیصِ رمضان ہے، اور یہ علت ماہِ ربیع الاوّل میں بھی موجود؛ کہ ماہِ ولادت حضرتِ رسالت ہے، تو اُسے بھی کسی اچھے کام کے ساتھ جو نعمتِ ولادت سے مناسب ہو خاص کرنا لائق وبجا ہے، اور مناسب تر اس سے ذکرِ ولادت باسعادت، اور اُس پر سرور وفرحت ہے، اور قیامِ مَولِد بغرضِ تعظیم وتوقیر عمل میں لاتے ہیں، اور ہر تعظیم وتوقیرِ حضور بنصِ قرآن مستحب ومندوب، صغریٰ اس قیاس کا بدیہی ہے، ہر بچہ بھی جانتا ہے کہ یہ فعل تعظیمی ہے، اور بقصدِ تعظیم ہی کیا جاتا ہے، اور اسی غرض کے لیے حرمینِ شریفین ودیگر بلادِ دارالاسلام میں رائج ومعمول ہے، اور علمائے اہل سنّت وفضلائے ملت نے پسند ومقبول کیا ہے، اور کلیتِ کبریٰ اس وجہ سے کہ آیت سراسر ہدایت: ﴿عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ﴾(۱)، وکریمہ: ﴿لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ﴾(۲) وغیرہا آیات کہ تعظیم وتوقیرِ سرورِ کائنات پر دلالت کرتی ہیں، کسی ہیئت ووقت کے ساتھ مخصوص نہیں، تو مفادِ آیات عام رہے گا، اور ہر فعلِ تعظیمی کہ بغرضِ تعظیمِ نبوی عمل میں آئے، اُس کا فرد، اور اُس کے تحت وحکم میں داخل ہو کر بحالتِ عدمِ مزاحمت وممانعتِ شرع شریف مستحب ومستحسن ٹھہرے گا، وسيجيء لهذا الوجه زيادة تحقيق ومزيد تفصيل، والله يهدي مَن يشاء إلى سواء السبيل ۔

دوسری دلیل صرف مضامینِ احادیث سے مرکّب وماخوذ ہے:

---

(۱) پ ۹، الأعراف: ۱۵۷۔

(۲) پ ۲٦، الفتح: ۹۔

أخرج البخاري ـ رحمه اللّٰه تعالى ـ في "صحيحه" عن عائشة ـ رضي اللّٰه تعالى عنها ـ قالت:

كان رسول اللّٰه ـ صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم ـ يضع لحسّان بن ثابت منبراً في المسجد يقوم عليه قائماً يفاخر عن رسول اللّٰه ـ صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم ـ أو ينافح، ويقول رسول اللّٰه صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم: ((إنّ اللّٰه تعالى يؤيّد حسّان بروح القدس ما نافح أو فاخر عن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم)) [1]۔

یعنی حضورِ والا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے مسجدِ نبوی میں منبر رکھتے، وہ اُس پر کھڑے ہو کر حضور کی جانب سے مفاخرت و مدافعت کرتے، اور حضور فرماتے: ''بیشک اللہ تعالیٰ حسّان کی مدد جبریل سے فرماتا ہے جب تک وہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے مدافعت یا مفاخرت کرتا ہے''۔

اس صحیح حدیث میں خود حضور کا اپنے ذکرِ جمیل کے لیے مجلس کرنا، اور حسّان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے منبر رکھنا، اور اُن کا سرِ منبر کھڑے ہو کر حضور کے مَحامد ومَناقب بیان کرنا، اور دشمنوں کو حضور کی طرف سے جواب دینا، اور شعرائے کفّار کے مَطاعِن حضور سے دفع کرنا، اور خود بدولت کا اُس مجلس میں تشریف رکھنا، اور قصائدِ حسّان کا سننا اور خوش ہونا، اور اُنھیں خدا کی عنایت اور جبریلِ امین کی تائید

---

(١) انظر: "المستدرَك"، كتاب معرفة الصحابة، ذكر مناقب حسان...إلخ، ر: ٦٠٥٨، ٦/ ٢١٩٢۔

واِعانت کے ساتھ بشارت دینا بتصریح مذکور، اور تشکیکِ مانعین کہ: ''جب راوی نے شک کیا تو بیان مَحامد وفضائل کب ثابت ہوا؟! قطع نظر اس سے کہ مُدافعت ومُخاصَمت حضور کی جانب سے مدحت کو متضمّن'' خود بنظر (۱) واقع مدفوع؛ کہ بعض اَشعار اُن کے دونوں امر یعنی مباہات ومفاخَرت اور مُدافَعت ومُخاصَمت پر مشتمل، اور بعض صرف نعت میں ہیں، کما قال: ؎

هجوتَ محمّداً برّاً تقيّاً رسول الله شيمته الوفاء

وقال الله: قد أرسلتُ عبداً يقول الحقّ: ليس به خفاء (۲)

اور حدیثِ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں جسے ترمذی (۳) ودارمی (۴) نے روایت کیا: جلس ناس من أصحاب رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم، فخرج حتّى إذا دنا منهم سمعهم يتذاكرون، قال بعضهم: إنّ الله اتّخذ إبراهيم خليلاً... إلخ (۵)۔

---

(۱) تو انصافاً تردید بوجہِ تردّد نہیں، بلکہ بروجہِ تنویع ہے۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہٗ۔

(۲) "ديوان حسّان بن ثابت الأنصاري"، قافية الألف، صـ٦٤، و٦٢ بتصرّف۔

(۳) "جامع الترمذي"، أبواب المناقب، باب سلوا الله لي الوسيلةَ، ر: ٣٦١٦، صـ٨٢٤۔

(۴) "سنن الدارمي"، المقدّمة، باب ما أعطي النّبي ﷺ من الفضل، ر: ٤٧، ٣٩/١ بتصرّف۔

(۵) تمام الحديث: وقال آخر: موسى كلّمه تكليماً، وقال آخر: فعيسى كلمة الله وروحه، وقال آخر: آدم اصطفاه الله، فخرج عليهم رسول الله صلّى الله تعالى =

= عليه وسلّم، وقال: ((قد سمعت كلامكم وعجبكم إنّ إبراهيم خليل اللّٰه وهو كذلك، وموسى نجيّ اللّٰه وهو كذلك، وعيسى روحه وكلمته وهو كذلك، وآدم اصطفاه اللّٰه وهو كذلك، ألا! وأنا حبيب اللّٰه ولا فخر، وأنا حامل لواء الحمد يوم القيامة تحته آدم فمَن دونه ولا فخر، وأنا أوّل شافع وأوّل مشفّع يوم القيامة ولا فخر، وأنا أوّل مَن يحرّك حلق الجنّة فيفتح اللّٰه لي فيدخلنيها ومعي فقراء المؤمنين ولا فخر، وأنا أكرم الأوّلين والآخرين على اللّٰه ولا فخر)) ["جامع الترمذي"، كتاب المناقب، باب سلوا اللّٰه لي الوسيلة، ر: ٣٦١٦، صـ٨٢٤ بتصرّف]۔

یعنی صحابۂ کرام ایک مجلس میں جمع تھے، سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، جب نزدیک آئے سنا کہ باہم انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر کر رہے ہیں، ایک نے کہا: اللہ نے ابراہیم کو اپنا خلیل کیا، دوسرا بولا: موسیٰ سے کلام فرمایا، تیسرے نے کہا: تو عیسیٰ کلمۃ اللہ وروح اللہ ہیں، چوتھا بولا: آدم خدا کے برگزیدہ ہیں، اب حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُن پر جلوہ فرما ہوئے اور ارشاد کیا: ''میں نے تمہاری باتیں اور تمہارے تعجب سنے کہ ابراہیم خدا کے خالص پیارے ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور موسیٰ نے خدا سے سرگوشیاں فرمائیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور عیسیٰ روح اللہ وکلمۃ اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، اور آدم صفی اللہ ہیں اور وہ ایسے ہی ہیں، سنتے ہو! اور میں اللہ کا محبوب ہوں اور کچھ فخر نہیں، قیامت میں لواء الحمد کا صاحب میں ہوں جس کے نیچے آدم وجملہ انبیاء ہوں گے اور کچھ فخر نہیں، روزِ قیامت سب سے پہلے میں شفاعت کروں گا اور سب سے پہلے میری شفاعت قبول ہوگی اور کچھ فخر نہیں، سب سے پہلے دروازۂ جنّت کی زنجیریں میں ہلاؤں گا، اللہ عزّ وجل میرے لیے دروازہ کھول کر مجھے اندر لے گا، اور میرے ساتھ فقیر مسلمان ہوں گے اور کچھ فخر نہیں، اور خلاصہ یہ کہ اللہ عزّ وجل کی بارگاہِ عزّت میں تمام اگلوں پچھلوں سے میرا مرتبہ، میری عزّت بلند وبالا ہے اور کچھ فخر نہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

صحابۂ کرام کا مجلس میں جمع ہوکر انبیائے کرام کے فضائل ذکر کرنا، اور حضورِ والا کا مجلسِ صحابہ میں اپنے مَحامدِ جلیلہ وفضائلِ فخیمہ بیان فرمانا کس تصریح سے موجود! اور اس مضمون کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ ہمارے فضائل ومَحامد پر تو نظر کرو! انبیائے سابقین کا ذکر کرتے ہو! خوب ہے، مگر ہمارے ذکرِ اقدس سے (کہ اُن سب میں سید الاذکار ہے) غافل نہ ہو(1)!

اور اجتماع بتقریبِ ولیمہ وعیدَین ودعوتِ مسلمانان قرونِ ثلاثہ میں رائج، اور شرع شریف سے ثابت ہے، اور مجلس واسطے درس وتذکرۂ علم کے خود حضور سے

---

(۱) حدیثِ جلیل ابنِ عساکر حضرت کعب اَحبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: اللہ عزّ وجل نے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو عصا بقدرِ شمار جملہ انبیاء بھیجے، آدم علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سیدنا شیث علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا: اے فرزند! تو میرے بعد خلیفہ ہوگا، انہیں لے اور تقویٰ وعروہ وثقی آباد رکھنا، وكلّما ذكرتَ اللّٰه فاذكر إلى جنبه اسم محمّد، اور جب کبھی اللہ کی یاد کرے اس کے برابر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد کرنا؛ کہ میں نے اُن کا نام ساقِ عرش پر لکھا دیکھا جب میں روح اور مٹی کے بیچ میں تھا، پھر میں سب آسمانوں میں پھرا کسی آسمان میں کوئی مقام ایسا نہ پایا جس پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامِ پاک نہ لکھا ہو، اور میرے رب نے مجھے جنّت میں بسایا تو میں نے جنّت میں کوئی محل، کوئی بالاخانہ نہ دیکھا جس پر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نامِ پاک نہ ہو، اور بیشک میں نے یہ نامِ پاک حوروں کے سینوں، اور درختانِ جنّت کے پتوں، اور طوبیٰ کے پتوں، اور سدرہ کے پتوں، اور پردوں کے کناروں، اور ملائکہ کی آنکھوں پر لکھا دیکھا، فأكثر ذكره؛ فإنّ الملائكة ذكره في كلّ ساعاتها ["تاريخ دمشق"، ذكر من اسمه شيث، الترجمة: ۲۷۸۱، ر: ۵۰۶۱، ۲۳ /۲۸۱]، تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر بکثرت کر؛ کہ ملائکہ ہر گھڑی ہر ساعت اُن کا ذکر کرتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

ثابت، اور قرونِ ثلاثہ و مَن بعدھم میں برابر رائج و معمول بہ ہے، بلکہ تذکرۂ علم کے لیے حلقہ بھی آیا ہے[1] كما في "البخاري": ((أمّا أحدهما فرأى فرجة في حلقة فجلس فيها)) [2]۔ اور خود حضور کا مجمع و مجلسِ اصحاب میں منبر پر ذاتِ والا کی فضیلت وخوبی، اور اپنے نسب کی بزرگی اور بڑائی بیان کرنا حضرت عباس بن عبدالمطلب کی حدیث میں براویتِ ترمذی وارد، اور صدہا روایاتِ معتبرہ واحادیثِ معتمدہ اس امر کی شاہد کہ حضور نے اپنے فضائل وکمالات جلسۂ عام میں، اور بدُون اس کے اِجمالاً اور تفصیلاً بیان فرمائے۔

اور ''قصیدہ بانت سعادُ'' کا (کہ نعت شریف میں ہے) مجلسِ اقدس میں

---

(۱) اور حلقۂ ذکر بھی حدیثِ صحیح میں ہے کہ فرمایا: ((إذا مررتم برياض الجنّة فارتعوا)) "جب تم جنّت کی کیاریوں پر گزرو تو اُن میں چرو!'' صحابہ نے عرض کی: وہ کیاریاں کیا ہیں؟ فرمایا: ((حلق أهل الذكر)) ''ذکر کے حلقے''، رواه أحمد ["المسند"، مسند أنس بن مالك بن النضر، ر: ١٢٥٢٥، ٤ /٣٠٢] والترمذي ["جامع الترمذي"، أبواب الدعوات، باب [حديث في أسماء الله...إلخ]، ر: ٣٥١، صـ ٨٠٠] والبيهقي في "الشعب" عن أنس رضي الله تعالى عنه ["شعب الإيمان"، باب في محبّة الله عزّ وجل، ر: ٥٢٩، ١ /٣٤٢] ۔ دوسری حدیث میں ہے: فرمایا: ((مجالس العلم))، ''وہ کیاریاں علم کی مجلسیں ہیں''، رواه الطبراني في "الكبير" عن ابن عبّاس رضي الله تعالى عنهما ["المعجم الكبير"، مسند ابن عباس رضي الله عنهما، ر: ١١١٥٨، ١١ /٧٨]۔

حضرت عالمِ اہلِ سنت دام ظلہٗ۔

(۲) "صحيح البخاري"، كتاب العلم، باب مَن قعد حيث...إلخ، ر: ٦٦، صـ١٦۔

پڑھا جانا، اور خود بدولت کا ایک شعر میں دو جگہ اِصلاح فرمانا، اور صاحبِ قصیدہ کعب بن زہیر کا قصور معاف کرنا، اور چادر مبارک اِنعام دینا بھی ثابت ہے، مجمع میں خصوصاً بر سرِ منبر حضور کے اوصافِ حمیدہ ومناقبِ جلیلہ وفضائل وکمالات ومَحامد ومقامات کا مذکور ہونا مجلسِ ذکرِ رسالت نہیں تو کیا ہے؟! خدا جانے جو امر کہ سنّت اور صحابہ کے لیے ثواب وہدایت تھا، ہمارے حق میں کس وجہ سے (العیاذ باللہ) بدعت وگناہ وضلالت ٹھہرا ہے!

''دلائل الخیرات'' میں ہے: روي[1] عن بعض الصحابة ـ رضوان الله عليهم أجمعين ـ أنّه قال: ((ما من مجلس يصلّى فيه على محمد ـ صلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ إلّا قامت منه رائحة طيّبة حتّى تبلغ عنان السماء، فتقول الملائكة: هذا مجلس صلّي فيه على محمّد صلّى الله تعالى عليه وسلّم)) [2]۔

''شرح عین العلم ملاّ علی قاری''[3] میں ہے: ابوبکر بن ابی شیبہ اپنے ''مصنف'' اور ابوبکر بن ابی داود ''کتاب المصاحف'' میں حکم بن عتیبہ سے روایت

---

(۱) ترجمہ: یعنی بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت ہے فرمایا: جس مجلس میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھا جاتا ہے اُس سے خوشبو کی مہک اُٹھ کر آسمان تک پہنچتی ہے، فرشتے اُس خوشبو کو پہچان کر کہتے ہیں: یہ وہ مجلس ہے جس میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجی گئی، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

(۲) "دلائل الخيرات"، فضائل الصّلاة، صـ۲۲۔

(۳) "شرح عين العلم"، الباب الأوّل في الورد، بيان فضل الدعاء، ۱/ ۱۰۰۔

کرتے ہیں: قال[۱] كان مجاهد: وعنده ابن أبي لبابة يعرضون المصاحف، فلمّا كان اليوم الذي أرادوا أن يختموا أرسلوا إليّ وإلى سلمة بن كهيل، فقالوا: إنّا كنّا نعرض المصاحف، فأردنا أن نختم اليوم، فأحببنا أن تشهدونا، فإنّه كان يقال: إذا ختم القرآن نزلت الرحمة عند خاتمته[۲]۔

شاید کوئی نادان قواعد واصولِ شرع سے جاہل، اور اِطلاق وعموم کے احکام سے غافل یہ عذر کرے کہ: ''اِن احادیث سے انعقادِ مجلسِ ذکر شریف کے لیے ثابت، لیکن کلام ذکرِ ولادت میں ہے!''، تو اُس کی ذہن دوری وصفرا شکنی کے لیے حدیثِ مشکوٰۃ بروایت احمد[۳] وبغوی[۴] کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے

---

(۱) ترجمہ: یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شاگرد امام مجاہد اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیٹے وغیرہا قرآنِ مجید کا ورد کرتے تھے، جب ختم کا دن آیا مجھے اور سلمہ بن کُہیل کو بلا بھیجا کہ آج ختم کا دن ہے، ہم چاہتے ہیں تم بھی آؤ؛ کہ کہا جاتا تھا: ختمِ قرآن کے وقت رحمتِ الٰہی نزول فرماتی ہے، اللّٰھم ارزقنا، آمین!۔

(۲) "المصنّف" ابن أبي شَيبة، كتاب فضائل القرآن، باب في الرجل إذا ختم ما يصنع، ر: ۳۰۰۴۰، ۶/ ۱۲۸۔

(۳) "المسند" لأحمد بن حنبل، مسند الشاميين، حديث العرباض بن سارية، ر: ۱۷۱۵۰، ۱۷۱۵۱، ۶/ ۸۴، ۸۵ بتصرّف۔

(۴) "شرح السنّة"، كتاب الفضائل، باب فضائل سيّد الأوّلين والآخرين محمّد صلوات الله وسلامه عليه وعلى آله أجمعين وشمائله، ر: ۳۶۲۶، ۷/ ۴۱۵۔

ہیں[1]: ((سأخبركم بأوّل أمري دعوة إبراهيم، وبشارة عيسى، ورؤيا أمّي التي رأت حين وضعتني، وقد خرج لها نور أضاء لها منه قصور الشام))[2]، اور قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: ((وُلدتُ من نكاح لا من سفاح))[3]، اور بہت احادیث واخبار ہیں جن میں ذکرِ ولادت اور اُس وقت کے واقعات وغرائب حالات بتصریح مذکور، اور کتبِ احادیث میں مسطور ہیں۔

ترمذی نے ''جامع'' میں ایک باب بعنوان: "ما جاء في ميلاد النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم"[4] وضع کیا، اور ایک کتاب خاص شمائلِ شریفہ میں لکھی، اور حدیث کی اکثر کتابوں میں معراج ومعجزات وبدءِ وحی وفضائلِ سرورِ کائنات علیہ افضل الصلوات والتحیات، اور حضور کے اَخلاق وعادات واکثر حالات کے لیے ابواب جداگانہ موضوع، اور احوالِ رضاعت وہجرت وغیرہا بھی کتبِ فن

(۱) ترجمہ: میں اب تمہیں بتاؤں گا کہ میری ابتدا کیا ہے: ابراہیم کی دعا، اور عیسیٰ کی بشارت، اور میری ماں کا خواب جو اُنہوں نے میری ولادت کے وقت دیکھا، اور میری پیدائش کے وقت ایک نور میری ماں کے لیے ظاہر ہوا جس سے ملکِ شام کے محل اُن کے سامنے روشن ہوگئے۔

(۲) "مشكاة المصابيح"، كتاب الفضائل، باب فضائل سيّد المرسَلين...إلخ، الفصل الثاني، ر: ٥٧٥٩، ٣/ ٢٥٦۔

(۳) "تلخيص الحبير"، كتاب النكاح، باب نكاح المشركات، ر: ١٥٣٧، ٣/١٧٦۔

(۴) "جامع الترمذي"، أبواب المناقب، باب ما جاء في ميلاد النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم...إلخ، صـ٨٢٥۔

میں اِجمالاً وتفصیلاً ہر طرح مذکور ہیں، بلکہ جو حالات وواقعات کہ خاص مجلسِ مولد میں پڑھے جاتے ہیں، خود حضرتِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بیان فرمائے، اور صحابۂ کرام نے تابعین کو پہنچائے، اور قرناً فقرناً مَجامع ومجالسِ تحدیث میں بیان ہوتے رہے، یہاں تک کہ مؤرّخین ومحدّثین نے اپنی کتابوں میں درج کیے۔

تو ان خاص اذکارِ شریف کا سننا سنانا، اور مجالس ومَجامع میں بیان ہونا، اور اُن کے لیے مجلس منعقد کرنا خود سید المرسلین وصحابہ وتابعین، بلکہ قرون مابعد سے بھی بخوبی ثابت، بے اصل روایات وموضوع قصص وحکایات کا بیان کرنا، اور سننا ہم کب جائز رکھتے ہیں؟! اور جب خیریت ذکرِ ولادت وجملہ اذکار شریف کی (کہ اس مجلس میں پڑھے جاتے ہیں) سنّت وعملِ عامۂ مقتدایانِ ملت سے ثابت ہولی، اور بنظرِ ارشادِ ہدایت بنیاد: ((لیبلغ الشاهدُ الغائبَ)) [۱] ایسے اُمور کا پڑھنا سنانا مامور بہٖ کے حکم میں ہے۔

تو لوگوں کو اُس کے لیے بلانا خیر کی طرف دعوت ہے، جس کی خوبی واستحسان پر آیات واحادیث بکثرت ناطق، اور جس حالت میں سننا اذکارِ شریفہ کا مسنون اور مسلمانوں کے حق میں نافع ہے، تو اُنہیں اطلاع دینا اور بلانا بھلائی کی طرف دلالت اور اُن کی خیر خواہی ونصیحت، جس کی تاکید احادیثِ صحیحہ میں موجود ومتحقق، اور جس قدر زیادہ مسلمان بلائے جائیں گے اُسی قدر خیر خواہی ودعوت الی الخیر

---

(۱) "صحيح البخاري"، كتاب العلم، باب قول النّبي صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم: ((ربّ مبلغ...إلخ))، ر: ٦٧، صـ ١٦ـ

زیادہ ہوگی، تو تداعی میں اہتمام بھی بہتر ہے، اور مجلسِ ذکر کی خوبی شرع سے ثابت۔

اور اجتماعِ ختمِ قرآنِ مجید کے وقت ''عالمگیری''(۱) میں بھی بحوالہ ''ینابیع'' مستحب لکھا ہے؛ اسی وجہ سے وقت ومکان معیّن کرتے ہیں کہ اُسے زیادتی مجمع میں مداخلت ہے، اور ''بخاری شریف'' کی حدیث میں وارد کہ: حضرتِ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ نے بدرخواست ایک عورت کے عورتوں کو تعلیم وتحدیث کے واسطے ایک دن اور مکان مقرر کیا، اور اُنہیں اُس دن اُس مکان میں جمع ہونے کا حکم دیا کہ وہ حسب الارشاد جمع ہوئیں، اور حضور نے اُنہیں دین کی باتیں سنائیں، عبارت اُس کی یہ ہے:

جاء ت امرأة إلى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم، فقالت: يارسول اللّٰه! ذهب الرجال بحديثك، فاجعل لنا من نفسك يوماً نأتيك فيه تعلّمنا ممّا علّمك اللّٰه، فقال: ((اجتمعن في يوم كذا وكذا في مكان كذا وكذا))، فاجتمعن فأتاهنّ رسول اللّٰه ـصلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّمـ يعلّمهنّ ممّا علّمه اللّٰه (۲)۔

اور نیز ''بخاری شریف'' میں ابو وائل سے روایت ہے: قال(۳): كان

---

(۱) "الفتاوى الهندية"، كتاب الكراهية، الباب الرابع في الصلاة...إلخ، ٥ /٣١٧۔

(۲) "صحيح البخاري"، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنّة، باب تعليم النّبي صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم...إلخ، ر: ٧٣١٠، صـ١٢٥٨۔

(۳) یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وعظ ونصیحتِ خلق کے لیے پنجشنبہ کا دن مقرر فرمایا تھا، ہر پنجشنبہ کو وعظ فرماتے۔

عبداللّٰہ یذکّر النّاس في کلّ خمیس [1]۔

اصل اجتماع کی شرع میں تقریبِ ضیافتِ ولیمہ، اور عیدَین واسطے سرور اداۓ فرائض اللہ کے، اور تذکیر و مذاکرہ وسماعِ حدیث ہیں، اور احادیثِ صحیحہ کا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتوقیر اور اس کی تاکید میں عموم واِطلاق کے ساتھ وارد ہونا استحسانِ قیام کے لیے؛ کہ تعظیم مخصوص وفردِ تعظیم ہی ایک عمدہ شہادت ہے، اور شیرینی وغیرہ محتاجوں کو تقسیم کرنا تصدّق ہے، جس کی ترغیب وتاکید بہت احادیثِ صحیحہ میں وارد، اور اغنیاء کو دینا ہدیہ یا ضیافت ہے، اور یہ دونوں امر اور ضیافت کے واسطے بلانا اور جانا سب سنّت سے ثابت ہے۔

اور ''صحیح مسلم'' میں حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: أنّ رسول اللّٰہ ـصلّی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم ـ سئل عن صوم یوم الاثنین، فقال: ((فیہ وُلدتُ، وفیہ أنزل عليّ)) [2]، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روزۂ دوشنبہ کی وجہ وعلت دریافت کی گئی، فرمایا: ''اُس دن میں پیدا ہوا، اور مجھ پر وحی اتری''، اور یہ علتِ منصوصہ ماہِ ربیع الاوّل میں موجود، اور اعتبار دوسری وجہ کا بعض روایات میں منافی اس وجہ کے نہیں، اور ہم مجلسِ ذکر شریف کو روزے پر قیاس نہیں کرتے، بلکہ طرقِ شکر شرع میں متعدد، اور ہر ایک مامور بہ اور مستحسن، اور حدیث

---

(۱) "صحیح البخاري"، کتاب العلم ، باب مَن جعل لأھل العلم...إلخ، ر: ۷۰، صـ۱۷۔

(۲) "صحیح مسلم"، کتاب الصیام، باب استحباب صیام ثلاثۃ أیام...إلخ، ر: ۲۷۵۰، صـ۴۷۸۔

شریف سے یہ امر (کہ ماہِ ربیع الاوّل بایں وجہ کہ ماہِ ولادت وظہورِ رسالتِ حضرت خاتم النبوّۃ ہے) تکثیرِ حسنات واہتمامِ عبادات کے واسطے سزاوار ہے۔

ظاہر تو تخصیص اُس کی فعلِ مَولِد کے ساتھ (کہ اُس کے شرف سے مناسبتِ تامّہ رکھتا ہے) نہایت مناسب وبجا ہے، اس حدیث اور دیگر احادیثِ صحیحہ سے ثابت کہ وقوع اُمورِ شریفہ اور خاص ولادتِ انبیا سے زمانے کو ایک فضل شرف حاصل ہوتا ہے، اور وہ شرف اُسی جز وزمان کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ اُس کے اَمثال ونظائر میں (کہ بعد ایک دن یا ایک ہفتے یا ایک سال کے آئیں) دائر وسائر رہتا ہے، اور نیک کام اُس وقت اور اُس کے نظائر میں زیادہ فائدہ بخشتا ہے، خود جنابِ رسالت[1] مآب علیہ الصلاۃ والسلام نے جمعہ کو بوجہِ ولادتِ آدم علیہ السلام

---

(۱) یہ حدیثِ جلیل جمیل صحیح نجیح امام احمد ["المسند"، مسند المدنيين، حديث أوس بن أبي أوس الثقفي، ر: ١٦١٦٢، ٥ /٤٦٣] ودارمی ["سنن الدارمي"، باب في فضل الجمعة، ر: ١٥٧٢، ١ /٤٤٥] وابو داود ["سنن أبي داود"، كتاب الوتر، باب في الاستغفار، ر: ١٥٣١، صـ٢٢٦] ونسائی ["سنن النسائي"، كتاب الجمعة، باب إكثار الصّلاة...إلخ، ر: ١٣٧٠، ٣ /٨٩] وابن ماجہ ["سنن ابن ماجه"، كتاب الجنائز، باب ذكر وفاته...إلخ، ر: ١٦٣٦، صـ٢٧٤] وابن حِبّان ["صحيح ابن حِبّان"، كتاب الرقائق، ذكر نفي البخل عن...إلخ، ر: ٩٠٧، صـ٢٠٥] وابن خزیمہ ["صحيح ابن خزيمة"، كتاب الجمعة، باب فضل الصّلاة على النّبي...إلخ، ر: ١٧٣٣، ٣ /١١٨] ودارقطنی وحاکم ["المستدرَك"، كتاب الجمعة، ر: ١٠٢٩، ١ /٤٠٥] وبیہقی ["السنن الكبرى"، كتاب الجمعة، باب ما يؤمر به في ليلة الجمعة ويومها من كثرة الصّلاة...إلخ، ٣ /٢٤٨، ٢٤٩] وابو نُعیم وعبد الغنی وغیرہم نے حضرت=

کثرتِ صلاۃ کے ساتھ مخصوص کیا، اور تکثیرِ درود کا حکم دیا، تو روز و ماہِ ولادت سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم درود وصدقہ وغیرہا عبادات کے واسطے اَحق واَولیٰ ہے۔

امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ''صحیح'' میں ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے: قال: قدم رسول الله ـ صلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ المدينة فوجد اليهودَ يصومون يومَ عاشوراء، فسئلوا عن ذلك، فقالوا: هذا اليوم الذي أظهر الله فيه موسى وبني اسرائيل على فرعون، فنحن نصومه تعظيماً له، فقال النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم: ((نحن أولى بموسى منكم فأمر بصومه)) (۱)۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مدینۂ طیبہ میں تشریف لائے تو یہود کو

= اَوس بن ابی اَوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ''جمعہ تمہارے دنوں میں افضل ہے''۔ اور اُس کی وجہِ فضیلت ارشاد فرمائی کہ: ((فيه خُلق آدم))، ''اُسی میں آدم پیدا کیے گئے''۔ پھر اُس پر تفریع فرمائی کہ: ((فأكثروا عليّ من الصلاة فيه))، ''تو اُس دن مجھ پر دُرود بکثرت بھیجو! کہ تمہاری درود میرے حضور عرض کی جاتی ہے''، ابنِ خزیمہ وابنِ حبّان ودار قطنی نے اس حدیث کی تصحیح کی، حاکم نے کہا: برشرطِ بخاری صحیح ہے ["المستدرَك"، كتاب الجمعة، تحت ر: ۱۰۲۹، ۱/ ۴۰۵]، امام عبدالغنی وامام منذری نے کہا: حسن ہے ["الترغيب والترهيب"، كتاب الذكر والدعاء، الترغيب في إكثار الصّلاة على النّبي ﷺ...إلخ، تحت ر: ۳۰، ۲/ ۳۲۹]، ابوالخطاب ابنِ دحیہ نے کہا: صحیح محفوظ بروایاتِ ثقات عدول ثابت ہے۔ حضرت عالمِ اہلسنّت دام ظلہٗ۔

(۱) "صحيح مسلم"، كتاب الصيام، باب صوم يوم عاشوراء، ر: ۲۶۵٦، ص۴٦۲۔

پایا کہ بروزِ عاشورا روزہ رکھتے ہیں، سبب اس کا دریافت کیا گیا، تو انہوں نے کہا: یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور بنی اسرائیل کو فرعون پر غالب کیا، تو ہم تعظیماً اُس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم بہ نسبت تمہارے، موسیٰ سے زیادہ نزدیک ہیں''، پھر مسلمانوں کو اُس دن کے روزہ کا حکم دیا۔

اور دوسری روایت میں ہے: هذا يوم عظيم أنجا الله فيه موسى وقومه، وأغرق فرعون وقومه، فصام موسى شكراً فنحن نصومه، فقال رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم: ((فنحن أحقّ وأولى بموسى منكم))، فصامه رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم، وأمر بصيامه (۱)۔

یعنی یہود نے کہا: یہ عظمت والا دن ہے، اللہ نے اس میں موسیٰ اور اُن کی قوم کو نجات دی، اور فرعون اور اُس کی قوم کو غرق کیا، تو موسیٰ علیہ السلام نے اس دن شکر کا روزہ رکھا، ولہٰذا ہم اس میں روزہ رکھتے ہیں۔ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہم بہ نسبت تمہارے، موسیٰ کے زیادہ حق دار و قریب تر ہیں''، پھر حضور نے خود اُس دن روزہ رکھا، اور مسلمانوں کو اُس کے روزے کا حکم دیا۔

اور تیسری روایت میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیا: كان يوم عاشوراء يوماً تعظمه اليهود وتتّخذوه عيداً (۲)۔

---

(۱) "صحيح مسلم"، كتاب الصيام ، باب صوم عاشوراء، ر: ۲٦٥٨، ص۔٤٦٢ بتغيّر۔

(۲) المرجع السابق، ر: ۲٦٦٠۔

دیکھو! یہود صرف اس وجہ سے کہ وہ دن اُن کے پیغمبر علیہ السلام کے غلبے اور دشمنانِ دین کے ہلاک کا ہے اُس کی تعظیم کرتے، اور اُس کے اَمثال ونظائر میں (یعنی جب سال بھر بعد عاشورے کا دن آتا) سرور وخوشی عمل میں لاتے، اور ادائے شکرِ الٰہی کے لیے روزہ رکھتے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اُسے شکرِ نعمت کے ساتھ (کہ اُس دن حاصل ہوئی) خاص کیا، اور ہمارے مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس کے اَمثال ونظائر کو باآنکہ روزِ وصولِ نعمت سے تقریباً ڈیڑھ دو ہزار برس کا فاصلہ ہوگیا تھا، بدُونِ تجدّدِ نعمت ادائے شکرِ روزہ کے واسطے پسند فرمایا، اور سنتِ مُوسویہ کو (کہ اس جگہ عملِ صوم وادائے شکر بروزِ وصولِ نعمت تھی) اپنی شریعتِ بیضا میں قائم وبرقرار رکھا۔

تو اَمثال ونظائرِ ماہ وروزِ ولادت کو (کہ سب سے بڑی نعمت ہے) اِعادۂ سرور وتحدیث وتذکرۂ احوالِ ولادتِ باسعادت کے ساتھ (کہ بموجب حدیث: ((التحدّث بنعمة الله شكر، وتركه كفر)) [1]، جسے امام بغوی نے حدیثِ طویل میں اپنی سند کے ساتھ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا، اَنحائے شکر سے ہے، اور بہ نسبت دیگر اقسامِ شکر کے اُس نعمت سے زیادہ مناسب ہے) مخصوص کرنا بطریق دلالۃ النص اَولیٰ واَنسب ہے، اور نسخِ فرضیتِ صومِ عاشورا خصوصاً بحالتِ بقائے استحباب، اور اسی طرح ارشادِ جنابِ رسالتِ مآب صلی اللہ

---

(۱) "تفسير البغوي" المسمّى بـ"معالم التنزيل"، الضحى: ۱۱، ٤/ ٥٠٠، و"المسند" للإمام أحمد بن حنبل، مسند الكوفيّين، حديث النعمان بن بشير، ر: ١٨٤٧٦، ٦/ ٣٩٤ بتغيّر۔

تعالیٰ علیہ وسلم بنظرِ مخالفتِ یہود کہ: ''سالِ آیندہ زندہ رہوں گا تو نویں کا روزہ اُس کے ساتھ ملاؤں گا''(۱) (جسے صدیق حسن خان بہادر نے بڑے طمطراق سے ذکر کیا ہے، اور اِس بنا پر قیاسِ امام ابنِ حجر کو مع الفارِق وفاسد ومقیس علیہ سے غیر مطابق قرار دیا ہے) ہمارے مضرّ نہیں، بلکہ معترض اور اُن کے ہم مذہبوں کی ایک بڑی اصل کو جس پر صدہا مسائل متفرع کرتے ہیں، اور باوجود مخالفت کے نفسِ حقیقت وصفات میں اکثر افعال کو ادنیٰ مناسبت سے بحکمِ مشابہتِ کفار حرام ومکروہ کہہ دیتے ہیں، صاف باطل کرتا ہے، کہ وہی فعل بعینہٖ اُسی وضع وہیئت ووقت وکیفیت کے ساتھ مجرّد اِنضمامِ فعلِ آخر سے (کہ اُس کی جنس سے تھا) حدِّ مشابہت وکراہت سے خارج، اور شرع میں مستحب ومندوب قرار پایا۔

نواب صاحب بہادر فارِق کی تقریر تو کر دیں، اور منسوخیت فرضیتِ صومِ عاشورا کی خصوصاً باوجود بقائے استحبابِ اصل فعلِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (کہ بنظرِ وصولِ نعمت بدُونِ حصولِ نعمتِ متجدّدہ نظائر یومِ وصولِ نعمت میں اُس کے شکر کا روزہ رکھا (معاذ اللہ) باطل وساقط الاعتبار نہیں کرتی، شاید نواب صاحب بہادر نے احکامِ الٰہیہ وافعالِ نبویہ کو اپنے افعال پر قیاس، اور بتقلیدِ شیعہ بدء کو تسلیم کیا ہے۔

اسی طرح یہ اعتراض میاں امیر حسن سہوانی وغیرہ کا کہ: ''صومِ نبوی بنظرِ وصولِ نعمت کے نہ تھا، بلکہ جناب نے باتباعِ موسیٰ علیہ السلام روزہ رکھا'' کمالِ عقل ودانش وحدیث فہمی پر دلالت کرتا ہے، علامہ عینی ''شرحِ بخاری'' میں امام

---

(۱) "شعب الإيمان"، باب في الصيام، صوم التاسع مع العاشرة، ر: ۳۷۸۶، ۱۳۸۸/۳۔

طحاوی[۱] سے نقل کرتے ہیں کہ اس حدیث کو روایت کرکے فرماتے ہیں: إنّ[۲] رسول اللہ ـصلّی اللہ تعالی علیه وسلّم ـ أنّما صامه شکراً للہ ـعزّوجل ـ في إظهاره موسی ـعلیه السلام ـ علی فرعون، فذلك علی الاختیار دون الفرض...إلخ[۳]۔

اور نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اَور برسوں میں بھی روزہ رکھا تھا یا نہیں، پچھلی شِق میں اِن حضرات کے طور پر فعلِ موسیٰ سے مطابقت نہ ہوئی؛ کہ جو فعل اَمثال ونظائر میں واقع ہوتا ہے اُس کے ساتھ (کہ خاص روزِ وصولِ نعمت میں ہو باوجود اتحادِ جنس کے) اِن صاحبوں کے نزدیک احکام میں مخالفت ومغایَرت رہتا ہے، پھر اتباع کیسا؟! اور اَمثال ونظائر میں روزہ رکھنے سے سنّتِ مُوسوِی کب ادا ہوئی ؟!

اور پہلی صورت میں جب موسیٰ علیہ السلام نے اَور برسوں میں بدُونِ تجدّدِ نعمت شکر اُس کا روزہ عاشورا کے ساتھ ادا کیا، اور ہمارے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُس سنّت پر عمل فرمایا، تو تخصیصِ روزِ نعمت ادائے شکر کے لیے بدُونِ تجدّد اُس نعمت کے دو پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہوئی، اور استدلال امام ابنِ حجر رحمہ اللہ

---

(۱) "شرح معاني الآثار"، کتاب الزکاۃ، باب صوم یوم عاشوراء، ر: ۳۲۰۹، ۱۳۲/۲ بتصرّف۔

(۲) ترجمہ: یعنی اُس دن نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس شکرانے میں روزہ رکھا تھا؛ کہ اللہ عزّوجل نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون پر غلبہ دیا، یہ روزہ رکھنا اپنی پسند سے تھا، نہ بر بنائے فرضیت۔

(۳) "عمدۃ القاري"، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء، ر:۲۰۰٤، ۸/ ۲۳۸ بتصرّف۔

تعالیٰ کا مع شے زائد تمام ہوا، سبحان اللہ! باین بضاعت ولیاقت امام پر اعتراض کرنا، اور مضایقِ علمیہ میں دخل دینا انہیں حضرات سے بن پڑتا ہے۔

بالجملہ تخصیصِ ماہِ ربیع الاوّل اِعادۂ سرور وفرحت وتکثیرِ حسنات واداے شکرِ نعمتِ ولادت کے ساتھ بدلالتِ حدیث سے ثابت، اور تذکرۂ ولادت کا دیگر اقسامِ شکر سے اصلِ نعمت کے ساتھ اَولیٰ ومناسب تر ہونا ایک کُھلی بات ہے، کہ سلامتِ عقل کے ساتھ کوئی اُس میں دم نہیں مار سکتا ہے، باوجود اس کے اَور بھی اصلِ شرع کی حاجت ہے تو سنیے!۔

حضرت رسالت علیہ افضل الصلاہ والتحیۃ جبریلِ امین علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ رمضان میں (کہ ماہِ نزولِ قرآن ہے) قرآنِ عظیم کا دَور کرتے [1]، اور تراویح میں ختم اُس کا سنّتِ مستمرّہ ہے [2]، اور اجتماع بھی فرحت کے لیے شرع میں بغرضِ اداے شکرِ نعمت آیا ہے، بلکہ شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ "شرح مشکوٰۃ" میں لکھتے ہیں: "پس وضع کردند شکرِ نعمت ہر طاعت را عیدے از جنس وی تا سبب مزید آن گردد بحکمِ ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾ [3]، اما زکوۃ ہرگاہ اداے آنرا وقتے معین نبود واجتماعی برائے آن اتفاق نیفتاد واقع نشد شکر تمام آنرا عیدے مناسب آن کذا

---

(۱) "صحيح البخاري"، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ...إلخ، ر: ٦، صـ٢۔

(۲) "الفتاوى الهندية"، كتاب الصّلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ١/ ١١٧۔

(۳) پ۱۳، إبراهيم: ٧۔

قالوا''(۱)۔

اور قراٴتِ سورۂ فاتحہ واِخلاص ومعوّذتَین وغیرہا آیاتِ قرآن بھی جسے پنج(۲) آیت کہتے ہیں، اگرچہ اصلِ مَولِد سے علاوہ بات ہے، حدیثِ ابوداود: ((قد سمعتك يابلال! وأنت تقرأ من هذه السورة، ومن هذه السورة)) قال: كلام طيّب يجمعه الله بعضه إلى بعض، فقال النّبي صلّى الله تعالى

(۱) "أشعّة اللمعات"، كتاب الصّلاة، باب الصّلاة العيدين، ۱ / ۶۳۷۔

(۲) **اقول:** پنج آیت کے جواز میں حدیث تو یہ ہے، اور فقہ درکار ہو تو ہمارے علما نے صاف صریح اس جزئیہ کی تصریحیں فرمائی ہیں کہ متفرق مواضع سے آیات ملا کر پڑھنا بلا کراہت جائز ہے، ''غنیہ شرحِ منیہ'' میں ہے: كما لا يكون قراء ة سور متفرّقة من أثناء القرآن مغيّراً للتأليف والنظم، لا يكون قراء ة آية من كلّ سورة مغيّراً له '' ["غنية المتملي"، القراءة خارج الصلاة، صـ۵۰۷، ۵۰۸] ۔ ''ردّالمحتار'' میں ہے: تقدّم قبيل فصل القراء ة: أنّه يُستحبّ عقب الصّلاة قراء ة آية الكرسي والمعوّذات، فلو كان ضمّ آية إلى آية من محلّ آخر مكروهاً، لزم كراهة ضمّ آية الكرسي إلى المعوّذات لتغيير النظم، مع أنّه لا يكره لما علمتَ، بدليل أنّ كلّ مصلّ يقرأ الفاتحة وسورة أخرى أو آيات أخر، ولو كان ذلك تغييراً للنظم ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب سجود التلاوة، ۴/ ۶۰۸، تحت قول "الدرّ": ويحتمل...إلخ] ۔ اسی میں ہے: أمّا ضمّ آيات متفرّقة فلا يكره، كما لا يكره ضمّ سور متفرّقة؛ بدليل ما ذكرناه من القراء ة في الصّلاة ["ردّالمحتار"، كتاب الصّلاة، باب سجود التلاوة، ۴ /۶۰۸، تحت قول "الدرّ": ويحتمل...إلخ]۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدظلہ العالی۔

علیه وسلّم: ((کلّکم قد أصاب)) (۱) سے مستحب و مستحسن، حاصل اس حدیث کا یہ ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ متفرق آیتیں مختلف سورتوں کی ملا کر پڑھتے تھے، حضور نے فرمایا: "اے بلال! میں نے تجھے اس سورت اور اُس سورت سے پڑھتے سنا! عرض کی: پاک کلام ہے کہ خدا بعض کو بعض سے جمع کرتا ہے، حضور (۲) نے تصویب کی اور اس جواب کو پسند فرمایا۔

اور یہی حدیث اس مقدّمہ کے اِثبات میں (کہ دو اچھی چیزیں جمع کرنے سے اُن کی خوبی زائل نہیں ہوتی، بلکہ اچھی چیزوں کا مجموعہ بھی اچھا ہی ہوتا ہے) کافی ووافی ہے، اور جب بعنایتِ الٰہی جملہ اُمور کہ مجلس جن کو متضمّن، یا کچھ بھی علاقہ رکھتی ہے، صحیح حدیثوں سے ایسے طریق کے ساتھ (کہ بقاعدہ مناظرہ کسی کو مجال بحث نہ رہی) ثابت ہوگئی، اور ہیئتِ مجموعی کذائی کا استحسان حدیثِ ابوداود سے (کہ ابھی بیان ہوئی) بخوبی ظاہر، تو اب مانع منصِف کو جو خدا اور سول سے کام رکھتا ہے اور دل سے قرآن وحدیث کو مانتا ہے تسلیم وقبول کے سوا کیا چارہ ہے؟! اور منکر متعصب کے لیے ہٹ دھرمی اور نفسانیت کے اقرار اور سنّتِ نبویہ واحادیثِ صحیحہ سے اِعراض اور کھلے انکار کے سوا اور کیا باقی رہا؟!

---

(۱) "سنن أبي داود"، کتاب التطوّع، باب رفع الصوت بالقراء ة في صلاة اللیل، ر: ۱۳۳۰، صـ ۱۹۸۔

(۲) اقول: اور شک نہیں کہ موصول مُرسَل پر بالاتفاق مقدّم، مع ہذا اس کی تصویب اور تمام کی اَولویت وترغیب میں تنافی نہیں، تو مُرسَلِ سعید مرویٔ ابی عبید اس کے اصلاً منافی نہیں۔

حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہٗ۔

تیسری دلیل: بخاری و مسلم حضرتِ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه تعالی علیه وسلّم: ((لا یؤمن أحدکم حتّی أکونَ أحبَّ إلیه من والده وولده والنّاس أجمعین)) [1]۔

یعنی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''تم میں کوئی مسلمان نہیں ہوتا جب تک میں اُسے اُس کے ماں باپ اور اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں''۔ اور بَیہقی [2] وابو الشیخ ودَیلمی [3] کی روایت، بلکہ خود ''صحیح [4]

---

(۱) "صحیح البخاري"، کتاب الإیمان، باب حبّ الرسول ـصلّی اللّٰه تعالی علیه وسلّم ـ من الإیمان، ر: ۱۵، صـ٦، و"صحیح مسلم"، کتاب الإیمان، باب وجوب محبّة رسول اللّٰه صلّی اللّٰه تعالی علیه وسلّم ر: ۱٦۹، صـ٤۱۔

(۲) "شُعب الإیمان"، باب في حبّ النّبي ﷺ، ر: ۱۵۰۵، ۲/ ٦۵۵۔

(۳) "الفردوس بمأثور الخطاب"، ر: ۷۷۹٦ عبدالرحمن بن أبي لیلی، ۵/ ۱۵٤۔

(۴) ''صحیحِ بخاری شریف''، کتاب الایمان والنذور میں حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے: ہم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، حضور امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑے تھے، امیر المومنین نے عرض کی: یارسول اللہ! واللہ! حضور مجھے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں سوا میری جان کے جو میرے بدن میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((لن یؤمن أحدکم حتّی أکونَ أحبَّ إلیه من نفسه)) [انظر: "المواهب اللدنیة"، المقصد السابع في وجوب محبّته...إلخ، معنی محبّته، ۳/ ۲۷٤ نقلاً عن البخاري]، ''تم میں کوئی مومن نہ ہوگا جب تک میں اُسے اُس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہوں''۔

دوسری روایت میں ہے فرمایا: ((لا، والذي نفسي بیده! حتّی أکونَ أحبَّ إلیك من نفسك)) ''نہیں، قسم اُس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تیرا ایمان کامل نہ =

بخاری'' میں یہ مضمون نفس کی نسبت بھی وارد ہوا، یعنی جب تک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی جان سے زیادہ عزیز نہ رکھے مومن نہیں ہوتا۔ بالجملہ ایمان بدونِ کمالِ محبت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کامل نہیں ہوتا، اور محبت ذکرِ محبوب کی کثرت کو

= ہوگا جب تک میں تجھے تیری جان سے زیادہ پیارا نہ ہوں''، امیر المؤمنین نے عرض کی: والذي أنزل عليك الكتاب! لأنت أحبّ إليّ من نفسي التي بين جنبي، قسم اُس کی جس نے حضور پر قرآن اُتارا! بیشک حضور مجھے اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں، سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((الآن يا عمر!))...إلخ ["المواهب اللدنية"، المقصد السابع في وجوب محبّته...إلخ، معنى محبّته، ۳/ ۲۷٤ نقلاً عن البخاري ["صحيح البخاري"، كتاب الأيمان والنذور، باب كيف كانت يمين النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم، ر: ٦٦٣٢، صـ١١٤٦ بتغيّر]، ''اب تیرا ایمان کامل ہے اے عمر!''۔

تنبیہ: محبت دو قسم ہے: طبعی واختیاری، مدارِ ایمان محبتِ اختیاری ہے؛ کہ وہی مامور بہ ہے، اور محبتِ طبعی جو ہر جانور کو بھی اپنے نفس واولاد سے ہوتی ہے، کوئی چیز نہیں، محبتِ طبعی اگر اپنے نفس سے زائد ہو مخلِ ایمان نہیں؛ کہ وہ سرے سے محلِ ایمان نہیں، امیر المؤمنین نے اُس محبتِ طبعی کے اعتبار سے اپنی جان کا استثنا کیا، سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے محبتِ اختیاری سے جواب دیا؛ کہ شرع اُسی پر نظر فرماتی ہے، امیر المؤمنین نے متنبہ ہو کر محبتِ اختیاری کا حال عرض کر دیا؛ کہ اس میں واللہ! حضور مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔

اقول: یا اس تنبیہ نے طبیعتِ امیر المؤمنین پر وہ استیلا کیا کہ محبتِ اختیاری کے وفورِ پُر جوش نے محبتِ طبعی کو دبا لیا، بلکہ فناء ومضمحل کر دیا، اور طبعی طور پر بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر اپنی جان اور تمام جہاں کوئی محبوب نہ رہا، اب امیر المؤمنین نے اس ترقی عظیم کا حال عرض کیا کہ واللہ! یا رسول اللہ! اب تو اپنی جان کی طبعی محبت بھی حضور کی محبت میں گم ہوگئی۔ هكذا ينبغي أن يفهم هذا الحديث، وبالله التوفيق۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ العالی۔

مقتضی ((مَن [1] أحبَّ شیئاً أکثر من ذکرہ))۔

''دلائل الخیرات'' میں اربابِ صفا ووفا کی علامت خود بارشادِ اقدس حضرتِ رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ یہ نقل کی ہے: إیثار محبّتي علی کلّ محبوب، واشتغال الباطن بذکري بعد ذکر اللّٰہ [2]، ''میری محبت کو ہر محبت پر ترجیح دینا، اور یادِ خدا کے بعد دل میری یاد میں مشغول رہنا''۔

اور دوسری روایت میں وارد: إدمان ذکري والإکثار من الصّلاۃ عليّ [3]، ''ہمیشہ میری یاد میں رہنا، اور بکثرت مجھ پر درود بھیجنا''، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

تو ذکرِ ولادتِ باسعادت، ومعراج وہجرت، ونزولِ وحی وحصولِ مرتبۂ رسالت ونبوّت، اور حضور کے اِرہاصات ومعجزات، وخصائص وکمالات، واَخلاق وعادات، وحسنِ صورت وسیرت، وفضائل وعظمت بیان کرنا، اور اِن اَذکارِ شریفہ

---

(۱) ''جو کسی چیز سے محبت رکھتا ہے اُس کی یاد بکثرت کرتا ہے''۔ یہ حدیث ابونُعیم ودَیلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "کنز العمّال في سنن الأقوال والأفعال"، کتاب الأذکار، الباب الأوّل في الذکر وفضیلتہ، قسم الأقوال، ر: ۱۸۲۵، ۱/ ۲۱۷ نقلاً عن "فر" نے امّ المؤمنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدظلہم العالی۔

(۲) "دلائل الخیرات"، فصل في فضل الصّلاۃ علی النّبي صلّی اللّٰہ تعالی علیہ وسلم، صـ۲۸۔

(۳) "دلائل الخیرات"، فصل في فضل الصّلاۃ علی النّبي صلّی اللّٰہ تعالی علیہ وسلّم، صـ۲۸۔

ومَحامدِ جلیلہ کو کمالِ رغبت وشوق کے ساتھ بکثرت وبار بار سننا سنانا، اور ایسی مجلس میں بطلب وبلا طلب حاضر ہونا، اور اُس سے دل کا سرور، جگر کی ٹھنڈک، جان کا آرام، آنکھوں کا نور حاصل کرنا، سب کمالِ ایمان ومحبتِ سرورِ دو جہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقتضی ہے۔

اور اِعراض وانکار اور دوسروں کو ممانعت، ضعفِ ایمان ومرضِ قلب کی علامت، بلکہ شقاوتِ اَزَلی کا ثمرہ ہے، ہر ذی عقل جانتا ہے کہ محبّ صادق اپنے محبوب کو ہر طرح ہر حال میں یاد کرتا ہے، اور جس قدر اُس کی خوبیاں اور مَحامد دوسروں کی زبان سے سنتا ہے خوش ہوتا ہے، اور اُس کی کثرت ہر چیز سے زیادہ عزیز جانتا ہے، ہزار حیلے سے یادِ محبوب اور اُس کے ذکر سننے اور کرنے میں مصروف، اور ہر طرح تکثیر وتکرار میں مشغوف رہتا ہے۔

اور جس سے دل میں کچھ کدورت یا سوئے عقیدت ہوتی ہے خواہ مخواہ اُس کی مدح وستائش ناگوار، اور اُس کے ذکر سے پرہیز، اور ثنا ومدحت کرنے اور سننے سے انکار رکھتا ہے، اور یہی چاہتا ہے کسی حیلے اور تدبیر سے یہ تذکرہ کان تک نہ پہنچے، اور کوئی اُس کی مدح وثنا نہ کرے، ظاہراً مانعینِ زمانہ کی بھی یہی کیفیت ہے اور مناسبِ حال اُن کے اس آیت کریمہ کی تلاوت ہے: ﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ (۱)۔

اور نیز جو لوگ طریقۂ محبت سے آگاہ اور اس کُوچے سے آشنا ہیں خوب

---

(۱) پ ٤، آل عمران، آیت نمبر ١١٩۔

واقف ہیں کہ ذکرِ دوست بالخصوص ہجر و فراق میں آتشِ شوق و سوزِ دل کو بھڑکاتا ہے، اور محبت [1] کو دو چند کرتا ہے، اور اس مادّہ میں شوق و محبت کی تکمیل عین ایمان کی تکمیل ہے، کیا عجب ایسی مجالس میں حاضر ہونے اور بار بار محبوب کا ذکر سننے سے حقیقتِ ایمان حاصل، اور بحکم: ((المرء مع مَن أحبّ)) [2] اور ((مَن أحبّني كان معي في الجنّة)) [3] سرورِ انبیا کی حضوریِ جنّت میں نصیب ہو، کہ تمام دنیا و مافیہا اُس کے مقابلے میں پرِ پشّہ سے زیادہ خوار و ذلیل ہے، اور جس حالت میں کمالِ محبتِ حضور شرعاً محبوب و مطلوب، اور وہ مستلزم و مقتضی کثرتِ ذکر و تعظیمِ محبوب کو ہے، اور شے اپنے مقتضٰی و لوازم کے ساتھ ہی پائی جاتی ہے، تو کمالِ محبت کی طلب سے

---

(۱) فائدہ: امام احمد قسطلانی ''مواہبِ لدنیہ'' میں فرماتے ہیں: من أقوى أسباب ما نحن فيه سماع الأصوات المطربة بالإنشادات بالصفات النبويّة المغربة المعربة...إلخ ["المواهب اللدنية"، المقصد السابع في وجوب محبّة...إلخ، الفصل الأوّل، علامات محبّة رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم، محبّة ذكره، ۳/ ۳۱۲]، یعنی سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف شوق و انجذابِ قلب و جوشِ محبت حاصل کرنے کا ایک سبب قوی یہ ہے کہ حضور والا کی نعت شریف عجیب و غریب صاف اِلحانوں طرب انگیز آوازوں سے سُنی جائے۔ حضرت عالمِ اہلسنّت دامت برکاتہٗ۔

(۲) "صحيح البخاري"، كتاب الأدب، باب علامة الحبّ، ر: ٦١٦٨، صـ١٠٧٥۔

(۳) "جامع الترمذي"، كتاب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنّة واجتناب البدعة، ر: ٣٦٧٨، صـ٦٠٨۔

کثرتِ ذکرو تعظیمِ حضور کی طلب جس کے لیے یہ مجلس منعقد ہوتی ہے اور اُس پر مشتمل ہے، لازم آتی ہے، اور یہ اس مجلس مبارک کی مشروعیت ومقبولیت کی مستقل دلیل ہے۔

چوتھی دلیل: یہ مجلس درحقیقت مجلس ذکرِ خدا ہے، اور ہر مجلسِ ذکرِ خدا مہبطِ ملائکہ ومُوردِ رحمتِ الٰہی وموجِبِ رضائے مولیٰ تقدّس وتعالیٰ، تو مجلسِ مَولِد مہبطِ ملائکہ وموردِ رحمت وموجبِ رضائے خدا ہے۔ صغریٰ اس قیاس کا آٹھ وجہ[1] سے ثابت۔

وجہِ اوّل: کوئی مسلمان صحیح العقیدہ اِن احوالِ شریفہ ومحامدِ جلیلہ کو کہ مَولِد میں مذکور ہوتے ہیں، اور جن کے بیان کرنے اور سننے کے لیے محفل کرتے ہیں، حضرت رسولِ کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کے فعل وخلق سے نہیں جانتا، بلکہ طریقِ بیان بھی یہی ہوتا ہے کہ ''پروردگارِ عالم جلّ وعلا نے اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس طرح پیدا کیا، اِس جہان اور اُس جہان میں یہ یہ مرتبہ دیا''، اور یہ طریقہ ذکرِ الٰہی اور اُس کی بڑائی بیان کرنے کا قرآنِ مجید میں جابجا ملحوظ رہا، ﴿هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى﴾[2]، وہی ہے جس نے بھیجا اپنا رسول ہدایت کے ساتھ۔

﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ أَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى﴾[3]، پاکی ہے اُسے جو لے گیا اپنے بندے کو رات میں

---

(۱) بارہ وجوہ فقیر نے زائد کیں، بحمد اللہ تعالیٰ بیس ہوئیں۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلّہ العالی۔

(۲) پ ۲۸، الصف: ۹۔

(۳) پ ۱۵، الإسراء: ۱۔

حرمت والی مسجد سے پرلے کنارے کی مسجد تک۔

﴿تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعَالَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ (۱)، برکت والا ہے وہ جس نے اُتارا قرآن اپنے بندے پر کہ سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ عَلٰى عَبْدِهٖ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا﴾ (۲)، سب خوبیاں اللہ کو جس نے قرآن اُتارا اپنے بندے پر اور اُس میں کچھ کجی نہ رکھی إلى غير ذلك من الآيات۔

اور مجلسِ مَولِد خواہ کچھ اور نام رکھنے سے حقیقت مسمّٰی کی نہیں بدلتی، نہ اُس کے حسن وخوبی کو جس پر قرآن وحدیث ناطق یہ تسمیہ کچھ منافی، نہ سرورِ ولادت کا ملحوظ ہونا اُسے مجلسِ ذکرِ الٰہی سے خارج کرتا ہے، کہ یہ طریق بھی مقصود ومراد سے خارج نہیں، اگر ہم کسی خوشی میں فقیروں کو صدقہ دیں، یا واہبِ حقیقی کے شکر میں کوئی کام نیک بجا لائیں، تو تصدّق وغیرہ افعال کے ثمرات وثواب سے محروم رہیں گے، یا فاعل ٹھہر کر ثواب پائیں گے؟! اور جو عید کی خوشی میں (کہ مسنون ہے) ناچ کی مجلس یا شراب وکباب کا جلسہ کرے، تو وہ سرورِ عید کا عامل اور اس نظر سے فعلِ مسنون کا فاعل قرار پائے گا، یا مرتکبِ کبائر افعال اور احکامِ افعالِ مذکورہ کا مستوجب کہیں گے؟! سوا اس کے اذان سے اِعلامِ نماز، اور نماز سے غایت تذلّل وامتثالِ حکم مقصود ہوتا

(۱) پ۱۸، الفرقان: ۱۔

(۲) پ۱۵، الکہف: ۱۔

ہے، باوجود اس کے وہ ذکر سے خارج نہیں ہوسکتے، امام فخر رازی ﴿فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾[1] کی تفسیر میں تصریح فرماتے ہیں[2]: والصلاة تسمّى ذكراً قال الله تعالى: ﴿أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِيْ﴾[3]۔ اور صاحبِ ''تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار'' نے (کہ عمائدِ مقتدایانِ مانعین عصر سے ہے) بذیلِ حدیثِ مسلم: ((لا يقعد قوم يذكرون الله إلّا حفّتهم الملائكة))[4] صاف اعتراف کیا کہ قرآن وحدیث پڑھنا، وعظ ونصیحت وکلمہ ودرود یہ سب ذکر میں داخل ہیں، حالانکہ افعالِ مذکورہ نفسِ ذکرِ الٰہی کے علاوہ مقاصد رکھتے ہیں۔

ہاں! ذکرِ الٰہی کو تضمّن خواہ استلزام ضرور ہے، اسی نے اُنہیں داخلِ ذکر کیا، بلکہ اسی لیے علما تصریح فرماتے ہیں کہ: ہر طاعت ذکرِ الٰہی ہے، سو یہ امر مانحن فیہ میں بھی بداہۃً متحقق، اور بعض اشخاص کا بعض اوقات اس تضمّن واستلزام پر متنبہ نہ ہونا جس طرح تلاوتِ قرآن، وقرأتِ حدیث، وسماعِ وعظ، وسائر طاعات کے حسن میں مخل نہیں ہوتا، یوہیں حسن مَولِد میں حرج نہیں کرتا، یہاں تک کہ بعض حاضرین کا اغراضِ دنیوی کے لیے مجالسِ ذکر میں شریک ہونا مجلس کی خوبی کو زائل نہیں کرسکتا، بلکہ وہ لوگ بھی گو کمالِ ثواب واعلیٰ ثمراتِ ذکرِ خدا ورسول سے بے نصیب ہیں،

---

(۱) پ ۲، البقرة: ۱۹۸۔

(۲) "التفسير الكبير"، البقرة: ۱۹۸، ۲/ ۳۲۹۔

(۳) پ۱۶، طه: ١٤۔

(۴) "صحيح مسلم"، كتاب الذكر والدعاء...إلخ، باب فضل الاجتماع على...إلخ، ر: ٦٨٥٥، صـ۱۱۷۳۔

برکاتِ مجلس سے محروم مطلق نہیں رہتے، رحمت کہ ذاکرین پر اُترتی ہے، انہیں بھی اپنے دامنِ کرم میں لے لیتی ہے، ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جسے امام بخاری(۱) ومسلم نے حدیثِ طویل میں ذکر کیا: ((فیقول(۲) ملك من الملائكة: فيهم فلان ليس منهم أنّما جاء لحاجة، قال: هم الجلساء لا يشقى بهم جليسهم)) (۳) اس باب میں کافی ہے۔

وجہِ دوم: ذکرِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مِن حیث ھُوَ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلا ریب ذکرِ الٰہی کے حکم میں ہے، اور جو مجلس کہ اس نظر سے اُس کے لیے منعقد ہو مجلسِ ذکرِ خدا ہے، کہ محبت وطاعت، وتعظیم وبیعت، وتصدیق وعقیدت، یا (معاذ اللہ) اِیذا وعداوت، وتوہین ومخالفت، وتکذیب وبراءت۔

بالجملہ امورِ مختصّہ اُلوہیت وعبدیت کے سوا ہر معاملہ خاصانِ خدا خصوصاً حضورِ والا سے اس حیثیت اور اس کے اَمثال کے ساتھ بشہادتِ قرآن وحدیث

---

(۱) "صحيح البخاري"، كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله، ر: ٦٤٠٨، صـ١١١٣ بتغيّر۔

(۲) یعنی جب ملائکہ مجلسِ ذکر میں شریک ہوکر رب عزّ وجل کے حضور حاضر ہوتے اور اہلِ مجلس کا حال عرض کرتے ہیں، رب عزّ وجل فرماتا ہے: گواہ رہو! میں نے ان سب کو بخش دیا، اس پر کوئی فرشتہ عرض کرتا ہے: فلاں اِن میں کا نہ تھا، وہ تو اپنے کسی کام کو آیا تھا، فرماتا ہے: یہ وہ اہلِ مجلس ہیں کہ ان کا پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں رہتا، میں نے اُسے بھی بخش دیا، وللہ الحمد۔

(۳) "صحيح مسلم"، كتاب الذكر والدعاء...إلخ، باب فضل مجالس الذكر، ر: ٦٨٣٩، صـ١١٧١ بتغيّر۔

بعینہٖ جنابِ اَحدیت وحضرتِ عزّت عزّ جلالہ کے ساتھ ہوتا ہے، پروردگارِ عالم جا بجا قرآنِ مجید میں اپنے معاملات حضور کی طرف اور حضور کے معاملے اپنی جانب نسبت فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ﴾ (۱) اے محبوب! بیشک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، یہ تمہارا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر نہیں، اللہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے۔

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ (۲) جو رسول کی اِطاعت کرتا ہے بیشک اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔

﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى﴾ (۳) تم نے اُنہیں قتل نہ کیا، ولیکن اللہ نے قتل کیا، اور وہ کنکریاں جب اے محبوب! تم نے اُن کافروں پر پھینکیں تم نے نہ پھینکیں تھیں، بلکہ اللہ نے پھینکیں۔

اور ﴿إِذَا دُعُوْا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (۴)، اور ﴿إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (۵)، اور ﴿قُلِ الْأَنفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (۶)، اور ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ

---

(۱) پ٢٦، الفتح: ١٠۔

(۲) پ٥، النساء: ٨٠۔

(۳) پ ٩ ، الأنفال: ١٧۔

(۴) پ ١٨، النور: ٤٨۔

(۵) پ ٢١، الأحزاب: ٢٩۔

(۶) پ ٩، الأنفال: ١۔

يُحَادُّونَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (۱)، اور ﴿مَا أَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ أَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى﴾ (۲)، اور ﴿كَذَبُوْا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (۳)، اور ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (۴)، اور ﴿إِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (۵)، اور ﴿يَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (۶)، اور ﴿إِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (۷)، اور ﴿إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْرًا﴾ (۸)، اور ﴿لَا تَخُوْنُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ﴾ (۹)، اور ﴿مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ (۱۰)، اور ﴿لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (۱۱)، اور ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَحَقُّ أَنْ يُّرْضُوْهُ﴾ (۱۲)،

---

(۱) پ۲۸، المجادلة: ۲۰۔

(۲) پ ۲۸، الحشر: ۷۔

(۳) پ ۱۰، التوبة: ۹۰۔

(٤) پ ۲۲، الأحزاب: ٥۷۔

(۵) پ ٦، المائدة: ۳۳۔

(۶) پ ۲۸، الحشر: ۸۔

(۷) پ ۱۰، التوبة: ۹۱۔

(۸) پ ۲۲، الأحزاب: ۳٦۔

(۹) پ ۹، الأنفال: ۲۷۔

(۱۰) پ ۹، الأنفال: ۱۳۔

(۱۱) پ ۲٦، الحجرات: ۱۔

(۱۲) پ ۱۰، التوبة: ٦۲۔

اور ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ (۱)، اور ﴿يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (۲)، اور ﴿فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ﴾ (۳)۔

دیکھو! حضرتِ رسالت و دیگر خاصانِ بارگاہِ اَحدیت کے معاملات باری عزّ وجل نے کیونکر بعینہٖ اپنے ٹھہرائے، بلکہ اِن میں بہت وہ ہیں کہ حقیقۃً حضرت عزّت کے ساتھ ممکن نہیں، مثلِ بیعت، حصۂ غنیمت، و اِیذا، ومحارَبت، ومدد، ونصیحت، وفریب دہی وغیرہا، وہ سب بھی اپنی ذاتِ پاک کی طرف نسبت فرمائے، بلکہ بعض کی حضرتِ رسالت اور حضور کے یاروں سے نفی فرما کر خاص اپنے ہی قرار دیے، اسی طرح کریمہ: ﴿اِلَّاۤ اَنْ اَغْنٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (۴)، اور ﴿لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ﴾ (۵)، اور ﴿سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗ﴾ (۶) وغیرہا میں اپنے افعال حضورِ والا کی طرف نسبت فرمائے۔

اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت صدّیقہ طیبہ رضی اللہ تعالیٰ

---

(۱) پ ۹، الأنفال: ۲٤۔

(۲) پ ۱، البقرة: ۹۔

(۳) پ ٦، المائدة: ۲٤۔

(۴) پ ۱۰، التوبة: ۷٤۔

(۵) پ ۱۰، التوبة: ۲۹۔

(۶) پ ۱۰، التوبة: ٥۹۔

عنہا سے فرماتے ہیں:((أظننتِ أن يحيف اللّٰہ عليكِ ورسوله)) [1]، حالانکہ معاملہ حضور اور عائشہ صدّیقہ کا ہے۔

اور یہ بھی حدیث "صحیح مسلم" میں وارد: ((لئن كنت أغضبتهم لقد أغضبت ربّك)) [2]، یعنی اگر تو نے سلمان وصہیب وبلال کو ناخوش کیا اور غصہ دلایا، تو اپنے پروردگار کو ناراض کیا، اور اسے غضب میں لایا"۔

اور ترمذی کی حدیث میں صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی نسبت وارد ہوا: ((مَن آذاهم فقد آذاني، ومَن آذاني فقد آذى اللّٰه)) [3]، جو اُنہیں ایذا دے گا مجھے اِیذا دے گا، اور جو مجھے اِیذا دے گا خدا کو اِیذا دے گا۔

اور احمد [4] وترمذی کی حدیث میں مولیٰ علی کرّم اللہ وجہہ کی نسبت آیا: ((لايحبّ عليّاً منافق، ولا يبغضه مؤمن)) [5]، "علی کو کوئی منافق دوست نہ

---

(۱) "صحيح مسلم"، كتاب الجنائز، باب ما يقال عند دخول القبور والدعاء للأهلها، ر: ٢٢٥٦، صـ٣٩٢۔

(۲) "صحيح مسلم"، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل سلمان وبلال وصهيب رضي اللّٰه عنهم، ر: ٦٤١٢، صـ١١٠٢۔

(۳) "جامع الترمذي"، أبواب المناقب، باب في مَن سبّ...إلخ، ر: ٣٨٦٢، صـ٨٧٢۔

(۴) "المسند"، حديث أمّ سلمة زوج النّبي ﷺ، ر: ٢٦٥٦٩، ١٠/ ١٧٦ بتصرّف۔

(۵) "جامع الترمذي"، أبواب المناقب، باب لا يحبّ عليّاً...إلخ، صـ٨٤٦۔

رکھے گا، اور کوئی مسلمان اس سے بغض نہ کرے گا"۔

اور بخاری[1] ومسلم کی حدیث میں وارد ہوا: ((آیة الإیمان حبّ الأنصار، وآیة النفاق بغض الأنصار)) [2]، دوستی انصار کی ایمان کی نشانی، اور بغض اُن سے نفاق کی علامت ہے۔

اور یہ اُسی صورت میں ہے کہ محبت مولیٰ علی اور انصار سے محبتِ خدا ورسول، اور عداوت ودشمنی اِن خاصانِ خدا سے جناب باری اور اس کے رسول سے دشمنی وعداوت ہے۔

اور حدیثِ "صحیح بخاری شریف" میں جناب باری عزّ وجل سے ہے: ((ولا یزال عبدي یتقرّب إليّ بالنوافل، حتّی أحببتُه، فإذا أحببتُه کنتُ سمعَه الذي یسمع به، وبصرَه الذي یُبصِره به، ویدَه التي یبطش بها، ورِجلَه التي یمشي بها)) [3]، یعنی میرا بندہ نوافل کے ساتھ مجھ سے نزدیک ہوجاتا ہے، یہاں تک کہ میں اُسے دوست رکھتا ہوں، اور جب میں اُسے دوست رکھتا

---

(۱) "صحیح البخاري"، کتاب الإیمان، باب علامة الإیمان حبّ الأنصار، ر: ۱۷، صـ٦۔

(۲) "صحیح مسلم"، کتاب الإیمان، باب دلیل علی أنّ حبّ الأنصار وعليّ رضي الله عنهم، ر: ۲۳۵، صـ٥٠۔

(۳) "صحیح البخاري"، کتاب الرقاق، باب التواضع، ر: ٦٥٠٢، صـ۱۱۲۷ بتصرّف۔

ہوں تو میں اُس کے وہ کان ہوجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اور اُس کی وہ آنکھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اُس کا وہ ہاتھ ہوجاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے، اور اُس کا وہ پاؤں ہوجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ یہ حدیثِ جمیل اِس مدّ عا میں نصِ جلیل ہے۔

اسی طرح شواہد اس مطلب کے قرآن وحدیث میں بکثرت ہیں، اور ترمذی کی حدیث میں بروایتِ جابر مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ کی نسبت وارد: سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ما أنجيتُه، ولكنّ الله انتجاه)) [۱]، میں نے اس سے سرگوشی نہ کی، بلکہ اللہ نے کی۔

"تفسیراتِ آیات الاحکام"[۲] میں ہے: يريد أنّ يد الرسول التي تعلو أيدي المبايعين هي يد الله، والله منزّه عن الجوارح وعن صفات الأجسام، وإنّما المعنى تقرير أنّ عقد الميثاق مع الرّسول كعقده مع الله من غير تفاوت بينهما، كقوله تعالى: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ﴾ [۳]۔

اور پُر ظاہر کہ ذکرِ ولادتِ باسعادت وغیرہا احوالِ حضرتِ رسالت، اور

---

(۱) "جامع الترمذي"، أبواب المناقب، باب ما انتجيته...إلخ، ر: ۳۷۲٦، صـ۸٤۸۔

(۲) "تفسير النسفي" المسمّى بـ"مدارك التنزيل وحقائق التأويل"، الفتح، تحت الآية: ۱۰، ۲/ ۵۷۱۔

(۳) پ۵، النساء: ۸۰۔

انعقادِ مجلس اِن اذکار شریف اور بیانِ مَحامدِ جلیلہ واوصافِ جمیلۂ جناب خاتم النبوّۃ علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ کے لیے اس نظر سے ہرگز نہیں کہ حضور حضرتِ عبداللہ کے فرزند اور حضرت عبدالمطّلب کے پوتے ہیں، بلکہ خاص وعام اسی نظر سے کہ حضور رسولِ خدا ومحبوبِ کبریا ہیں عمل میں لاتے ہیں، اور تعلق قصد کا ذکر حضرتِ رسالت سے بعد لحاظ اس حیثیت کے مجلس ذکرِ الٰہی ہونے میں کچھ حرج نہیں کرتا، لا جرم بحیثیتِ رسالت ومحبوبیت حضرتِ عزّت ذکرِ حضور اس مجلسِ مبارک پر ذکرِ الٰہی ومجلس ذکرِ الٰہی کے فضائل صادق آتے ہیں۔

وجہِ سوم: کبھی خلق کے ساتھ کوئی معاملہ صرف اس وجہ سے کہ حکمِ خدا وموجبِ رضائے مولیٰ ہے خدا کی طرف نسبت کیا جاتا ہے، اور وہ معاملہ بعینہٖ اللہ عزّ وجل کے ساتھ قرار پاتا ہے، وہ خود فرماتا ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضاً حَسَناً﴾(۱)، حالانکہ قرض مخلوق کو دیا جاتا ہے۔

''صحیح مسلم شریف''(۲) میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ عزّ وجل روزِ قیامت فرمائے گا: ((یا ابن آدم! مرضتُ فلم تعدني)) اے فرزندِ آدم! میں بیمار ہوا تو میری عیادت کو نہ آیا، عرض کرے گا: اے رب میرے! میں تیری عیادت کو کیونکر آتا؟! تُو تو ربّ العالمین ہے، فرمائے گا: تجھے معلوم نہ تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا! تُو اُسے پوچھنے نہ گیا، تُو نے

(۱) پ ۲۷، الحدید: ۱۱۔

(۲) ''صحیح مسلم''، کتاب البرّ والصّلة، باب فضل عیادة المریض، ر: ٦٥٥٦، صـ١١٢٦۔

نہ جانا کہ اُسے پوچھنے جاتا تو مجھے اُس کے پاس پاتا، ((یا ابن آدم! أستطعمتك فلم تطعمني))، اے ابنِ آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا، تُو نے مجھے کھانا نہ دیا، عرض کرے گا: اے رب میرے! میں تجھے کیونکر کھانا دیتا؟! تُو تو ربّ العالمین ہے، فرمائے گا: تُو نے نہ جانا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے کھانا مانگا! تُو نے نہ دیا، تُو نے نہ جانا کہ دیتا تو اُسے میرے پاس پاتا، ((یا ابن آدم! أستسقیتك فلم تسقني))، اے آدم کے بیٹے! میں نے تجھ سے پانی مانگا، تُو نے نہ پلایا، عرض کرے گا: اے رب میرے! میں تجھے کیونکر پلاتا؟! تُو تو ربّ العالمین ہے، فرمائے گا: تجھ سے میرے فلاں بندے نے پانی مانگا، تُو نے نہ پلایا! اگر تُو اُسے پلاتا تو میرے پاس پاتا۔

اس سے بڑھ کر سندِ جلیل کیا ہوگی؟! اللہ اللہ! جب ایک بندے کی بیمار پرسی کرنا، اُسے کھانا دینا، پانی پلانا افعالِ رضائے الٰہی ہونے کے سبب یوں تعبیر کیے گئے، حالانکہ ربّ العالمین ان باتوں سے پاک ہے، تو سید العباد وسید المحبوبین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کیونکر ذکرِ الٰہی نہ ہوگا؟!۔

لاجَرم، ذکرِ ولادت شریف کہ خدا کی رضا اور اُس کی خوشنودی ہی کے لیے کرتے ہیں، اور حضرتِ رسالت کی تعظیم وتوقیر واظہارِ عقیدت وصدقِ محبت، اور نعمتِ ولادت کی شکر گزاری (کہ سب مطلوبِ خدائے قدیر ہیں) ملحوظ رکھتے ہیں، قطعاً اس نظر سے بھی ذکرِ الٰہی تقدّس وتعالیٰ ہے، اور یہ مجلس بعینہٖ مجلس ذکرِ خدا ہے۔

وجہِ چہارم: ''تحفۃ الاخیار ترجمہ مشارق الانوار'' سے منقول ہوا کہ: قرآن وحدیث پڑھنا، لوگوں کو وعظ ونصیحت کرنا، درود وکلمہ پڑھنا، یہ سب ذکر میں داخل ہے، اور ایسی مجلس اِن فضائل کو جو حدیثِ مسلم: ((لا یقعد قوم یذکرون اللّٰہ إلاّ

حفّتهم الملائکة))(۱) وغیرہا(۲) میں مذکور مشتمل، اور خدا کا نام ِ پاک تو ہزاروں بار اس مجلس میں لیا جاتا ہے، تو اس کے مجلسِ ذکرِ الٰہی ہونے میں تردّد و تامّل کیا ہے؟۔

وجہِ پنجم: بحوالہ ''تفسیرِ کبیر''(۳) عنقریب آتا ہے کہ شکر پر اطلاقِ ذکر صحیح ہے، اور مجلس شکرِ الٰہی کی ہے، بمقابلہ نعمتِ ولادتِ باسعادت، اس نظر سے بھی اُسے مجلسِ ذکرِ الٰہی کہنا بجا ہے۔

وجہِ ششم: ذکر کے طرق محدود و متعین نہیں، بلکہ اُس کی کثرت مطلوب ہے، ﴿وَاذْكُرُوْا اللّٰهَ كَثِيْراً﴾(۴)، اور ایک طریقہ اس کے طریقوں سے یہ ہے کہ ذکر فضائل ومَحامدِ خاصانِ خدا کے ضمن میں ہو، خود پروردگارِ عالم نے اپنی مدح وذکر کو قرآن میں بھی ذکر ومدحتِ حضور کا متضمّن کیا، جس کا بیان کریمۂ: ﴿هُوَ الَّذِيْ أَرْسَلَ رَسُوْلَهُ بِالْهُدٰى﴾(۵)، وکریمۂ: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْ أَسْرٰى﴾(۶) وغیرہا آیات سے گزرا۔ کیا ان آیات میں خدا کا ذکر اور اُس کی تعریف نہیں؟! اور طرقِ ذکر میں بدعت کو کیا مداخلت؟۔

ولہٰذا طرقِ اربعہ صوفیۂ کرام نے بہت طرق اِحداث فرمائے، کہ بعض اِن

---

(۱) "صحیح مسلم"، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع...إلخ، ر: ٦٨٥٥، صـ١١٧٣۔

(۲) "شعب الإیمان"، باب في محبّة الله عزّ وجل، ر: ٥٣٠، ١/ ٣٤٣۔

(۳) "التفسیر الکبیر"، البقرة، تحت الآیة: ١٩٨، ٢/ ٣٣٠۔

(۴) پ٢٨، الجمعة: ١٠۔ (۵) پ ٢٨، الصف: ٩۔

(٦) پ١٥، الإسراء: ١۔

سے شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ''قول الجمیل''(۱) میں بیان کیے، اور مجتہد الطائفہ اسماعیل نے بھی ''صراط المستقیم'' میں برقرار وقائم رکھے، بلکہ اور بڑھائے۔

تو ہم بھی اگر وہی طریق جو قرآن میں بھی پایا جاتا ہے، یعنی ذکرِ الٰہی وذکرِ رسول ایک مضمون میں کریں تو کیا حرج ہے؟! بغوی نے ابنِ عباس سے تفسیرِ کریمہ: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِيْراً﴾ (۲) میں ذکر کیا: لم يفرض (۳) اللّٰه على عباده فريضة إلّا جعل لها حدّاً معلوماً، ثمّ عذر أهلها في حال العذر غير الذكر فإنّه لم يجعل له حدّاً ينتهى إليه، ولم يعذر أحداً في تركه إلّا مغلوباً على عقله، وأمرهم به في الأحوال كلّها، قال اللّٰه تعالى: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوْداً وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ﴾ (۴)، وقال

---

(۱) "القول الجميل" (مترجم بالأردية)، چوتھی فصل: مشايخ جيلانية (قادرية) کے اشغال کا بیان، صـ ٦١۔

(۲) پ ۲۲، الأحزاب: ٤١۔

(۳) ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ نے کوئی فرض اپنے بندوں پر ایسا نہ کیا جس کی ایک حد مقرر نہ فرمائی ہو، پھر بحالتِ عذر اُس سے معاف نہ رکھا ہو، سوا ذکر کے؛ کہ اس کی کوئی حد معیّن نہ فرمائی، جس پر محصور ہو، نہ کسی کو اُس کے ترک میں معذور رکھا، مگر جس کی عقل مغلوب ہوجائے، اور بندوں کو ہر حال میں ذکر کا حکم دیا، فرماتا ہے: اللہ کو یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے!، اور فرماتا ہے: اللہ کی یاد بکثرت کرو! رات میں اور دن میں، خشکی میں اور تری میں، تندرستی میں اور بیماری میں، تنہائی میں اور مجلس میں، والحمد للّٰہ ربّ العالمین ۔

(۴) پ ۵، النساء: ۱۰۳۔

اللّٰه تعالى: ﴿اذْكُرُوْا اللّٰهَ ذِكْراً كَثِيْراً﴾ [1] بالليل والنهار في البرّ والبحر والصحّة والسقم في السرّ والعلانية [2]۔

وجہِ ہفتم: امام نووی [3] امام قاضی عیاض سے نقل کرتے ہیں: ذکرِ الٰہی دو قسم ہے: ذکرِ قلب وذکرِ لسان، اور ذکرِ قلب بھی دو قسم ہے: تفکر وتدبّر بر عظمت وجلالِ الٰہی، وجبروت وملکوت وآیاتِ ارض وسماوات میں، اور اسے اعظم وارفع اَقسامِ ذکر لکھتے ہیں۔

اور ذاتِ بابرکات سرورِ کائنات اعظمِ آیاتِ الٰہی ہے، جس کے حالات وصفات میں فکر کرنے سے کمالِ عظمت وجلالِ حضرتِ عزّت ظاہر ہوتا ہے، اور اِرہاصات ومعجزات وغرائبِ واقعات وعجائبِ حالات (کہ وقتِ ولادتِ باسعادت اور اُس کے اوّل وآخر ظہور میں آئے) پڑھنے اور سننے سے بادنیٰ توجہ نہایت قدرت وکمالِ حکمت وقدّوسیتِ جنابِ اَحدیت سمجھی جاتی ہے۔ ولہٰذا پروردگار تقدّس وتعالیٰ نے حضور کے کمالات وعجائبِ واقعات کو اپنی پاکی وعظمت کا بیان ٹھہرایا ہے، اور اپنی قدّوسیت وطہارت کو اُن سے ثابت کیا ہے، کما قال تعالى: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ أَسْرٰى﴾ [4]۔

---

(۱) پ۲۲، الأحزاب: ٤١۔

(۲) "تفسير البغوي" المسمّى بـ"معالم التنزيل"، الأحزاب، تحت الآية: ٤١، ٥٣٤/٣ بتغيّر۔

(۳) "المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجّاج"، الجزء ١٧، صـ١٥۔

(۴) پ١٥، الإسراء: ١۔

وجہِ ہشتم: قاضی ابوالفضل عیاض مالکی رحمہ اللہ تعالیٰ ''شفا'' میں ابنِ عطا سے نقل کرتے ہیں کہ وہ کریمہ: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ [1] کو اس طرح تفسیر کرتے ہیں: جعلت تمام الإيمان بذكري معك [2]۔ حاصل یہ ہے کہ رب عزّ وجل اپنے حبیبِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فرماتا ہے: کسی کا ایمان تمام نہیں ہوتا جب تک تمہیں میرے ساتھ ذکر نہ کرے۔ نفسِ کلمہ ہی میں دیکھیے ہزار بار لا إله إلّا الله کہے، اور اُس کی تصدیق کرے، بدُون محمّد رّسول الله کے ذکر کے کچھ کام نہیں آتا۔

دوسری تفسیر اُنہیں سے نقل فرماتے ہیں: جعلتك ذكراً من ذكري، فمَن ذكرك ذكرني [3]، یعنی اے محبوب! میں نے تجھے اپنا ذکر کیا ہے، جو تیرا ذکر کرے وہ میرا ذکر کرتا ہے۔ اور امام جعفرِ صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں: لا يذكرك أحد بالرسالة إلّا ذكرني بالربوبيّة [4]، کوئی تمہیں رسالت کے ساتھ ذکر نہ کرے گا، مگر مجھے ربوبیت کے ساتھ ذکر کرے گا۔

---

(۱) پ ۳۰، ألم نشرح: ٤۔

(۲) "الشفاء بتعريف حقوق المصطفى"، الباب الأوّل في ثناء الله تعالى عليه وإظهاره...إلخ، الفصل الأوّل، الجزء الأوّل، صـ ۲۱ بتصرّف۔

(۳) "الشفاء بتعريف حقوق المصطفى"، الباب الأوّل في ثناء الله تعالى عليه وإظهاره...إلخ، الفصل الأوّل، الجزء الأوّل، صـ ۲۱ بتصرّف۔

(۴) المرجع السابق۔

دیکھو! ان تفسیرات کے طور پر آیتِ قرآن سے ثابت ہوا کہ ذکرِ حضرتِ (۱)

---

(۱) اضافہ دلائل:

ذکر شریف مولائے عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعینہٖ ذکرِ الٰہی عزّ وعلا ہونے پر آٹھ وجہیں کہ اعلیٰ حضرت سیدنا تاج المحققین قدّس سرّہ المکین الامین نے اِفادہ فرمائیں، بحمد اللہ تعالیٰ کافی وافی ہیں، مگر ذکرِ حبیب حبیبِ قلوب اور زیادت خیرِ خیرِ مطلوب، لہٰذا فقیر غفرلہ المولی القدیر بارہ وجہیں اور بڑھائے؛ کہ بیس کا عدد تکمیل پائے۔

فاقول وباللہ التوفیق: وجہِ نہم: دَیلمی ''مسند الفردوس'' میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ذكر الأنبياء من العبادات وذكر الصالحين كفّارة)) [انظر: "كشف الخفاء ومزيل الإلباس"، حرف الذال، تحت ر: ۱۳۴۵، ۱ /۴۷٦]، ''انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کا ذکر عبادت ہے، اور اولیا کا ذکر گناہوں کا کفارہ''۔ بلکہ وہی حضرت ام المؤمنین صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ذكر عليّ عبادة)) ["الفردوس بمأثور الخطاب"، ر: ۳۱۵۱، ۲ /۲۴۴]، ''علی کا ذکر عبادت ہے''۔ تو ذکرِ اکرم سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجلّ عبادات سے ہے، اور عبادتِ الٰہی اگر ذکرِ الٰہی نہ ہوئی تو اور کیا چیز ذکر ہوگی؟! عبادت تو عبادت حدیث تو ہر طاعت کو ذکرِ الٰہی بتاتی ہے، طبرانی ''معجمِ کبیر'' میں واقد لیثی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَن أطاع الله فقد ذكر الله، وإن قلّت صلاته وصيامه وتلاوته للقرآن)) ["المعجم الكبير"، اسمه واقد، ر: ۴۱۳، ۲۲ /۱۵۴]، ''جس نے اللہ عزّ وجل کی اِطاعت کی بیشک اُس نے خدا کا ذکر کیا، اگرچہ اُس کے نماز، روزے، تلاوت، نوافل تھوڑے ہوں۔

وجہِ دہم: ابو نُعَیم ''حلیہ'' میں عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: رب عزّ وجل فرماتا ہے: ((إنّ أوليائي من عبادي وأحبّائي =

= من خلقي الذين يذكرون بذكري وأذكر بذكرهم)) ["حلية الأولياء"، مقدّمة المصنّف، عمرو بن الجموح، ر:٥، ١ / ٣٦، بتصرّف]، ''بیشک میرے بندوں سے میرے ولی اور میری خلق سے میرے محبوب وہ ہیں کہ میرے ذکر سے اُن کا ذکر ہوتا ہے، اور اُن کے ذکر سے میرا ذکر''۔ یہ حدیث نصِ صریح ہے کہ محبوبانِ خدا کی یاد خدا کی یاد ہے، جلّ وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

وجہِ یازدہم: ابوداود ''سنن'' اور طبرانی ''معجم کبیر'' میں حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((نهينا عن الكلام في الصلاة إلّا بالقرآن والذكر)) ["المعجم الكبير"، عبدالله بن مسعود، ر: ١٠١٢٨، ١٠ / ١١١]، ''ہمیں نماز میں ہر طرح کا کلام منع کیا گیا ہے مگر کلام اللہ یا ذکرِ الٰہی''، هذا لفظ الطبراني، ولأبي داود: ((إنّما الصّلاة لقراءة القرآن وذكر الله تعالى، فإذا كنت فيها فليكن ذلك شأنك)) ["سنن أبي داود"، كتاب الصّلاة، باب تشميت العاطس في الصّلاة، ر: ٩٣١، صـ١٤٢]۔ اور پُر ظاہر کہ نماز میں ((السلام عليك أيّها النّبي ورحمة الله وبركاته!)) بھی ہے، ((أشهد أنّ محمّداً عبده ورسوله)) بھی ہے، اللّٰهمّ صلّى على سيّدنا محمّد وعلى آل سيّدنا محمّد...إلخ، اللّٰهمّ بارك على محمّد وعلى آل محمّد...إلخ بھی ہے، یہ سب ذکرِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، تو اگر ذکر شریف بعینہٖ ذکرِ خدا نہ ہو، بحکمِ حدیث نماز میں روا نہ ہو۔

وجہِ دوازدہم: ''سننِ نسائی شریف'' میں جابر بن عبداللہ وجابر بن عمیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بسندِ حسن مروی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((كلّ شيء ليس من ذكر الله فهو لهو ولعب، إلّا أن يكون أربعة: ملاعبة الرجل امرأته، وتأديب الرجل فرسَه، ومشي الرجل بين الغرضين، وتعليم الرجل السباحة)) ["السنن الكبرى"، للنَسائي، أبواب الملاعبة، ملاعبة الرجل زوجته، ر: ٨٩٣٨، ٥ /٣٠٢]، جو چیز ذکرِ =

=الٰہی سے نہیں وہ سب کھیل کود ہے مگر چار باتیں: مرد کا اپنی عورت سے کھیلنا، اپنا گھوڑا سدھانا، اور چاند ماری کے میدان میں چلنا، اور تیرنے کی تعلیم۔

سیزدہم: بزّار حضرتِ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((الدنيا ملعونة ملعون ما فيها، إلاّ أمراً بمعروف، أو نهياً عن منكر، أو ذكر الله)) ["مسند البزّار"، مسند عبدالله بن مسعود، ر: ١٧٣٦، ٥/١٤٥]، ''دنیا پر لعنت ہے، اور جو کچھ دنیا میں ہے سب پر لعنت ہے، مگر اچھے کام کا حکم دینا، یا برے کام سے منع کرنا، یا خدا کا ذکر''۔

چہاردہم: ترمذی [''جامع الترمذي''، كتاب الزهد، باب منه حديث كلّ كلام...إلخ، ر: ٢٤١٢، صـ٥٤٩ بتغيّر] ابنِ ماجہ [''سنن ابن ماجه''، كتاب الفتن، باب كفّ اللسان في الفتنة، ر: ٣٩٧٤، صـ٣٤ بتغيّر] حاکم ["المستدرَك"، كتاب التفسير، تفسير سورة عمّ يتساء لون، ر: ٣٨٩٢، ٤/ ١٤٥٧ بتغيّر]، بیہقی حضرتِ امّ المؤمنین امِ حبیبہ بنتِ ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((كلام ابن آدم كلّه عليه لا له، إلاّ أمراً بمعروف أو نهياً عن منكر، أو ذكر الله عزّ وجل)) ["شعب الإيمان"، باب في حفظ اللسان، ر: ٤٩٥٤، ٤/٧٧٦ بتصرّف] ''فرزندِ آدم کا ہر کلام اُس کو مضر ہے، اُس کے نفع کا نہیں، مگر بھلائی کا حکم، یا برائی سے روکنا، یا اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

پانزدہم: ''صحیح بخاری'' میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مثل الذي يذكر ربّه والذي لا يذكر ربّه، مثل الحي والميّت)) ["صحيح البخاري"، كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله، ر: ٦٤٠٧، صـ١١١٢]، ''جو اپنے رب کا ذکر کرتا ہے اور جو نہیں کرتا اُن کی کہاوت ایسی ہے=

= جیسے زندہ اور مردہ"۔ "صحیحِ مسلم" میں یہ حدیث یوں ہے: ((مثل البیت الذي یذکر اللّٰہ فیه والبیت الذي لا یذکر اللّٰہ فیه، مثل الحي والمیّت)) ["صحیح مسلم"، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ النافلۃ في بیته...إلخ، ر: ۱۸۲۳، صـ۳۱۷]، "جس گھر میں خدا کا ذکر ہوتا ہے اور جس میں نہیں ہوتا اُن کی مثال زندہ و مردہ کی مانند ہے"۔

شانزدہم: امام ترمذی محمد بن علی بسندِ حسن ["نوادر الأصول في معرفة أحادیث الرسول"، الأصل التاسع والخمسون والمئتان في دفع الوسوسة، ر: ۱۷۱٦، صـ٦۰٥ بتصرّف] اور ابنِ ابی الدنیا ["التوبة"، الصراع بین الإنسان والشیطان، ر: ۹۲، صـ۱۷۰] وابویعلی ["مسند أبي یعلی"، مسند أنس بن مالك، ر: ٤۳۰۱، ۳/۳۷٦ بتصرّف] وبیہقی حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((الشیطان یلتقم قلب ابن آدم، فإذا ذکر اللّٰہ خنس عندہ وإذا نسي التقم قلبه)) ["شعب الإیمان"، باب في محبّة اللّٰہ عزّ وجل، ر: ٥٤۰، ۱/۳٤٦ بتغیّر] "شیطان آدمی کا دل اپنے مونھ میں لیے رہتا ہے، جب بندہ خدا کا ذکر کرتا ہے اُس وقت دبک جاتا ہے، اور جب غافل ہوتا ہے پھر دل کو مونھ میں لے لیتا ہے"۔

ہفدہم: متعدد حدیثوں سے ثابت کہ "آدمی پر جلوت یا خلوت میں جو ساعت یادِ خدا سے خالی گزرے گی وہ روزِ قیامت اُس پر حسرت وندامت اور اللہ عزّ وجل کی طرف سے مواخذے کی باعث ہوگی"، طبرانی "معجمِ کبیر" ["المعجم الکبیر"، قطعة من المفقود، ر: ۱٦٦۹، ۲۰ /۲۲۱] و "وسیط" میں بسندِ صحیح ["المعجم الأوسط"، مَن اسمه علي، ر: ۳۷٤٤، ۳ / ۲۰]، اور بیہقی حضرتِ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ما من قوم اجتمعوا في مجلس فتفرّقوا ولم یذکروا اللّٰہ، إلّا کان ذلك المجلس حسرة علیهم یوم القیامة)) ، ["شعب =

= الإيمان"، باب في محبّة الله عزّ وجل، ر: ٥٣٣، ١ / ٣٤٤، ٣٤٥ بتغيّر]، بیہقی بسندِ جید["شعب الإيمان"، باب في محبّة الله عزّ وجل، ر: ٥١٢، ١ / ٣٣٦]، اور طبرانی حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ليس يتحسّر أهل الجنّة إلّا على ساعة مرّت بهم لم يذكروا الله فيها)) ["المعجم الكبير"، معاذ بن جبل، ر: ١٨٢، ٢٠ / ٩٤]، ابوداود["سنن أبي داود"، كتاب الأدب، باب كراهية أن يقوم الرجل من مجلسه...إلخ، ر: ٤٨٥٦، صـ٦٨٥، ٦٨٦] وترمذی بإفادۂ تحسین["جامع الترمذي"، كتاب الدعوات، باب ما جاء في القوم يجلسون ولا يذكرون الله، ر: ٣٣٨٠، صـ٧٧٢ بتصرّف] ،اور ابنِ ابی الدنیا وبیہقی حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَن قعد مقعداً لم يذكر الله فيه كانت عليه من الله ترة))...الحديث ["شعب الإيمان"، با ب في محبّة الله عزّ وجل، ر: ٥٤٤، ٣٤٧/١ بتغيّر]۔ ابنِ ابی الدنیا وبیہقی حضرتِ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((ما من ساعة تمرّ بابن آدم ليذكر الله فيها بخير، إلّا تحسّر عليها يوم القيامة)) ["شعب الإيمان"، باب في محبّة الله عزّ وجل، ر: ٥١١، ١ / ٣٣٦]۔

ہیجدہم: احادیث سے ثابت کہ "مجلس غیر ذکرِ الٰہی کی بد بو مرے ہوئے گدھے کی مثل، بلکہ اس سے بھی بدتر ہوتی ہے"۔ امام احمد بسندِ صحیح ["المسند"، مسند أبي هريرة، ر: ١٠٨٢٧، ٣ /٦٢١] ، وابو داود ["سنن أبي داود"، كتاب الأدب، باب كراهية أن يقوم...إلخ، ر: ٤٨٥٥، صـ٦٨٥ بتغيّر] وحاکم بإفادۂ تصحیح حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((ما من قوم يقومون من مجلس لا يذكرون الله ـعزّ وجلّ ـ فيه، إلّا قاموا عن مثل جيفة حمار، وكان =

= عليهم حسرة يوم القيامة)) ["المستدرَك"، كتاب الدعاء و التكبير، ر: ۱۸۰۸، ۲/۶۹۱]۔ ابوداود طیالسی رضی اللہ عنہ "مسند أبي داود الطيالسي"، مسند جابر رضي الله عنه، ر: ۱۷۵۶، ۱ / ۲٤۲ امام بیہقی "شعب الایمان"، اور ضیاء "مختارہ" میں بسندِ صحیح راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ما اجتمع قوم ثمّ تفرّقوا عن غير ذكر الله وصلاة على النّبي -صلّى الله تعالى عليه وسلّم- إلّا قاموا عن أنتن من جيفة)) ["شعب الإيمان"، باب في تعظيم النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلم...إلخ، ر: ۱۵۷۰، ۲/۶۸۳]۔

نوزدہم: "جامع ترمذی" میں حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((لا تكثر الكلام بغير ذكر الله تعالى؛ فإنّ كثرة الكلام بغير ذكر الله قسوة القلب، وإنّ أبعد النّاس من الله القلب القاسي)) ["جامع الترمذي"، أبواب الزهد، باب النهي عن كثرة الكلام إلّا بذكر الله، ر: ۲٤۱۱، ص۵٤۹]، "غیرِ ذکرِ خدا میں کلام بہت نہ کر؛ کہ اس سے دل سخت ہوتا ہے، اور سب سے زیادہ خدا سے دُور سخت دل ہے"۔

بستم: بیہقی "شعب الایمان" میں مکحول سے مرسلاً راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((إنّ ذكر الله تعالى شفاء، وإنّ ذكر النّاس داء)) ["شعب الإيمان"، باب في محبّة الله عزّ وجل، الفصل الثاني في ذكر آثار وأخبار ووردت في ذكر الله عزّ وجل، ر: ۷۱۷، ۱ / ۳۹۹، ٤۰۰]، "بیشک اللہ تعالیٰ کا ذکر شفا ہے، اور بیشک آدمیوں کا ذکر بیماری ہے"۔ ابنِ ابی الدنیا امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد روایت کرتے ہیں: لا تشغلوا أنفسكم بذكر النّاس؛ فإنّه بلاء وعليكم بذكر الله ["ذمّ الغيبة والنميمة"، باب لا تشغلوا...إلخ، ر: ۵٦، ۱/٦۱]، ذکرِ مردم میں مشغول نہ ہو؛ کہ وہ بلا=

رسالت ذکرِ خدائے تعالیٰ ہے۔ اب اصل دلیل کے کبریٰ کا ثبوت لیجیے! امام مسلم (۱) ابو ہریرہ وابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالی علیه وسلّم: ((لا یقعد قوم یذکرون اللّٰہ إلّا حفّتهم الملائکة، وغشیتهم الرحمة، ونزلت علیهم السکینة، وذکرهم اللّٰہ

= ہے، ذکرِ خدا میں لگے رہو۔ دوازدہم سے یہاں تک کی حدیثوں میں جو شناعتیں، قباحتیں، مذمتیں غیرِ ذکرِ الٰہی کی مذکور ہوئیں کہ وہ کھیل کود ہے، ملعون ہے، مضر ہے، موت ہے، دل کو شیطان کے مونھ میں دینے والا ہے، روزِ قیامت حسرت وندامت ہے، مواخذۂ الٰہیہ کا باعث ہے، مرے گدھے کی مثل بدبو ہے، دل کو سخت اور خدا سے دُور کرنے والا ہے، بیماری ہے، بلا ہے، مسلمان کا ایمان گواہ ہے کہ ذکر شریفِ حضور سیدِ عالَم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان آفات سے پاک ومبرّا ہے، اُن کے غلاموں کے ذکر کے وقت رحمت اترتی ہے: ((عند ذکر الصالحین تنزّل الرحمة)) [''کشف الخفاء''، حرف العین المهملة، ر: ۱۷۷۲، ۲/ ۸۱]، اُن کا ذکر تو ارفع واعلیٰ ہے، لاجرم بالیقین اُن کا ذکرِ پاک بعینہٖ ذکرِ مولیٰ تعالیٰ ہے، والحمد للہ ربّ العالمین۔

حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ العالی۔

(۱) یہ حدیث امام احمد [''المسند''، مسند أبي هریرة، ر:۹۷۷۹، ۳/ ۴۰۶، ۴۰۷] وترمذی [''جامع الترمذي''، کتاب الدعوات، باب ما جاء في القوم...إلخ، ر:۳۳۷۸، صـ۷۷۱] وابنِ ماجہ [''سنن ابن ماجه''، کتاب الأدب، باب فضل الذکر، ر: ۳۷۹۱، صـ۶۳۹] وابنِ حبّان [''صحیح ابن حِبّان''، کتاب الرقائق، ذکر صفوف الملائکة...إلخ، ر:۸۵۲، صـ۱۹۰] وابو نُعَیم [''حلیة الأولیاء''، عبد الرحمن بن مهدي، ر: ۱۲۹۳۶، ۹/ ۲۵ بتغیّر] نے بھی اُن سے روایت کی۔

حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ۔

فیمن عندہ)) [۱]، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''کوئی قوم نہیں بیٹھتی کہ خدا کو یاد کریں مگر فرشتے اُنہیں گھیر لیتے ہیں، اور رحمت اُنہیں ڈھانپ لیتی ہے، اور سکینہ اُن پر نازل ہوتا ہے، اور خدائے تعالیٰ اُس جماعت میں جو اُس کے پاس ہے اُن کا ذکر کرتا ہے''۔

اور ''صحیحین''[۲] کی حدیث میں مرفوعاً وارد: ((یقول اللہ تعالی: أنا عند ظنّ عبدي بي، وأنا معه إذا ذکرني، فإن ذکرني في نفسه ذکرتُه في

---

(۱) "صحیح مسلم"، کتاب الذکر والدعاء، باب فضل الاجتماع...إلخ، ر: ٦٨٥٥، صـ١١٧٣۔

(۲) یہ حدیث بخاری ومسلم وترمذی["جامع الترمذي"، کتاب الدعوات، باب في حسن الظنّ باللّٰہ...إلخ، ر: ٣٦٠٣، صـ ٨٢٠ بتغیّر] ونسائی["السنن الکبری"، ذکر أسماء اللّٰہ تعالی وتبارك، ر: ٧٧٣٠، ٤/ ٤١٢ بتصرّف] وابنِ ماجہ نے ابو ہریرہ["سنن ابن ماجه"، کتاب الأدب، باب فضل العلم، ر: ٣٨٢٢، صـ٦٤٤]، اور احمد نے بسندِ صحیح انس بن مالک["المسند"، مسند أنس بن مالك بن النضر، ر: ١٢٤٠٨، ٤/ ٢٧٧ بتغیّر]، اور طبرانی["المعجم الکبیر"، أحادیث عبد اللّٰہ بن عبّاس، ر: ١٢٤٨٤، ١٢/ ٥٠] وبزّار نے بسندِ جید، اور بیہقی نے ''شعب الایمان'' میں ابنِ عباس["شعب الایمان"، باب في محبّة اللّٰہ عزّ وجل، ر: ٥٥١، ١/ ٣٥٠ بتغیّر]، اور طبرانی نے بسندِ حسن معاذ بن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی، ولفظ هذا: ((لا یذکرني في ملأ إلّا ذکرته في الرفیق الأعلی)) ["المعجم الکبیر"، معاذ بن أنس، ر: ٣٩١، ٢٠/ ١٨٢] حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ۔

نفسي، وإن ذكرني في ملأ ذكرتُه في ملأ خير منهم)) [1]، "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اپنے بندے کے اُس گمان کے پاس ہوں جو میرے ساتھ رکھتا ہے، اور اُس کے ساتھ ہوں جب مجھے یاد کرتا ہے، تو اگر مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے میں اکیلا اُسے یاد کرتا ہوں، یعنی پوشیدہ ثواب دیتا ہوں۔ کذا قالوا۔ اور جو اپنے لوگوں کی جماعت میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اُن سے بہتر جماعت میں اُس کا ذکر کرتا ہوں۔

اور قرآن مجید میں بھی ارشاد ہوتا ہے: ﴿فَاذْكُرُوْنِيْٓ أَذْكُرْكُمْ﴾ [2]، تم مجھے یاد کرو کہ میں تمہیں یاد کروں، اور دوسری جگہ فرماتا ہے: ﴿فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ [3]، وقال عزّ وجل: ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوْا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا﴾ [4]۔

دیکھو! ان دو آیتوں میں ذکرِ مَجامع میں بالتصریح طلب فرمایا ہے، اور مجالسِ ذکر میں حاضر ہونے کی بھی تحریص [5] وترغیب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

(۱) "صحيح البخاري"، كتاب التوحيد، باب قول الله تعالى ويحذركم...إلخ، ر: ۷٤۰٥، صـ۱۲۷۳، و"صحيح مسلم"، كتاب الذكر والدعاء، باب الحث على ذكر الله تعالى...إلخ، ر: ٦٨٠٥، صـ١١٦٦۔

(۲) پ۲، البقرة: ۱٥۲۔

(۳) پ۲، البقرة: ۱۹۸۔

(۴) پ۲، البقرة: ۲۰۰۔

(۵) زیادتِ احادیث:

تین حدیثیں متن میں ابھی گزریں، اور تین کا پتا ہم نے اُن کے حاشیہ پر دیا، آٹھ متن=

= میں یہاں آتی ہیں، اور تین کا پتا اُن کے حواشی پر ہوگا، اور ایک حدیث متن اور دو حاشیے میں ثبوت تداعی کی بحث میں عنقریب آتی ہیں، سب بیس ہوئیں، حدیث ۲۱: بیہقی ''شعب الایمان'' میں حضرتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((لأن أذكر اللّٰه تعالى مع قوم بعد صلاة الفجر إلى طلوع الشمس أحبّ إليّ من الدنيا وما فيها، ولأن أذكر اللّٰه تعالى مع قوم بعد صلاة العصر إلى أن تغيب الشمس أحبّ إليّ من الدنيا وما فيها)) ["شعب الإيمان"، باب في محبّة اللّٰه عزّ وجل، فصل في إدامة ذكر اللّٰه عزّ وجل، ر: ۵۵۹، ۱/ ۳۵۲]، ''مجھے اپنا ایک گروہ کے ساتھ بیٹھ کر نمازِ فجر کے بعد طلوعِ آفتاب تک ذکرِ الٰہی کرنا تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے، اور مجھے اپنا ایک جماعت کے ساتھ بیٹھ کر نمازِ عصر کے بعد غروبِ شمس تک یادِ خدا کرنا تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز ہے۔ حدیث ۲۲ تا ۲۵: امام احمد ["المسند"، مسند أنس بن مالك بن النضر، ر: ۱۲۴۵٦، ٤/ ۲۸٦] وابو یعلیٰ ["مسند أبي يعلى"، مسند أنس بن مالك، ر: ٤۱٤۱، ۳/ ۳۲۸] وسعید بن منصور [انظر: "كنز العمّال"، كتاب الأذكار من قسم الأقوال، ر: ۱۸۸٤، ۱/ ۲۲۳ نقلاً عن سعيد بن منصور] وبزّار وطبرانی ["المعجم الأوسط"، مَن اسمه أحمد، ر: ۱۵۵٦، ۱/ ٤۲٤] وابنِ شاہین ["الترغيب في فضائل الأعمال وثواب ذلك"، ر: ۱٦۰، صـ۱۸۲] وضیا بسندِ صحیح حضرتِ انس بن مالک ["الأحاديث المختارة"، ر: ۲٦۷۷، ۷/ ۲۳۵، ۲۳٦] ، اور طبرانی ["المعجم الكبير"، ر: ۵۹۷۔ سهيل بن الحنظلة، ر: ٦۰۳۹، ٦/ ۲۱۲] وبیہقی ["شعب الإيمان"، باب في محبّة اللّٰه عزّ وجل، ر: ٦۹۵، ۱/ ۳۹٤، ۳۹۵] وضیا ["الأحاديث المختارة"،تحت ر: ۲٦۷۸، ۷/ ۲۳٦] وحسن بن سفیان [انظر: "كنز العمّال"، كتاب الأذكار من قسم الأقوال، ر: ۱۸۸٦، ۱/ ۲۲۳ نقلاً عن الحسن بن سفيان] بسندِ حسن حضرتِ سہیل بن الحنظلہ، اور عسکری وابو موسیٰ ''کتاب الصحابہ'' میں حنظلہ =

= عبشمی [انظر: "كنز العمّال"، كتاب الأذكار من قسم الأقوال، ر: ۱۸۸۸، ۲۲۳/۱ نقلاً عن العسكري وأبو موسى]، اور بیہقی ''شعب الایمان'' میں حضرتِ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بالفاظِ متقاربہ راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ما من قوم احتمعوا يذكرون الله -عزّ وجل- لا يريدون بذلك إلاّ وجهه، إلاّ ناداهم مناد من السماء أن قوموا مغفوراً لكم قد بدّلت سيئاتكم حسنات)) ["شعب الإيمان"، باب في محبّة الله عزّ وجل، ر: ۵۳۴، ۳۰۴/۱ بتغيّر]، ''لوگ مجتمع ہوکر ذکرِ الٰہی خاص برائے رضائے الٰہی کرتے ہیں، آسمان سے منادی انہیں ندا کرتا ہے: اُٹھو! تم سب بخشے گئے تمہاری برائیاں نیکیوں سے بدل دی گئی ہیں''۔ حدیث ۲۶: ابنِ ابی الدنیا وابو یعلی ["مسند أبي يعلى"، مسند جابر، ر: ۱۸۶۶، ۱۳۸/۲] وبزّار [انظر: "كنز العمّال"، كتاب الأذكار من قسم الأقوال، ر: ۱۸۷۸، ۱ /۲۲۳ نقلاً عن البزار] وطبرانی ''اوسط'' ["المعجم الأوسط"، مَن اسمه إبراهيم، ر: ۲۵۰۱، ۲ /۵۸ ملخّصاً] وحکیم ["نوادر الأصول"، الأصل الثالث والثلاثون والمئة فيما يعلم به منزلة العبد عند الله تعالى، ر: ۸۷۶، صـ۳۲۱] وحاکم ["المستدرَك"، كتاب الدعاء والتكبير، ر: ۸۱۲۰، ۶۹۵/۲] وبیہقی ''شعب'' ["شعب الإيمان"، باب في محبّة الله عزّ وجل، ر: ۵۲۸، ۳۴۲/۱ بتغيّر]، وابنِ شاہین [انظر: "كنز العمّال"، كتاب الأذكار من قسم الأقوال، ر: ۱۸۷۳، ۱ /۲۲۲ نقلاً عن ابن شاهين] وابنِ عساکر حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((يأيّها النّاس! إنّ لله سرايا من الملائكة تحلّ وتقف على مجالس الذكر في الأرض، فارتعوا في رياض الجنّة))، ''اے لوگو! اللہ عزّ وجل کے کچھ لشکر فرشتوں سے ہیں کہ زمین میں مجالسِ ذکر پر اُترتے اور ٹھہرتے ہیں، تو جنّت کی کیاریوں میں چرو!''، عرض کی گئی: جنّت کی کیاریاں کیا ہیں؟ فرمایا: ((مجالس الذكر)) ["تاريخ دمشق"، ر: ۷۰۴۳ =

سے بتصریحِ تمام ثابت، أخرج الترمذي[1] عن أنس قال: قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالی علیه وسلّم: ((إذا مررتم بریاض الجنّة فارتعوا)) قالوا:

= محمّد بن موسی بن فضالة، ٥٦ / ٨٠]، ''ذکر کی مجلسیں''۔حدیث ۲۷:ابوالشیخ ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:((کلّ مجلس یذکر اسم اللّٰہ فیه تحفّ به الملائکة یقولون: زیدوا زادکم اللّٰہ، والذکر یصعد بینهم وهم ناشروا أجنحتهم)) [انظر: "کنز العمّال"، کتاب الأذکار من قسم الأقوال، ر: ١٨٧٦، ١ /٢٢٢ نقلاً عن أبي الشیخ]، ''جس مجلس میں مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کا نامِ پاک ذکر کیا جاتا ہے فرشتے اُسے سب طرف سے گھیر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ذاکرین سے کہتے ہیں: اور بڑھاؤ اللہ تمھیں بڑھائے!، ذکر اُن کے درمیان سے اُٹھتا ہوتا ہے اور فرشتے اپنے پر اُن پر پھیلائے ہوتے ہیں''، ربّ اجعلنا منهم، آمین!۔ اللہ اللہ! اللہ ورسول وملائکہ کے نزدیک اس مجلسِ مبارک کی کیا کیا فضیلتیں ہیں! اور وہابیہ کی آنکھیں بند، والعیاذ باللّٰہ ربّ العالمین، ولا حول ولا قوّة إلاّ باللّٰہ العلي العظیم ۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّظلہ۔

(۱) وحسّنه ["جامع الترمذي"، کتاب الدعوات، باب [حدیث في أسماء اللّٰہ الحسنی مع ذکرها تماماً]، تحت ر: ٣٥١٠، صـ ٨٠٠] وکذا أحمد ["المسند"، مسند أنس بن مالك، ر:١٢٥٢٥، ٤ /٣٠٢] والبیهقي في "الشعب" ["شعب الإیمان"، باب في محبّة اللّٰہ عزّ وجل، ر: ٥٢٩، ١/ ٣٤٢]، ورواه ابن شاهین في "ترغیب الذکر" عنه ["الترغیب في فضائل الأعمال وثواب ذلك"، ر:١٦٢، صـ١٨٤]، وعن أبي هریرة رضي اللّٰہ تعالی عنهما [انظر: "کنز العمال"، کتاب الأذکار، ر: ١٨٨٠، ١/ ٢٢٣ نقلاً عن ابن شاهین] ۔

وما رياض الجنّة؟ قال: ((حلق الذكر)) (۱)، یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''جب تم بہشت کے مرغزاروں کی طرف سے گزرو تو اُن میں چرو!'' صحابہ نے عرض کی: جنّت کے مرغزار کیا ہیں؟ فرمایا: ''ذکر کے حلقے''۔

''صحیح بخاری'' (۲) و''صحیح مسلم'' کی حدیث میں ہے کہ ''فرشتے ایسی مجالس کو تلاش کرتے پھرتے ہیں، جب اُنہیں پاتے ہیں تو زمین وآسمان کا جوف اُن سے بھر جاتا ہے اس قدر ہجوم کرتے ہیں'' (۳)۔ یہ حدیث طویل وجمیل بہت جانفزا ہے، جس کے آخر نے تمام اہلِ مجلس کی مغفرت کا مژدہ دیا ہے، یہاں تک کہ وہ بھی جو اپنے کسی کام کو آیا اور اِن میں بیٹھ گیا تھا، وللہ الحمد۔

احمد وابویعلی ابنِ حبّان وبیہقی وغیرہم (۴) ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

(۱) "جامع الترمذي"، كتاب الدعوات، باب [حديث في أسماء الله الحسنى...إلخ]، ر: ۳۵۱۰، صـ۸۰۰۔

(۲) یہ حدیث شیخین وغیرہما نے ابو ہریرہ، اور بزّار نے انس، اور طبرانی نے ''صغیر'' میں ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی ["المعجم الصغير"، مَن اسمه موسى، الجزء الثاني، صـ۱۰۹]۔

(۳) "صحيح البخاري"، كتاب الدعوات، باب فضل ذكر الله عزّ وجل، ر: ٦٤٠٨، صـ١١١٢، ١١١٣ ملتقطاً، و"صحيح مسلم"، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل مجالس الذكر، ر: ٦٨٣٩، صـ١١٧٠،١١٧١ ملتقطاً۔

(۴) كسعيد بن منصور في "سننه" [انظر: "كنز العمّال، كتاب الأذكار، الباب الأوّل في الذكر وفضيلته، قسم الأقوال، ر: ۱۹۲۷، ۱/ ۲۲۷ نقلاً عن ص]، وابن =

سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((سیعلم أھل الجمع من أھل الکرم))، ''اب جانے جاتے ہیں سب جمع شدہ لوگ کہ کرم والے کون ہیں!''، کسی نے عرض کی: یارسول اللہ! وہ کرم والے کون ہیں؟ فرمایا: ((أھل مجلس الذکر)) [١]، ''مجلسِ ذکر والے''۔

امام احمد [٢] بسندِ حسن حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی

قلتُ: یارسول اللّٰہ! ما غنیمة مجالس الذکر؟ قال: ((غنیمة مجالس الذکر الجنّة)) [٣]، میں نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! مجلسِ ذکر کی غنیمت کیا ہے؟ فرمایا: ''جنّت''۔

= شاھین في "الترغیب" [انظر: "کنز العمّال، کتاب الأذکار، الباب الأوّل في الذکر وفضیلته، قسم الأقوال، ر: ١٩٢٧، ١/ ٢٢٧ نقلاً عن ابن شاھین في "الترغیب في الذکر"]۔

(١) "المسند" للإمام أحمد، مسند أبي سعید الخدري، ر:١١٦٥٢، ٤/ ١٣٧، "صحیح ابن حِبّان"، کتاب الرقائق، ذکر ما یکرم اللّٰہ...إلخ، ر: ٨١٣، صـ١٨٩، "مسند أبي یعلی"، مسند أبي سعید الخدري، ر: ١٠٤٧، ١/ ٣٣٦، و"شعب الإیمان"، باب في محبّة اللّٰہ عزّ وجل، ر:٥٣٥، ١/ ٣٤٥۔

(٢) ورواہ أیضاً الطبراني في "الکبیر" [انظر "مجمع الزوائد"، کتاب الأذکار، باب ما جاء في مجالس الذکر، ر: ١٦٧٧٣، ١٠/ ٥٨ نقلاً عن الطبراني]۔ حضرت عالمِ اہلِ سنت مدّ ظلہ العالی۔

(٣) "المسند"، مسند عبداللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنھما، ر: ٦٦٦٣، ٢/ ٥٩١۔

طبرانی بسندِ صالح عمرو بن عبسہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''رحمٰن کے دہنے ہاتھ پر (اور اُس کے دونوں ہاتھ دہنے ہیں) کچھ لوگ ہوں گے جن کے چہروں کا نور نگاہوں کو خیرہ کرے گا، اُن کی مجلس وقربِ بارگاہ پر بڑے بڑے غبطہ کریں گے، عرض کی گئی: یارسول اللہ! وہ کون ہیں؟ فرمایا: ''متفرق قبیلوں کے جمع ہونے والے کہ ذکرِ الٰہی کے لیے اکٹھے ہوئے ہیں''[(۱)]۔

نیز بسندِ حسن ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ روزِ قیامت کچھ لوگ اُٹھائے گا نورانی چہرے، موتی کے منبر پر بیٹھے، لوگ اُن پر رشک لے جائیں گے، وہ نہ نبی ہوں گے، نہ شہید''، ایک اَعرابی نے عرض کی: ہمیں اُن کا وصف بتایئے؛ کہ ہم اُن کو پہچانیں، فرمایا: ''وہ اللہ کے لیے باہم دوستی رکھنے والے ہیں، مختلف قبیلوں، مختلف شہروں سے ذکرِ الٰہی پر جمع ہوکر یادِ خدا کرتے ہیں''[(۲)]۔

''اِحیاء العلوم'' میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول: آسمان والے یعنی فرشتے اہلِ زمین کے گھروں کو جن میں خدائے تعالیٰ کا ذکر کیا جاتا ہے یوں دیکھتے ہیں جیسے اہلِ زمین ستاروں کو۔ اور انعقادِ مجلسِ ذکر وشکر کے لیے صحابۂ کرام سے اور حضور کا پسند فرمانا اور اُنہیں بشارت دینا حدیثِ مسلم سے ثابت ہے، اور ایسی

---

(۱) انظر: "مجمع الزوائد"، كتاب الأذكار، باب ما جاء في مجالس الذكر، ۱۰/ ۵۷، ۵۸ نقلاً عن الطبراني۔

(۲) انظر: "مجمع الزوائد"، كتاب الأذكار، باب ما جاء في مجالس الذكر، ۱۰/ ۵۷۔

مجلس میں لوگوں کا بلانا اور اس دولت میں مسلمان بھائیوں کو شریک کرنا[1]۔

اوّلاً: امر بالمعروف ودعوت الی الخیر، اور اُن کی خیر خواہی ونصیحت ہے۔

ثانیاً: تکثیرِ ذکر بنصِ قرآن مطلوب ﴿اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا﴾[2]، اور اس کی تقلیل بتصریحِ کتاب اللہ نفاق کی علامت ﴿لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا﴾[3]، اور تداعی اور اس میں اہتمام، کثرت ودفعِ قلت میں دخلِ تام رکھتا ہے۔

ثالثاً: خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسی مجلس میں حاضر ہونے کی تحریص وترغیب فرمائی جس کی بعض احادیث ابھی گزریں۔

رابعاً: ''صحیح بخاری'' کی حدیث میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((إنّ للہ ملائكة يطوفون في الطرق يلتمسون أهل الذكر، فإذا وجدوا قوماً يذكرون اللّٰهَ تنادوا هلمّوا إلى حاجتكم!))[4]، تحقیق اللہ عزّ وجل کے لیے کچھ فرشتے ہیں کہ راہوں میں گشت لگاتے ہیں، اہلِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں، جب کسی قوم کو ذکرِ خدا کرتے پاتے

---

(۱) "إحياء علوم الدين"، كتاب الأذكار والدعوات، الباب الأوّل في فضيلة الذكر وفائدته...إلخ، فضيلة مجالس الذكر، ۱ /۳۵۲۔

(۲) پ۲۲، الأحزاب: ٤١۔

(۳) پ٥، النساء: ١٤٢۔

(۴) "صحيح البخاري"، كتاب الدعوات، باب فضل ذكر اللّٰه، ر: ٦٤٠٨، صـ١١١٢۔

ہیں، آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں: اپنی حاجت کی طرف آؤ!۔

دیکھو! ایسی مجالس کی تلاش اور ایک کا دوسرے کو خبر کرنا اور بلانا حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فعلِ ملائکہ سے نقل فرماتے۔

خامساً: امام غزالی (۱) ''اِحیاء العلوم'' میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل کہ: بازار کو گئے اور لوگوں سے کہا: میں تمہیں یہاں دیکھتا ہوں، اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث مسجد میں تقسیم ہوتی ہے! لوگ یہ سن کر بازار چھوڑ کر مسجد کو گئے، نہ وہاں کچھ میراث دیکھی، نہ کوئی شے تقسیم ہوتی پائی، ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا: ہم نے وہاں کچھ نہ پایا، فرمایا: تم نے کچھ دیکھا؟! کہا: ہاں، ایک قوم خدا کا

---

(۱) یہ حدیث طبرانی نے ''معجمِ صغیر'' میں اس طرح روایت کی: قالوا: رأينا قوم يذكرون الله عزّ وجل، ويقرأون القرآن قال: فذلك ميراث محمّد صلّى الله تعالى عليه وسلّم ، اور اسی کو طبرانی نے ''معجمِ اوسط'' میں بسندِ حسن یوں روایت کیا کہ: ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بازارِ مدینہ پر گزرے، وہاں کھڑے ہو کر آواز دی: اے بازار والو! تم کس قدر طلبِ خیر سے عاجز ہو! اُنہوں نے عرض کی: کیا ہوا؟ فرمایا: ذاك ميراث رسول الله ـ صلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ يقسّم وأنتم هاهنا! ألا تذهبوا فتأخذون نصيبكم منه! ["المعجم الأوسط"، مَن اسمه أحمد، ر: ١٤٢٩، ١/ ٣٩٠ بتغيّر]، یہ میراث رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقسیم ہورہی ہے اور تم یہاں بیٹھے ہو! کیوں نہیں جاتے کہ اپنا حصہ اس سے لو! بولے: کہاں؟ فرمایا: مسجد میں، وہ دوڑے اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ٹھہرے، یہاں تک کہ پلٹے فرمایا: کیسے لوٹے؟ کہا: مسجد میں گئے وہاں کچھ بٹتے نہ دیکھا، فرمایا: تم نے مسجد میں کوئی شخص نہ پایا؟ کہا: ہاں کچھ لوگ دیکھے کہ نماز پڑھتے، کچھ تلاوتِ قرآن، کچھ ذکر و مذاکرۂ حلال وحرام میں ہیں، فرمایا: افسوس تم پر یہی تو محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث ہے۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ۔

ذکر اور تلاوتِ قرآن کرتی نظر آئی، فرمایا: یہی تو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث ہے کہ وہاں تقسیم ہوتی تھی (۱)۔

یہ مجالسِ (۲) ذکر سے لوگوں کو اطلاع دینا اور اجتماع میں سعی واہتمام کرنا

---

(۱) "الإحياء"، كتاب الأذكار والدعوات، الباب الأوّل في فضيلة...إلخ، ۱/۳۵۲۔

(۲) اقول وباللہ التوفیق: سادساً: امام احمد ''مسند'' میں بسندِ حسن حضرتِ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: كان عبدالله بن رواحة إذا لقي الرجل من أصحاب رسول الله ـصلّى الله تعالى عليه وسلّمـ قال: تعال نؤمن بربّنا ساعة ["المسند"، مسند أنس بن مالك بن النضر، ر: ۱۳۷۹۸، ۴/۵۲۸ بتصرّف]، عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت تھی جب صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کسی کو پاتے اُن سے کہتے: آؤ! ہم ایک گھڑی اپنے رب پر ایمان تازہ کریں، ایک دن یہی لفظ اُنہوں نے ایک صاحب سے کہے: (وہ مطلب نہ سمجھے) غضب ناک ہوئے، اور خدمتِ اقدس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر شکایت کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! حضور ابنِ رواحہ کو نہیں دیکھتے! حضور کے ایمان سے ایک گھڑی کے ایمان کی طرف رغبت کرتے ہیں! سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((يرحم الله ابن رواحة أنّه يحبّ المجالس التي يتباهى بها الملائكة))، ''اللہ عزّ وجل ابنِ رواحہ پر رحم فرمائے! وہ اُن مجلسوں کو دوست رکھتا ہے جن سے فرشتے فخر کرتے ہیں''۔ یہ مجالسِ ذکر کی طرف کیسی صریح تداعی ہے! جسے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پسند فرماتے ہیں، اور تداعی کرنے والے صاحب کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں۔

سابعاً: اسی کی نظیر حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے وارد، امام ترمذی محمد بن علی نے اس جناب سے روایت کی، اُنہوں نے ایک صحابی سے کہا: تعال حتّى نؤمن =

= ساعة، آؤ! ایک گھڑی ایمان لائیں، اُنہوں نے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ کیا ہم مومن نہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ((دع عنك معاذاً فإنّ الله يباهي به الملائكة)) ["نوادر الأصول"، الأصل الثاني والسبعون في الذكر الخفي، ر: ٥٤٥، صـ٢٢٧ بتغيّر]، ''معاذ کو معاف رکھ! اُس کی شان میں کوئی کلمہ بے جا نہ کہہ! کہ اللہ عزّ وجل اس سے ملائکہ پر مفاخرت فرماتا ہے''۔

ثامناً: ابو بکر بن ابی شیبہ اپنی ''مصنف'' اور لالکائی ''کتاب السنہ'' میں حضرتِ زر سے راوی: قال: كان عمر ممّا يأخذ بيد الرجل والرجلين من أصحابه فيقول: قم بنا نزداد إيماناً فيذكرون الله عزّ وجل ["المصنّف" لابن أبي شيبة، ما ذكر فيما يطوي عليه المؤمن من الخلال، ر: ٣٠٣٦٦، ١٦٤/٦ ملخّصاً] یعنی حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارہا اپنے اصحاب سے ایک دو مردوں کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے: ہمارے ساتھ اُٹھ کر آؤ کہ ایمان زیادہ کریں! پھر مل کر یادِ الٰہی کرتے۔

تاسعاً: ''مسندِ احمد'' ["المسند"، مسند أبي هريرة، ر: ٩١٧١، ٣٥٧/٣] وصحاحِ ستہ إلّا "البخاري" میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَن دعا إلى هدى كان له من الأجر مثل أجور مَن تبعه، لا ينقص ذلك من أجورهم شيئاً)) ["صحيح مسلم"، كتاب العلم، باب مَن سنّ سنّة حسنة...إلخ، ر:٦٨٠٤، صـ١١٦٥، و"جامع الترمذي"، كتاب العلم، باب فيمن دعا إلى هدى فاتّبع أو إلى ضلالة، ر: ٢٦٧٤، صـ٦٠٦، ٦٠٧ بتصرّف، و"سنن أبي داود"، كتاب السنّة، باب من دعا إلى السنّة، ر: ٤٦٠٩، صـ٦٥٢، و"سنن ابن ماجة"، مقدّمة المؤلّف، باب من سنّ سنّة حسنة أو سيّئة، ر: ٢٠٦، صـ٤٤ بتصرّف] ''جو کسی امرِ ہدایت یعنی نیک کام کی طرف لوگوں کو بلائے، جتنے لوگ اُس کے بلانے پر آئیں سب کے برابر ثواب اسے ملے، اور اُن کے ثوابوں سے کچھ کم نہ ہو''۔ في "التيسير": =

= ((إلى هدى))، أي: إلى ما يهتدي من العمل الصالح ["التيسير في شرح الجامع الصغير"، حرف الميم، تحت ر: ٨٦٦٣، ٦/١٧٧]۔ یہی مضمون ابنِ ماجہ نے براویتِ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا، ولفظه: ((أيّما داع دعا إلى هدى فاتّبع، فإنّ له مثل أجور مَن تبعه، ولا ينقص من أجورهم شيئاً)) ["سنن ابن ماجة"، مقدمة المؤلّف، باب مَن سنّ سنّة حسنة أو سيئة، ر: ٢٠٥، صـ٤٤]۔

عاشراً: ابن النجار حضرتِ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((خيار أمّتي مَن دعا إلى الله تعالى وحبّب عباده إليه)) [انظر: "كنز العمّال"، كتاب العلم من قسم الأقوال، ر: ٢٨٧٧٥، ١٠/٦٦ نقلاً عن ابن النجّار] "میری اُمت کے بہتر لوگ وہ ہیں جو اللہ کی طرف بلائیں اور اُس کے بندوں کو اُس کا محبوب کردیں"۔ یہ بات بحمدِ اللہ تعالیٰ اس مجلس شریف پر بروجہِ احسن صادق ہے، اس میں ذکرِ خدا ورسول ہی کی طرف بلایا جاتا ہے، وہ باتیں سنائی جاتی ہیں جن سے اللہ ورسول کی محبت دلوں میں بڑھے، مسلمان درود شریف کی تکثیر کریں، رحمت ومحبتِ الٰہی کے مستحق ہوں، وللہ الحمد۔ دیلمی امّ المؤمنین صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَن أكثر ذكر الله أحبّه الله)) [انظر: "كنز العمّال"، كتاب الأذكار من قسم الأقوال، ر: ١٨٢٤، ١/٢١٧، لكن فيه عن قط] ، "جو اللہ کی یاد بکثرت کرے گا اللہ عزّ وجلّ اُسے دوست رکھے گا"۔ دارقطنی "افراد" [انظر: "كنز العمّال"، كتاب الأذكار من قسم الأقوال، ر: ١٨٦٦، ١/٢٢١ نقلاً عن قط في "الأفراد"] اور ابنِ عساکر "تاریخ" میں حضرتِ امیر المومنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام نے عرض کی: اے رب میرے! میں چاہتا ہوں کہ تیرے محبوب بندے مجھے معلوم ہوجائیں؛ کہ میں اُن سے محبت رکھوں، فرمایا: ((إذا رأيت عبدي يكثر ذكري فأنا أذنت له في ذلك وأنا أحبّه، وإذا رأيت عبدي لا يذكرني =

نہیں تو کیا ہے؟! خدا جانے منکرینِ مولِد کو کیا ہوا ہے جو ایسی مجلس کو کہ ذکرِ خدا و رسول پر مشتمل اور فوائدِ دین و آخرت کو متضمّن ہے منع کرتے ہیں! نہ جنابِ رسالت سے شرماتے ہیں! نہ خدائے قہّار سے ڈرتے ہیں!۔

سبحان اللہ! فرشتے تو ایسی مجلسوں کو ڈھونڈتے پھریں، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُنہیں بہشت کے مرغزار کہیں، اور اُن میں حاضر ہونے کی ترغیب فرمائیں، اور صحابہ کرام لوگوں کو اُن میں شریک اور جمع کرنے کے لیے ایسا اہتمامِ بلیغ عمل میں لائیں، اور یہ لوگ طرح طرح سے کلام کریں، نہ آپ (۱) جائیں، نہ اَوروں

= فأنا حجبته عن ذلك وأنا أبغضه)) ["تاريخ دمشق"، موسى بن عمران بن يصهر بن قاهث، ٦١/ ١٤٧ بتصرّف]، ''جب تو میرے بندے کو دیکھے کہ میرا ذکر بکثرت کرتا ہے تو میں نے اُسے اس کا اِذن دیا اور میں اُسے دوست رکھتا ہوں، اور جب تو میرے بندے کو دیکھے کہ میری یاد نہیں کرتا تو میں نے اُسے اس سے محروم کیا ہے اور میں اُسے دشمن رکھتا ہوں''۔العیاذ باللہ۔ حضرت عالمِ اہلسنّت دام ظلّہم العالی۔

(۱) ایک حدیث ان صاحبوں کے مناسب بھی سن لیجیے! ابو الشیخ کتاب ''التوبیخ'' ["التوبيخ والتنبيه"، باب ما أمر به النبي ﷺ المؤمن أن يستعملوه...إلخ، ر:٥٩، صـ٦٣ بتصرّف عن حسّان بن عطيّة] اور ابنِ عساکر ''تاریخ'' میں وضین بن عطا سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((ثمانية أبغض خليقة الله إليه يوم القيامة))، ''آٹھ گروہ اللہ عزّ وجل کو روزِ قیامت تمام خلق سے زیادہ دشمن ہیں''، اُن میں ایک گروہ یہ ذکر فرمایا: ((والذين إذا دعوا إلى الله ورسوله كانوا بطاء، وإذا دعوا إلى الشيطان وأمره كانوا سراعاً)) ["تاريخ دمشق"، ر: ٤٦٦ إبراهيم بن عمرو الصنعاني، ٧/٨٦] ''وہ لوگ کہ جب اللہ و رسول کی طرف بلائے جائیں دیر لگائیں، اور جب شیطان اور =

کو جانے دیں!۔

پانچویں دلیل: ہم دلیلِ اوّل میں قرآنِ عظیم سے بتصریحِ آیات ثابت کر چکے ہیں کہ وجودِ باجود سراپا رحمت حضرتِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اُس جناب کی ولادت باسعادت ہمارے حق میں بڑی نعمت ہے، اور خلقِ آدم کو پروردگار جلّ وعلا نے نعمتوں میں شمار کیا، ﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ○ وَخَلَقَ الْجَانَّ مِن مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ○ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾[1]، تو حضور کی پیدائش وولادت کے (کہ باعث تخلیقِ آدم وعالَم ہے) عمدہ نعمت ہونے میں کیا شک ہے؟! اور مولوی اسحاق صاحب کو بھی ''مأۃ مسائل'' میں اُس کے اعظمِ نِعَم ہونے کا اعتراف ہے، تو شکر اِس نعمت کا ہم پر واجب۔

اور دوسری دلیل میں بحوالہ حدیثِ نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جسے امام بغوی نے ''معالم التنزیل''[2] میں تحت قولہ عزّ وجل: ﴿وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾[3] ذکر کیا، مذکور ہوا کہ تحدیث وتذکرۂ نعمت شکر ہے، اور اس کا ترک ناشکری، اور بیضاوی اس آیت کے تحت میں لکھتے ہیں: فإنّ التحدّث بها شكرها[4]

=اُس کے کام کی طرف بلائے جائیں جلدی کریں''۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلّہ۔

(۱) پ۲۷، الرحمن: ١٤-١٦۔

(۲) "تفسير البغوي" المسمّى بـ"معالم التنزيل"، الضحى، تحت الآية: ١١، ٤/٥٠٠۔

(۳) پ۳۰، الضحى: ١١۔

(۴) "تفسير البيضاوي"، الضحى، تحت الآية: ١١، ٦/ ٥٣٠۔

بحکمِ احادیث (۱) وتصریحِ ائمہ تفسیر آیۂ کریمہ میں ایک طریقہ شکر کا تعلیم فرمایا گیا ہے، ہم اسی طریقے سے بامتثالِ حکمِ الٰہی شکر جنابِ الٰہی کا ولادت باسعادت وغیرہا احوالِ

(۱) اعلیٰ حضرت تاج المحققین قدس سرُّہ العزیز نے یہاں صرف ایک حدیثِ بغوی ذکر فرمائی، اور لفظِ احادیث نے اشارہ فرمایا کہ اس مضمون میں احادیثِ عدیدہ وارد ہیں، اور بیشک ایسا ہی ہے، ہم نے زیرِ دلیلِ اوّل اس حدیثِ بغوی کی تخریج ''شعب الایمان'' بیہقی سے بھی ذکر کی ["شعب الإيمان"، باب في ردّ السّلام، ر: ۹۱۱۹، ۶/۳۰۲۱ بتغيّر]۔

حدیث دوم: یہی امام بغوی حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک حدیث میں فرماتے ہیں: ((فإنّه إذا أثنى عليه فقد شكره، وإن كتمه فقد كفر)) ["معالم التنزيل"، الضحى: ۱۱، ۴/۵۰۰ بتغيّر]، ''نعمت پانے والے نے منعم کی ثنا کی تو اس کا شکر بجالایا، اور نعمت کو چھپایا تو کفران کیا''۔

حدیث سوم: عبدالرزاق ''جامع'' میں قتادہ سے مرسلاً راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((من شكر النعمة إفشاؤها)) ["المصنّف" لعبدالرزاق، كتاب الجامع، باب الثريد، شكر الطعام، ر: ۱۹۵۸۰، ۱۰/۴۲۵]، ''نعمت کے شکر سے ہے اُس کا خوب مشہور کرنا''۔

حدیثِ چہارم کہ اجلی واعلیٰ وکافی ومُغنی ہے، ابوداود ''سنن'' ["سنن أبي داود"، كتاب الأدب، باب في شكر المعروف، ر: ۴۸۱۴، صـ۶۸۱] اور ضیا ''مختارہ'' میں بسندِ صحیح حضرتِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((مَن أبلى بلاء فذكره فقد شكره، وإن كتمه فقد كفره)) [انظر: "كنز العمّال"، كتاب الأخلاق من قسم الأقوال، ر: ۶۴۳۳، ۳/۱۰۵ نقلاً عن الضياء] ''جسے کوئی نعمت دی گئی اُس نے اُس کا چرچا کیا تو شکر ادا کیا، اور چھپایا تو ناشکر رہا''۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ العالی۔

شریفہ حضرتِ رسالت پرعمل میں لاتے ہیں؛ کہ اس مجلس مبارک میں جو اَذکار پڑھے جاتے ہیں وہ سب خداوندِ قدیر کے احسانات ہیں جو ہم پر ہوئے، مانند ولادت ورسالت وہجرت وغیر ہا کے، اورتحدیثِ انعاماتِ الٰہیہ عین شکرِ الٰہی ہے۔

اور اختیار کرنا ربیع الاوّل کو اس عمل کے واسطے اگر چہ اصلِ بحث سے خارج ہے، لیکن حدیث روزۂ عاشورا سے دوسری دلیل میں ثابت کر دیا ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام وبنی اسرائیل کی نجات اور فرعون کے ہلاک پر اس نعمت کے شکر میں بدُونِ تجدّدِ اس نعمت کے بروزِ عاشورا (کہ اس عاشورا سے سیکڑوں برس کے فاصلے پر واقع تھا) روزہ رکھا، اور مسلمانوں کو روزہ رکھنے کا حکم کیا۔ تو شکرِ نعمتِ ولادت ماہ وروزِ ولادت باسعادت میں (اگر چہ تجدّدِ اُس نعمت کا نہیں) ادا کرنا نہایت مناسب وبجا ہے، بلکہ یہاں اثر اُس نعمت کا کہ ہدایت وغیر ہا اُمور سے عبارت ہے بحمد اللہ ہمارے حق میں باقی ومتجدّد ہے، اور جو کہ ماہِ ولادت مذکّر اس نعمت کا ہے تو اہلِ ایمان ومحبانِ حضور سرورِ محبوبان صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے دلوں میں سرور وفرحت اور ذکرِ حضور کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے، گو حضراتِ وہابیہ اس دولت وعمدہ نعمت سے محرومِ مطلق ہوں، حصولِ نعمت پر اظہارِ سرور وفرحت مستحبّات وجملہ قربات سے ہے۔

محققِ دہلوی ''ترجمۂ مشکوۃ'' میں بذیلِ حدیث: إنّ امرأة قالت: إنّي نذرتُ أن أضرب على رأسك بالدف قال: ((أوفي نذرك)) [1] لکھتے ہیں:

''ولیکن آنحضرت آنرا بنظرِ قصدِ صحیح وی؛ کہ اظہارِ فرح وسرور ست بقدومِ پیغمبرِ خدا

(١) "مشكاة المصابيح"، كتاب الأيمان والنذور، باب النذور، الفصل الثاني، ر: ٣٤٣٨، ٢/ ٢٨٢۔

سالماً غانماً ومظفراً ومنصوراً از جملہ قربات داشتہ امر بوفائے نذر کردہ"[1]۔

علامہ ابنِ حجر فرماتے ہیں: يستحبّ لنا أيضاً إظهار الشكر بمولده ـصلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ بالاجتماع وإطعام الطعام ونحو ذلك من القربات وإظهار المسرّات [2]۔

اور اس کلام سے ظاہر کہ اجتماع واِطعام واظہارِ فرحت وسرور بھی ایک طریقہ شکرِ نعمت کا ہے، بالجملہ یہ مجلسِ مبارک بوجوہ شکرِ نعمت ہے، اور اب اس قدر فضائلِ شکر آیات واحادیث میں وارد، بحمدِ اللہ تعالیٰ اُن سب کی اس میں جامعیت ہے ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ [3]۔

چھٹی دلیل: امام فخر الدین رازی "تفسیرِ کبیر" میں تحت قولہ تعالیٰ: ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ [4] فرماتے ہیں: وسابعها: أن يكون المراد بالأوّل هو ذكر أسمائه تعالى وصفاته الحسنى، والمراد بالذكر الثاني الاشتغال بشكر نعمائه، والشكر مشتمل أيضاً على الذكر، فصحّ أن يسمّى الشكر ذكراً، والدليل على أنّ الذكر الثاني هو

---

(۱) "أشعّة اللمعات"، كتاب العِتق، باب في النذور، الفصل الثاني، ۳ /۲۲۲ بتغيّر۔

(۲) "الحاوي للفتاوى"، كتاب الصداق، ضمن رسالة "حسن المقصد في عمل المولد"، ۱/ ۲۳۰۔

(۳) پ ۲۷، الحديد: ۲۱۔

(۴) پ۲، البقرة: ۱۹۸۔

الشكر أنّه علّقه بالهداية فقال: ﴿كَمَا هَدَاكُمْ﴾ [1] والذكر المرتّب على النعمة ليس إلّا الشكر [2]۔

دیکھو! ان امامِ اجل کے کلام میں تصریح ہے کہ: شکر ذکر پر مشتمل اور اِطلاق ذکر کا [3] شکر پر صحیح ہے، اور ذکرِ قلبی شکر کی کسی قسم سے (بقلب ہو خواہ بزبان یا بجوارح بالبداہۃ) منفک نہیں ہوسکتا۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ: عملِ مَو لِد نعمتِ ولادت پر شکر ہے، اور شکر متضمّن و مستلزمِ ذکر، بلکہ خود ذکر ہے، اور ذکرِ الٰہی جس طریق سے اور جس طرح پایا جائے (سوا اُس صورت کے کہ شرع منع کرے) مستحسن و مشروع ہے، بلکہ اس دلیل کی تقریر میں اسی قدر کافی کہ یہ عمل شکر ہے، اور شکر [4] بلا

---

(۱) پ۲، البقرة: ۱۹۸۔

(۲) "التفسير الكبير"، البقرة: ۱۹۸، ۲ /۳۲۹، ۳۳۰۔

(۳) اقول: مع ہذا بداہۃ الامر کہ شکر طاعت ہے؛ کہ قرآنِ مجید میں جا بجا اُس کا حکم ہے، اور اِمتثالِ حکم کا ہی نام طاعت ہے، اور ہم حدیث سے تصریح نقل کر چکے کہ ہر طاعتِ الٰہی ذکرِ الٰہی ہے، تو شکر بنصِ حدیث ذکر ہے۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ العالی۔

(۴) اقول: آیاتِ قرآنِ عظیم نے بلاتقیید و تخصیص شکرِ الٰہی کا حکم دیا ہے، اور جس طرح مقیّدِ شرع کو اپنی رائے سے مطلق کر دینا جائز نہیں، یونہیں مطلقِ شرعی کو مقیّد ٹھہرا لینا حرام ہے، اعلیٰ حضرت تاج المحققین قدّس سرّہ العزیز نے کتابِ مستطاب "اُصول الرشاد" میں اس بحث کو اعلیٰ وجہِ تحقیق پر محقق فرمایا، فقیر کہتا ہے: اِطلاقاتِ قرآنیہ، احادیثِ صحیحہ "صحیح بخاری" و "مسلم" سے تو مقیّد و مخصوص ہو نہیں سکتے جبکہ حدیثِ آحاد ہوں، پھر اپنی رائے سے مقیّد کر لینا کیونکر حلال ہوگا؟ لاجَرم شکر و ذکر و تعظیمِ خدا اور سول جلّ جلالہٗ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وغیرہا احکام کہ قرآنِ عظیم نے =

حجر وحظر مطلقاً مشروع، تو یہ امر مشروع ہے۔

کبریٰ اہلِ اسلام بلکہ تمام اہلِ عقل کے نزدیک بدیہی، اور صغریٰ اس وجہ سے کہ اِنعامِ منعم پر اُس کی مدح وثنا کرنا شکرِ لسانی، اور بندگانِ خدا خصوصاً فقرا کے ساتھ مواساۃ اور رضائے الٰہی کے لیے صدقہ وخیرات شکرِ جوارح ہے، اور نعمت پر خوش ہونا اور اُسے منعمِ حقیقی جلّ جلالہ کی نعمت ورحمت سمجھنا شکرِ قلبی ہے؛ کہ یہ مجلس مبارک اِن امور کو بداہۃً مشتمل، قطع نظر اس سے کہ حصولِ نعمت پر سرور مقتضائے طبع وامرِ جبلّی ہے، شرع شریف میں بھی وارد ہوا، اور اُس کا اظہار اور سامان مہیا کرنا، اور اُس میں اہتمام بجالانا، اور جمع ہونا احکامِ عیدَین سے ثابت۔

اور ''بخاری شریف'' میں امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: إنّ[1] رجلاً من اليهود قال له: ياأمير المؤمنين! آية في كتابكم

= مطلقاً ارشاد فرمائے، مطلق ہی رہیں گے، اور جس صورت ہیأت طریقے ذریعے سے بجالائیں ماموربہ کا فرد اور مطلوب ومندوب ہی ہوں گے، جب تک کسی خاص صورت کی ممانعت شرع سے ثابت نہ ہو، جیسے بیت الخلا میں ذکرِ لسانی یا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سجدے سے تعظیم۔ یہ اصلِ کلی خوب حفظ رکھی جائے؛ کہ اکثر جہالاتِ وہابیہ کا علاجِ شافی ہے، ان سفہا نے ذکر وشکر وتعظیمِ خدا ورسول کو (معاذ اللہ) غیر معقول المعنیٰ قرار دے رکھا ہے، کہ مورد پر مقتصر جانتے اور بے ورودِ خاص ممنوع مانتے ہیں، ﴿ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ﴾ [پ ۲۷، النجم: ۳۰]، ﴿بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ﴾ [پ ۲۰، النمل: ٦٦]۔

حضرت عالمِ اہلسنّت دام فیوضہم۔

(۱) ترجمہ: ایک یہودی نے اُن سے عرض کی: یا امیر المؤمنین! ایک آیت آپ کی کتاب میں ہے، آپ سب اُسے پڑھتے ہیں، ہم یہودیوں پر اُترتی تو ہم اُس دن کو عید بناتے، فرمایا: کون سی =

تقرأونها، لو أنّها علينا معشر اليهود نزلت لاتّخذنا ذلك اليوم عيداً، قال: أيّ آية؟ قال: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً﴾ (۱)، قال عمر: قد عرفنا ذلك اليوم والمكان الذي نزلت فيه على النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم، وهو قائم بعرفة يوم جمعة (۲)۔

اور ''خیر الجاری'' میں معنٰی جوابِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ لکھے ہیں: یعنی (۳) قد اتّخذنا ذلك اليوم عيداً (۴)۔

اور مانعین کا اعتراض کہ: ''وہاں نعمت متجدّد ہوتی ہے، تو قیاس مع الفارق ہے'' اُن کے امامِ ثانی مولوی اسحاق صاحب دہلوی پر وارد ہے؛ کہ اُنہوں نے سرورِ اجتماع وفرحتِ مَولِد کو عیدَین پر قیاس کیا ہے۔ اور نیز دلیلِ دوم میں بخوبی ثابت ہوا

= آیت؟ عرض کی: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ﴾ [پ٦، المائدة: ٣]...الآية یعنی آج میں نے کامل کردیا تمہارے لیے تمہارا دین، اور پوری کردی تم پر اپنی نعمت، اور پسند کیا تمہارے لیے اسلام کو دین۔ امیر المؤمنین نے فرمایا: ہم کو معلوم ہے وہ دن اور جگہ جس میں یہ آیت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اُتری، حضور عرفات میں کھڑے تھے، جمعہ کا دن تھا ۱۲۔

(۱) پ٦، المائدة: ٣۔

(۲) "صحيح البخاري"، كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، ر: ٤، صـ ١١ بتصرّف۔

(۳) ترجمہ: امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جواب میں یہ فرماتے ہیں کہ: ہم نے اُس دن کو عید بنایا۔

(۴) "خير الجاري شرح صحيح البخاري" ۔

کہ عذرِ تجدّد غیر مقبول ہے، اور سرور وشکرِ نعمت بدلائلِ حدیثِ عاشورا اَمثال ونظائر ایامِ وصولِ نعمت میں بلاتجدّد ِنعمت شرع میں معمول ہے، مع ہذا یہاں نعمت نزولِ آیت ہے، اس میں تجدّد کو کیا مداخلت ہے؟! امام علامہ ابنِ حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

وعندي(۱) أنّ هذه الرواية اكتفى فيها بالإشارة، وإلّا فرواية إسحاق بن قبيصة قد نصّت على المراد، ولفظه: "يوم جمعة يوم عرفة، وكلاهما بحمد الله لنا عيد"، وللطبراني (۲): "وهما لنا عيد"، فظهر أنّ الجواب تضمّن أنّهم اتّخذوا ذلك اليوم عيداً وهو يوم الجمعة واتّخذوا يوم عرفة عيداً؛ لأنّه ليلة العيد (۳)۔

اور امام قسطلانی قوله: "لاتّخذنا ذلك اليوم عيداً "(۴) کی شرح میں

(۱) ترجمہ: میرے نزدیک اس روایت میں اشارے پر قناعت کی، ورنہ اسحاق بن قبیصہ کی روایت صاف مراد بتارہی ہے، اس کے لفظ یہ ہیں کہ: امیر المؤمنین نے فرمایا: وہ روزِ جمعہ وروزِ عرفہ تھا، اور وہ دونوں بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے لیے عید ہیں۔ یوہیں طبرانی کی روایت میں آیا کہ: امیر المؤمنین نے فرمایا: جمعہ وعرفہ دونوں ہماری عید ہیں۔ تو ظاہر ہوا کہ جواب میں یہ فرمایا گیا کہ: مسلمانوں نے بھی اُس دن کو عید بنایا، وہ روزِ جمعہ ہے اور روزِ عرفہ کو بھی عید بنایا کہ شبِ عید ہے۔

(۲) "المعجم الأوسط"، مَن اسمه أحمد، ر: ۸۳۰، ۱/ ۲۴۲۔

(۳) "فتح الباري شرح صحيح البخاري"، كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه...إلخ، تحت ر: ۴۵، ۱/ ۱۳۱ بتصرّف۔

(۴) "صحيح البخاري"، كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، ر: ۴۵، صـ۱۱ بتصرّف۔

لکھتے ہیں: نعظّمه[1] في كلّ سنة و نسرّ فيه لعظم ما حصل فيه من كمال الدين[2]۔

امام نووی فرماتے ہیں: فقد[3] اجتمع في ذلك اليوم فضيلتان وشرفان، ومعلوم تعظيمنا لكلّ منهما، فإذا اجتمعا زاد التعظيم، فقد اتّخذنا ذلك اليوم عيداً وعظّمنا مكانه۔

حاصل یہ کہ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک یہودی نے عرض کیا کہ اگر یہ آیت: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ﴾[4]...إلخ یہود پر نازل ہوتی تو ہم لوگ روزِ نزول کو عید ٹھہراتے، ہر سال اُس دن کی تعظیم اور اُس میں اظہارِ فرحت وسرورِ عظیم کرتے، امیر المؤمنین نے فرمایا کہ: ہم نے کیا ایسا نہ کیا؟! یہ آیت عرفہ میں بروزِ جمعہ نازل ہوئی، اور وہ دونوں ہمارے دینِ متین میں عید ہیں۔

دیکھو! حضرت فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہود کے اس بیان کو کہ وصولِ

---

(۱) عرضِ یہودی کا مطلب یہ ہے کہ ہم ہر سال اُس دن کی تعظیم اور اُس میں خوشی کرتے ہیں؛ کہ ایسی عظیم چیز یعنی دین کامل ہونا اُس میں حاصل ہوا۔

(۲) "إرشاد الساري شرح صحيح البخاري"، كتاب الإيمان، باب زيادة الإيمان ونقصانه، تحت ر: ٤٥، ١/ ٢٢٦۔

(۳) بیشک اس میں دو فضیلتیں اور دو شرف جمع ہوئے، اور معلوم ہے کہ ہم اُن میں سے ہر ایک فضیلت کی تعظیم کرتے ہیں، تو جب دونوں جمع ہوئے، تعظیم بڑھ گئی، پس ثابت ہوا کہ ہم نے اُس دن کو عید بنایا، اور اُس کی منزلت کی تعظیم کی۔

(۴) پ٦، المائدة: ٣۔

نعمت پر خوشی وسرور درکار، اور روزِ وصول ہر سال اُس خوشی وفرحت کے اظہار اور عید ٹھہرانے کے لیے سزاوار ہے، تسلیم فرما کر جواب دیا کہ: روزِ عرفہ وجمعہ ہمارے مذہب میں عید وتعظیم کے لیے مقرر ہیں، اور پُر ظاہر کہ یہ مسرّت وتعظیم شرع شریف میں اجتماعِ مسلمین کے ساتھ ہوتی ہے، اور شکرِ الٰہی کے واسطے جلسہ اور نعمت کا شکر مجمع میں ادا کرنا صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم سے ثابت، اور حدیث میں اس فعل کی ستائش اور نہایت مدحت وارد کہ خدائے تعالیٰ ایسی مجلس والوں کے ساتھ فرشتوں سے مباہات ومفاخرت کرتا ہے۔

''صحیح مسلم''[۱] میں امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے: أنّ رسول الله ـصلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ خرج على حلقة من أصحابه فقال: ((ما أجلسكم هاهنا)) قالوا: جلسنا نذكر اللهَ ونحمده على ما هدانا للإسلام ومنّ به علينا، قال: ((آللّٰه ما أجلسكم إلّا ذلك))، قالوا: آللّٰه ما أجلسنا إلّا ذلك، قال: ((أما إنّي لم أستحلفكم تهمة لكم، ولكنّه أتاني جبرئيل فأخبرني أنّ الله ـعزّ وجل ـ يباهي بكم الملائكة))[۲]، یعنی حضرتِ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ دولت خانہ سے اپنے

---

(۱) ورواه عنه أيضاً الترمذي ["جامع الترمذي"، كتاب الدعوات، باب ما جاء في القوم...إلخ، ر: ۳۳۷۹، صـ۷۷۲ بتغيّر]، والنَسائي ["سنن النَسائي"، كتاب آداب القضاة، باب كيف يستحلف الحاكم، ر: ٥٤٣٦، الجزء الثامن، صـ۲٦۲ بتغيّر]۔ حضرت عالمِ اہلِ سنّت وجماعت دامت فیوضہم۔

(۲) "صحيح مسلم"، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع...إلخ، ر: =

یاروں کی مجلس میں تشریف لائے اور فرمایا: ''یہ کا ہے کی مجلس ہے؟'' عرض کی: اس بات کی کہ خدا کا ذکر کریں اور اُس کی اِس نعمت پر کہ ہمیں اسلام کی ہدایت فرمائی اور اُس کے ساتھ ہم پر احسان کیا شکر بجالائیں، فرمایا: تمہیں خدا کی قسم! کیا صرف اسی کام کی مجلس کی ہے؟ عرض کی: خدا کی قسم! صرف اسی کام کی مجلس کی، فرمایا: ''خبردار ہو! میں نے تمہیں متّہم ٹھہرا کر تم سے قسم نہ لی، بلکہ ہوا یہ کہ جبریل میرے پاس آئے اور مجھے خبر دی کہ: اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ فرشتوں سے مباہات ومفاخرت فرماتا ہے''۔

سبحان اللہ! اس پاک مجلس کا اور جو لوگ ایسی مجلس منعقد کریں، اور اُس میں خدائے تعالیٰ کا ذکر کریں، اور راہِ مستقیم وطریقِ قویم اسلام کی ہدایت پانے، اور جن کی بدولت یہ دولت ہاتھ آئی اُن کی ولادتِ باسعادت ورسالت واِرہاصات ومعجزات وغیرہا کمالات پر (کہ اس دولت کی ترقی ورونقِ عظیم کے باعث ہوئے) شکرِ الٰہی بجالائیں، اور منعمِ حقیقی کے یہ احسانات یاد کریں، اور مسلمانوں کو یاد دلائیں، اُن کا جنابِ باری میں یہ مرتبہ ہے کہ اُن سے اپنے فرشتوں کے ساتھ مفاخرت فرماتا ہے، گو کورِ باطن خُفاش طِینَت انکار کریں، اور اُس کے فضل وخوبی کو کہ آفتابِ نصف النہار کی طرح ظاہر ہے، نہ دیکھیں۔

ساتویں دلیل: ابو القاسم ''ترغیب'' میں روایت کرتے ہیں: خدا کے سیّاح فرشتے جب ذکر کے حلقوں یعنی ذاکرین کی مجلسوں پر گزرتے ہیں، ایک دوسرے سے کہتا ہے: بیٹھو! جب وہ دعا کرتے ہیں، یہ آمین کہتے ہیں، جب وہ درود بھیجتے ہیں،

= ٦٨٥٧، صـ١١٧٤ بتصرّف۔

یہ بھی اُن کے ساتھ درود پڑھتے ہیں، جب مجلس تمام ہوتی ہے، ایک فرشتہ دوسرے سے کہتا ہے: انہیں خوبی اور خوشی ہو؛ کہ بخشے گئے [۱]۔

امّ المؤمنین عائشہ صدّیقہ فرماتی ہیں: اپنی مجلسوں کو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذکر سے زینت دو! [۲]۔

اور ''دلائل الخیرات شریف'' میں فرمایا: بعض صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہوا: جس مجلس میں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھی جاتی ہے اُس سے ایک پاکیزہ خوشبو اُٹھتی ہے، یہاں تک کہ آسمان تک پہنچتی ہے، فرشتے کہتے ہیں: یہ وہ مجلس ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھی گئی [۳]۔

اور اکثر احادیثِ صحیحہ درود کے فضائل وفوائد وثوابِ جزیل واجرِ جمیل کے بیان میں مطلق وارد ہیں، تو وہ فضائل وفوائد کسی خاص صورت کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ درود خواں کو عام اس سے کہ تنہائی میں پڑھے یا مَجامع ومجالس میں، اور مصلّی شخص واحد ہو یا سب اہلِ مجلس۔

اور مجلس میں درود کے ساتھ اور اُمورِ خیر بھی جمع کیے جائیں یا صرف درود خوانی کریں، اور مجلس اسی امر کے لیے منعقد ہو یا دوسرے کارِ خیر کے لیے، یا اس کے ساتھ دوسرا امر بھی مقصود ہو، سب صورتوں میں حاصل ہیں، تو مجلسِ مَولِد، مجلسِ درود خوانی کے فوائد وثمرات پر مشتمل، اور اس کا بانی اُس شخص کے حکم میں جو لوگوں کو درود

---

(۱) "الترغیب" لأبي القاسم۔

(۲) "کشف الخفاء ومزیل الإلباس"، حرف الزای، تحت ر: ۱۴۴۳، ۱/ ۵۰۵۔

(۳) "دلائل الخیرات"، فضائل الصّلاۃ، صـ۲۲۔

پڑھنے کے لیے جمع اور اس عمدہ کام کی طرف متوجہ کرے، داخل ہے، اور کتاب خواں وحاضرین (کہ ہزاروں سیکڑوں بار ہر مجلس میں درود پڑھتے ہیں) اُس ثواب واجر وفضائل وثمرات وبرکات کے جو مصلّی کے لیے صحیح حدیثوں میں موعود ہیں قطعاً مستحق۔

اور اس کا ثبوت کہ ذکرِ ولادت باسعادت وغیرہا احوالِ حضرتِ رسالت، یا تقسیمِ طعام وشیرینی خواہ تلاوتِ قرآن وغیرہ اُمور کا درود کے ساتھ جمع ہونا اُس کے ثواب وبرکات کو زائل، اور مصلّی کو اُن فوائد وفضائل سے محروم کرتا ہے، ذمۂ مانعین ہے، ودونہ خرط القتاد۔

آٹھویں دلیل: دارمی عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں: إنّ رسول الله ـصلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ مرّ بمجلسَين في مسجده فقال: ((كلاهما على خير وأحدهما أفضل من صاحبه، أمّا هؤلاء فيدعون الله ويرغبون إليه فإن شاء أعطاهم وإن شاء منعهم، وأمّا هؤلاء فيتعلّمون الفقهَ أو العلمَ ويعلّمون الجاهل، فهم أفضل، وإنّما بُعثتُ معلّماً، فجلس فيهم)) [1]۔

اس حدیث میں تصریح ہے کہ مجلس تعلیم وتعلّم کی اُس مجلس سے جس کے لوگ خدا کو پکاریں اور اُس کی طرف رغبت کریں افضل ہے، جنابِ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیّۃ نے دونوں کو بہتر ٹھہرا کر اسے افضل فرمایا، اور اس میں تشریف رکھی، اور انہیں لوگوں سے اپنی ذاتِ پاک کو قرار دیا، ونعم ما قیل: ع

---

(۱) "سنن الدارمي"، باب في فضل العلم والعالم، ر: ۳۴۹، ۱/ ۱۱۱، ۱۱۲۔

رقیبا نرا ازیں معنٰی خبر نیست

کہ سلطانِ جہان باماست امشب

اور ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کرتے ہیں: تدارس العلمِ ساعةً من الليل خير من إحيائها (۱)، یعنی رات میں ایک ساعت علم کا باہم درس و مذاکرہ تمام رات کی عبادت سے بہتر ہے، اور مراد علم سے علمِ دین ہے، اور قرآن وحدیث کا پڑھنا سننا، اور اس کے معانی ومطالب کی تفصیل و تحقیق، اور جو اُمور اس سے ثابت ہوں اُن کا بیان ووعظ وتذکیر، اور مسائلِ دینیہ اور وہ اَذکار کہ راہِ دین میں نافع اور مسلمانوں کو نیک کاموں کی طرف رغبت دلائیں، اور جو اُمور عقائد کی تصحیح اور اُن کے احکام ومضبوطی خصوصاً اعتقادِ اُلوہیت ونبوّت میں کام آئیں، اور مجلسِ مَولِد اُمورِ مذکورہ سے اکثر بالخصوص پہلے اور پچھلے امر پر (کہ سب سے اعلیٰ وافضل ہے) مشتمل ہے۔

تو وہ مجلس مذاکرۂ علمِ دین ہے، اور ایسی مجالس کا انعقاد اور اُن میں حاضر ہونا، بلکہ طلبِ علم کے لیے دُور دُور سفر کرنا عصرِ صحابہ سے إلى يومنا هذا ماثور ومعمول، اور ان اُمور کی فضیلت وترغیب میں احادیثِ صحیحہ بکثرت وافرہ وارد، اور اُس کے لیے مکان ووقت معیّن کر کے پہلے سے اطلاع دینا، اور جمع ہونے کا حکم فرمانا دوسری دلیل میں ''بخاری شریف'' کی حدیث سے بتصریح گزرا، تو اَب مجلسِ مَولِد اور اُس کے متعلقات میں کون سے امر کا اِثبات قرآن وحدیث سے باقی رہ گیا؟!

نویں دلیل: خود خالقِ کائنات عزّ جلالہٗ نے قصۂ ولادتِ مریم وعیسیٰ ویحییٰ

---

(۱) "سنن الدارمي"، باب العمل بالعلم وحسن النيّة فيه، ر: ٢٦٤، ١ / ٩٤.

و پیدائشِ آدم علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام قرآنِ مجید میں بیان فرمایا، اور حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے تو ولادت ورضاعت ونکاح ومعجزات وہجرت اور کوہِ طور پر خدا سے ہم کلامی اور رسالت ونبوّت کا حاصل ہونا، پھر فرعون کے پاس جانا، اور دیگر حالات وغرائب واقعات کی تفصیل اپنے کلامِ پاک میں جابجا بار بار بتکرار ذکر فرمائی، اب جو شخص اِن آیات کی تفسیر اور اِن واقعات کی تفصیل سرِ مجمع مساجد میں بیان کرے اور پہلے سے کہہ دے کہ آج اِن آیات کا وعظ ہوگا، اور ایک دوسرے کو اُس وعظ میں بلائے، اور لوگوں کے جمع کرنے میں کوشش کی جائے، تو ایسی مجلس کو بدعت وضلالت کہیں گے یا مجلسِ ہدایت ووعظ ونصیحت؟!

سبحان اللہ! ذکرِ ولادتِ انبیائے سابقین علیہم الصلاۃ والتسلیم تو عبادت وہدایت ہو، اور خود پروردگارِ عالم قرآنِ مجید میں بیان فرمائے، اور سید الانبیا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکرِ ولادت اِسی ہیئت کے ساتھ (العیاذ باللہ) بدعت وضلالت ٹھہرے!، واہ! کیا ایمان وانصاف ہے، ہر ذی عقل جانتا ہے کہ مجرّد تسمیہ حقیقتِ مسمّٰی اور اس کے احکام کو نہیں بدلتا، گو اُسے مجلسِ وعظ کہیں اور اس کا نام مجلسِ ولادت رکھ لیں، حقیقت وحکم میں فرق نہیں ہوسکتا، تو اُسے مستحسن اور اسے مکروہ کہنا نرا اعتساف ہے۔

دسویں دلیل: روزِ شیوع عملِ مَولِد سے اِلی یومنا ھذا ملکِ مصر ویمن وروم وشام ومغرب وعرب وغیرہا تمام بلادِ دار الاسلام خصوصاً حرمینِ مکرّمین میں اہلِ اسلام ہمیشہ محفلیں کرتے، اور مَولِد پڑھنے اور سننے میں اہتمامِ تمام رکھتے ہیں، اور ماہِ مبارک ربیع الاوّل میں تصدّق واِطعام وتکثیرِ خیرات واظہارِ فرحت وسرور میں سعی بلیغ عمل میں لاتے ہیں، اور اسے فوزِ عظیم وفضلِ عمیم وفوائدِ کونین وفلاحِ دارین کا عمدہ

وسیلہ تصور فرماتے ہیں۔

اکثر علمائے دین وفضلائے کاملین کے اقوال ''سیرتِ شامی'' وغیرہا کتبِ مستندۂ فریقین اور نیز رسائل میں (کہ ردِّ وہابیہ میں تالیف ہوکر مطبوع ہوئے) مندرِج ومرقوم، اس جگہ بنظرِ اختصار صرف چند کلماتِ طیّبات پر (کہ مجلسِ مبارک کے فضائل وفوائد میں ہیں) اقتصار ہوتا ہے:

حافظ الحدیث امام ابوالخیر سخاوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ويظهر عليهم من بركاته فضل عظيم [1]، یعنی اہلِ مَولِد پر اِس عمل کے برکات سے فضلِ عظیم ظاہر ہوتا ہے۔

امام حافظ استاذ القُراء ابوالخیر محمد بن الجزری فرماتے ہیں: من خواصه أنّه أمان في ذلك العام، وبشرى عاجلة بنيل البغية والمرام [2]، یعنی اس مجلس شریف کے خواص سے ہے کہ وہ تمام سال کے لیے امن وامان ہے، اور حصولِ مقصد کے ساتھ بشارتِ عاجلہ۔

امام حافظ الحدیث عماد الدین بن کثیر فرماتے ہیں: قد أثنى عليه الأئمّة منهم الحافظ أبو شامّة شيخ النووي في "كتاب الباعث على إنكار البدع والحوادث"، وقال: ومثل هذا الحسن يندب إليه، ويشكر فاعله

---

(۱) "سبل الهدى والرشاد"، الباب الثالث عشر في أقوال العلماء في عمل المولد الشريف...إلخ، ۱/ ۳٦۲ بتصرّف۔

(۲) المرجع السابق۔

ویثنی علیه [۱]، اماموں نے اس مجلسِ مبارک کی مدح وثنا کی، اِن میں سے حافظ ابو شامہ امام نووی رحمہ اللہ تعالیٰ کے استاذ ہیں، "کتاب الباعث علی إنکار البدع والحوادث" میں لکھتے ہیں: ایسے افعال اچھے ہیں، لوگوں کو اُن کی ترغیب دلانا چاہیے، ان کا فاعل مشکور ومحمود ہے [۲]۔

علامہ ابنِ ظفر "درِ منتظم" میں لکھتے ہیں: قد عمل المحبّون للنّبي ـصلّى الله تعالى عليه وسلّمـ فرحاً بمولده الولائم، فمن ذلك ما عمله بالقاهرة من الولائم الكبار الشيخ أبو الحسن المعروف بابن قفل ـقدّس سرّهـ شيخ شيخنا أبي عبدالله محمّد بن النعمان، وعمل ذلك قبل جمال الدين العجمي الهمداني، ومَن عمل ذلك على قدر وسعه يوسف الحجّار بمصر، وقد رأى النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم وهو يحرص يوسف المذكور على عمل ذلك [۳]۔

یعنی میلادِ مبارک کی شادی میں محبانِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ولیمے کیے، ازانجملہ قاہرہ کے بڑے ولیموں سے وہ ولیمہ ہے جو ہمارے استاذ ابو عبداللہ محمد بن نعمان کے استاذ شیخ ابوالحسن بن قفل قدّس سرّہ نے کیا، اور اُن سے پہلے

---

(۱) "سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد"، الباب الثالث عشر في أقوال العلماء في عمل المولِد الشريف...إلخ، ۱ / ۳۶۳۔

(۲) "كتاب الباعث على إنكار البدع والحوادث"۔

(۳) انظر: "سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد"، الباب الثالث عشر في أقوال العلماء في عمل المولِد الشريف...إلخ، ۱ / ۳۶۳ بتصرّف۔

جمال الدین عجمی ہمدانی نے کیا، اور یوسف حجّار نے مصر میں بقدر اپنی وسعت کے ترتیب دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں اُنہیں اس عملِ مبارک کی ترغیب وتحریص فرمائی۔

علامہ ممدوح[1] شیخ یوسف بن علی بن زریق شامی سے نقل فرماتے ہیں:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو دیکھا دستِ اقدس میں ایک چھڑی ہے، مجھ سے فرماتے ہیں: تجھے ماروں گا، میں نے عرض کی: یارسول اللہ! کس لیے؟ فرمایا: حتّی لا تُبطل المولد ولا السنن، تاکہ تو مولِد اور سنتوں کو ضائع نہ کرے، یوسف فرماتے ہیں: جب سے بیس برس ہوئے آج تک میں اس عملِ مبارک کو برابر کرتا ہوں۔

اور منصور نشار سے نقل کرتے ہیں: رأيتُ النّبي ـصلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم ـ في المنام يقول لي: قل: لا يبطله يعني المولد ما عليك ممّن أكل وممّن لم يأكل[2]، یعنی میں نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اُس سے کہہ دے! مَولِد کو نہ چھوڑے تجھ پر کچھ اِلزام نہیں، کوئی کھائے یا نہ کھائے۔ اور یہ بھی علامہ موصوف نے نقل کیا کہ: حضور نے شیخ ابو موسیٰ سے خواب میں فرمایا: مَن فرح بنا فرحنا به[3]، جو ہماری خوشی کرے گا ہم

---

(۱) "سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد"، الباب الثالث عشر في أقوال العلماء في عمل المولِد الشريف...إلخ، ۱ / ۳۶۳ بتصرّف۔

(۲) المرجع السابق۔

(۳) المرجع السابق۔

اُس سے خوش ہوں گے۔

امام حافظ ابنِ جوزی محدّث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: لم يكن في ذلك إلّا إرغام الشيطان وإدعام أهل الإيمان [1]، اس فعل میں تذلیلِ شیطان وتقویتِ اہلِ ایمان کے سوا کچھ نہیں۔

امام علامہ نصیر الدین مبارک ابنِ طبّاخ اپنے دستخطی فتوے میں لکھتے ہیں: يثاب فاعلُه إذا أحسن القصد [2]، اچھی نیّت سے اِس کا کرنے والا ثواب پائے گا، امام علامہ ظہیر الدین بن جعفر بھی ایسا ہی فرماتے ہیں [3]۔

امام جمال الدین بن عبدالرحمٰن بن عبدالملک معروف بہ مخلص کتّانی لکھتے ہیں: مولد رسول الله ـ صلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ مبجل مكرّم ـ إلى أن قال:ـ فمن المناسب إظهار السرور وإنفاق الميسور وإجابة من دعاه ربّ الوليمة للحضور [4]، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا میلادِ مبارک معظّم ومکرّم ہے، تو خوشی ظاہر کرنا، اور جو میسر آئے صرف میں لانا، اور صاحبِ مجلس جسے بلائے اُسے جانا مناسب ہے۔

---

(۱) "سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد"، الباب الثالث عشر في أقوال العلماء في عمل المولِد الشريف...إلخ، ۱ /۳٦۳ بتصرّف۔

(۲) المرجع السابق، ۱ /۳٦۳، ۳٦٤۔

(۳) المرجع السابق، ۱ /۳٦٤ ملخّصاً۔

(۴) المرجع السابق۔

علامہ حسین بن محمد دیار بکری ''خمیس''(۱) میں جملہ کلامِ ماضی وآتی امام ابن الجزری نقل فرما کر مقرر رکھتے ہیں کہ: یہ مجلسِ مبارک موجبِ امان وحصولِ مرام ودخولِ جنان وغیظِ منافقان ومعمولِ مؤمنان ہے۔

حافظ الحدیث امام ابوشامہ امام نووی کے استاذ فرماتے ہیں: فإنّ ذلك مع ما فيه من الإحسان إلى الفقراء مشعر بمحبّة النّبي صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم، وتعظيمه وجلالته في قلب فاعله، ويشكر اللّٰه على من منّ به من إيجاد رسوله الذي أرسله رحمة للعالمين صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم (۲)، یہ فعل باوجود اس کے کہ اُس میں فقیروں کے ساتھ سلوک ہے، محبت وتعظیم واجلالِ حضرتِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاعل کے قلب میں اس سے سمجھی جاتی ہے، اور اس احسانِ الٰہی سے شکر پر (کہ اپنے ایسے رسول کو جسے تمام جہان کے لیے رحمت بھیجا پیدا کیا) دلالت کرتا ہے۔

امام علامہ صدر الدین بن عمر شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ويثاب الإنسان بحسب قصده في إظهار السرور والفرح بمولد النّبي صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم (۳)، انسان اپنی نیّت کے موافق اِظہارِ سرور وفرحتِ مَولِد میں

---

(۱) "تاريخ الخميس" ۔

(۲) "سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد"، الباب الثالث عشر في أقوال العلماء في عمل المولِد الشريف...إلخ، ۱/ ۳٦٥۔

(۳) المرجع السابق ۔

ثواب دیا جاتا ہے۔

امام حافظ ابنِ حجر فرماتے ہیں: يستحبّ لنا أيضاً إظهار الشكر بمولده ـصلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ بالاجتماع، وإطعام الطعام ونحو ذلك من وجوه القربات وإظهار المسرّات [1]، یہ بھی ہمارے حق میں مستحب ہے کہ ولادتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شکر مجمع کر کے کھانا کھلانے، اور اس کی مثل اَور اعمالِ قربت واظہارِ سرور وفرحت سے بجالائیں۔

امام محقق حافظ ابوزرعہ ولی الدین عراقی فرماتے ہیں: الوليمة وإطعام الطعام يستحبّ في كلّ وقت، فكيف إذا انضم إلى ذلك السرور بظهور نور النبوّة في هذا الشهر الشريف، ولا نعلم ذلك من السلَف ولا يلزم من كونه بدعةً كونُه مكروهاً، فكم من بدعة مستحبّة، بل واجبة إذا لم ينضم بذلك مفسدة، خوشی کی تقریب میں مسلمانوں کو دعوت دینا کھانا کھلانا ہر وقت مستحب ہے، پھر اُس صورت کا کیا پوچھنا جب اس کے ساتھ ماہ ِمبارک میں ظہورِ نورِ نبوّت کی خوشی منانا مل جائے، یہ خاص طریقہ ہمیں سلَف سے معلوم نہیں، اور بدعت ہونے سے مکروہ ہونا لازم نہیں آتا؛ کہ بُہتری بدعتیں مستحب، بلکہ واجب ہوتی ہیں جب کہ اُن کے ساتھ کسی فساد کی آمیزش نہ ہو۔

امام قسطلانی ''مواہب'' میں لکھتے ہیں: إذا كان الحمعة الذي خلق فيه آدم ـعليه السلام ـ خصّ بالساعة لا يصادفها عبد مسلم يسأل اللّهَ

---

(۱) انظر: "الحاوي للفتاوى"، كتاب الصداق، ضمن رسالة "حسن المقصد في عمل المولِد"، ۱/ ۲۳۰۔

فيه خيراً إلّا أعطاها إيّاه، فما بالك بالساعة التي وُلد فيها سيّد المرسلين صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم [1]، جب کہ روزِ جمعہ ولادتِ آدم علیہ السلام کے سبب ایسی ساعت سے مخصوص ہوا کہ جو مسلمان اُس وقت کوئی بھلائی طلب کرے خدائے تعالیٰ اُسے دیتا ہے، تو اُس ساعت کا کیا کہنا جس میں پیغمبروں کے سردار پیدا ہوئے! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اور ''مجمع البحار'' میں (کہ مانعین سوجگہ سند لاتے ہیں اور اُس کے مصنف کو ائمۂ محققین واَجلّۂ فقہا ومحدّثین سے شمار کرتے ہیں) خاتمہ میں لکھا ہے: تمّ بحمد اللّٰه وتيسيره الثلث الأخير من "مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار" في الليلة الثانية عشر من شهر السرور والبهجة مظهر منبع الأنوار والرحمة شهر ربيع الأوّل؛ فإنّه شهر أمرنا بإظهار الحبور فيه كلّ عام... إلخ [2]، خلاصہ یہ کہ یہ کتاب ''مجمع البحار'' ۱۲ ربیع الاوّل کو تمام ہوئی جو خوشی وشادمانی کا مہینہ اور رحمتِ الٰہی وانوارِ عالیہ کا مظہر ہے، یہ وہ مہینہ ہے جس میں ہم مسلمانوں کو حکم ہے کہ ہر سال اُس میں ولادتِ اقدس کی شادی رچائیں۔

''شرح سنن ابنِ ماجہ'' میں ہے: الصواب أنّه من البدع الحسنة المندوبة إذا خلا عن المنكرات شرعاً [3]، حق یہ ہے کہ مجلسِ مبارک بدعتِ

---

(۱) "المواهب اللدنية بالمنح المحمدية"، المقصد الأوّل في أحداث السيرة منذ الولادة إلى الوفاة، زمن الولادة ووقتها، ۱/ ۱٤۲۔

(۲) "مجمع بحار الأنوار"، خاتمة الكتاب، ٥/ ۳۰۷۔

(۳) انظر: "سبل الهدى والرشاد"، الباب الثالث عشر... إلخ، ۱/ ۳٦۷ نقلاً عن =

حسنہ مستحبہ ہے جبکہ ممنوعاتِ شرعیہ سے خالی ہو۔

مولانا احمد بن محمد قشاشی مدنی (کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے علمِ حدیث میں استاذ الاساتذہ شیخ المشائخ ہیں) "شرح إثبات المولد النّبي الأمجد" میں بھی بہت اقوال نقل کرتے ہیں، اور مولانا میرک محدّث اُسے مستحب و مستحسن وموجبِ ثواب فرماتے ہیں۔

امام حافظ ابوالخیر بن الجزری قصہَ ابولہب نقل کر کے کہتے ہیں: فإذا كان أبو لهب الكافر الذي نزل القرآن بذمّه جُوزي في النّار بفرحه ليلة مولد محمّد صلّى الله تعالى عليه وسلم، فما حال المسلم الموحّد من أمّة محمّد ـصلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ يسرّ بمولده ويبذل ما تصل إليه قدرته في محبّته لعمري! إنّما يكون جزاؤه من الله الكريم أن يدخله بفضله العميم جنّات النعيم (1)۔

یعنی جب ابولہب جیسا کافر جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا فرحتِ شبِ میلادِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دوزخ میں اُس رات تخفیفِ عذاب کا بدلہ پائے، تو کیا حال ہے اُس مسلمان موحِّد محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اُمتی کا کہ حضور کی ولادت پر خوش ہو اور بقدرِ دسترس حضور کی محبت میں اپنا مال صرف کرے! قسم ہے اپنی زندگی کی! کہ اُس کا بدلہ خدائے کریم سے یہی ہے کہ اپنے فضلِ عمیم سے اُسے

= "شرح سنن ابن ماجه"۔

(1) "المواهب"، المقصد الأوّل في أحداث السيرة...إلخ، رضاعه...إلخ، ١ /١٤٧ بتصرّف۔

جنّاتِ نعیم میں داخل فرمائے۔ اور حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی بھی قصہ ٔ ابولہب سے استناد کر کے اس مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہیں (۱)۔

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں: يثاب عليها صاحبها لما فيه من تعظيم قدر النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم، وإظهار الفرح والاستبشار بمولده الشريف (۲)، صاحبِ مَولِد ثواب پاتا ہے؛ کہ اُس میں قدرِ حضرتِ رسالت کی تعظیم اور ولادتِ باسعادت پر اظہارِ فرح وشادمانی ہے۔

امام قسطلانی ''مواہب'' میں امام ابن الجزری سے نقل کرتے ہیں: فرحم الله امرأً اتّخذ ليالي شهر مولده المبارك أعياداً؛ ليكون أشدّ على مَن في قلبه مرض وأعيا داء (۳)، اُس شخص پر اللہ عزّ وجل کی رحمت ہو جو ماہِ مبارک ولادتِ اقدس کی راتوں کو عید ٹھہرائے؛ تاکہ جس کے دل میں بیماری وعناد ہے اُس پر سخت گراں گزرے۔ ملّا معین حنفی ''معارج''، اور شیخِ محقق مولانا عبدالحق محدّثِ دہلوی ''مدارج شریف'' میں اس عملِ مبارک کا غایت استحسان ثابت فرماتے ہیں (۴)۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدّثِ دہلوی ''فیوض الحرمین'' میں تحریر کرتے ہیں:

---

(۱) "سبل الهدى والرشاد"، الباب الثالث عشر في أقوال العلماء...إلخ، ۱/ ۳٦۷۔

(۲) "الحاوي للفتاوى"، كتاب الصداق، ضمن رسالة "حسن المقصد في عمل المولِد"، ۱/ ۲۲۲۔

(۳) "المواهب"، المقصد الأوّل في أحداث السيرة...إلخ، الاحتفال بالمولِد، ۱/ ۱٤۸۔

(۴) "مدارج النبوّت"، قسمِ دوم، باب أوّل، وصل: ولادت آنحضرت عليه =

كنت قبل ذلك بمكّة المعظّمة في مولد النّبي ـصلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم ـ في يوم ولادته، والنّاس يصلّون عليه صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم، ويذكرون إرهاصاته التي ظهرت في ولادته ومشاهده قبل بعثته صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم، فرأيتُ أنواراً سطعت دفعة واحدة، لا أقول: إنّي أدركتُها ببصر الجسد، ولا أقول: أدركتُها ببصر الروح فقط، واللّٰه أعلم كيف كان الأمر بين هذا وذاك، فتأمّلتُ تلك الأنوار فوجدتُها من قبل الملائكة المؤكّلين بأمثال هذه المشاهد، وبأمثال هذه المجالس، ورأيتُ تخالط أنوار الملائكة بأنوار الرحمة [1]۔

حاصل یہ کہ میں اُس مجلس میں کہ مولدِ اقدس میں بروزِ ولادتِ شریف مکۂ معظّمہ میں منعقد تھی حاضر تھا، لوگ درود پڑھتے اور حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا ذکرِ خیر کر رہے تھے، ناگاہ میں نے کچھ انوار دیکھے کہ دفعۃً بلند ہوئے، میں نہیں کہتا کہ میں نے اُنھیں بدن کی آنکھ سے دیکھا، نہ یہ کہوں کہ فقط روح کی بصر سے دیکھا، خدا کو معلوم ہے کہ کیا کیفیت تھی اس کی، اور اُس کے درمیان میں نے ان انوار میں تامّل کیا تو وہ انوار اُن فرشتوں کی طرف سے پائے جو ایسی مجالس ومشاہد پر مؤکل ہیں، اور انوارِ ملائکہ انوارِ رحمتِ الٰہی سے ملے ہوئے دیکھے۔

نیز کتاب ''انتباہ'' و''درِّ ثمین'' وغیرہما میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے نقل

= السّلام، الجزء الثاني، صـ ١٥۔

(١) "فيوض الحرمين" (مترجم بالأردية)، المشاهدة الثامنة، صـ ١١٥۔

کرتے ہیں: كنتُ أصنع في أيّام المولد طعاماً صلةً بالنّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم، فلم يفتح لي في سنة من السنين شيء أصنع به طعاماً، فلم أجد إلّا حمصاً مقلّياً، فقسّمتُه بين النّاس، فرأيتُه صلّى الله تعالى عليه وسلّم وبين يدَيه هذه الحمص متبهجاً بشاشاً [1]، میں ایامِ مَولِد شریف میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیاز کا کھانا کیا کرتا، ایک سال بھُنے ہوئے چنوں کے سوا کچھ میسر نہ آیا، میں نے لوگوں پر وہی تقسیم کردیے، حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرّف ہوا کہ وہ چنے حضور کے سامنے رکھے ہوئے ہیں، اور حضور شاد و مسرور ہیں، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اور سوا اُنکے بہت سے علمائے متقدّمین و متاخرین یہ مجلسِ مبارک خود کرتے، اور اُس میں شریک ہوتے، اُسے مستحسن و مندوب و موجبِ برکات و منبعِ خیرات سمجھتے ہیں، اُن میں سے ہیں حافظ امام ابوالفضل ابنِ حجر عسقلانی، حافظ ابو الخطاب بن دحیہ، شیخ ابوبکر حجار، شیخ ابو عبداللہ محمد استاذِ امام ابن ظفر، شیخ عمر بن ملّا موصلی، علامہ ابوالطیّب محمد بن ابراہیم مالکی، حافظ ابنِ رجب حنبلی، شیخ رکن الدین محمد بن یوسف دمشقی صاحبِ ''سیرتِ شامی''، سبطِ امام ابنِ جوزی، شیخ عبدالوہاب بن حسام متقی، ملّا علی قاری حنفی، علامہ محمد بن عبدالباقی زرقانی شارحِ ''مواہب''، امام سید جعفر برزنجی، علامہ سلیمان برسوی، امام سلطان یلدرم بایزید، شیخ برہان الدین ابراہیم بن عمر جعبری، شیخ حمد اللہ بن شیخ آق، شمس الدین مولیٰ حسن بجری متوفّٰی

---

(۱) "الدرّ الثمين"، الحديث الثاني والعشرون، صـ٦١ بتصرّف۔

۹۹۴ھ، برہان الدین محمد ناصحی، شیخ شمس الدین احمد بن محمد سیواسی، حافظ زین الدین عراقی، سید عفیف الدین ایجی شیرازی، علامہ مجد الدین فیروز آبادی، شیخ محمد بن حمزہ عربی واعظ، علامہ شمس الدین دمیاطی، علامہ برہان الدین ابو الصفا بن ابی الوفا شافعی والدِ علامہ کمال حنفی، علامہ ابو بکر فخر الدین دنقلی، شیخ علامہ محمد بن عثمان، امام حلبی صاحبِ ''سیرتِ حلبیہ''، علامہ ابو القاسم محمد بن عثمان لؤلؤی دمشقی، علامہ ابو الحسن احمد بن عبد اللہ بکری، وغیرہم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کہ مانعینِ عصر اِن میں سے اکثر حضرات سے سلسلۂ تلمّذ رکھتے ہیں، خواہ مستندینِ مانعین سے ہیں، اور مخالفین سند لانے کے وقت اُنہیں نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ یاد کرتے ہیں، اور خود اِن ساٹھ ہی ائمہ وعلما پر کیا موقوف! اور حصر وشمار کی کہاں قدرت! کہ روزِ شیوع سے آج تک اِن تمام قرونِ متطاولہ میں جماہیر اکابرِ شریعت ومشائخِ طریقت خود مجلس کرتے، یا اُس میں حاضر ہوتے، اور اُسے مستحب ومستحسن کہتے لکھتے سمجھتے رہے ہیں، ﴿وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ﴾ (1)۔

امام ابو الخیر شمس الملّۃ والدین سخاوی، وامام ابو الخیر شیخ القراء محمد محمد ابن الجزری، وامام شہاب الدین احمد بن محمد خطیب قسطلانی وغیرہم فرماتے ہیں، وھذا لفظ ''المواهب'': لا زال أهل الإسلام يحتفلون بشهر مولده عليه الصّلاة والسّلام، ويعملون الولائم، ويتصدّقون في لياليه بأنواع الصدقات، ويُظهرون السرور، ويزيدون في المبرّات، ويعتنون بقراء ة مولده الكريم،

---

(1) پ۱۸، النور: ۴۰۔

ويظهر عليهم من بركاته كلّ فضل عميم [1]۔

ہمیشہ اہلِ اسلام ماہِ مبارک ربیع الاوّل کا اہتمامِ تمام رکھتے آئے، اُس میں ولیمے، اور اُس کی راتوں میں طرح طرح کے صدقے، اور خوشی کا اظہار، اور مَولِد شریف پڑھنے میں اہتمام کرتے رہے، اور اس کی برکتوں سے اُن پر فضلِ عمیم ظاہر ہوا کیا۔ سلطانِ عادل ملک مظفر ابوسعید جن کے حال میں امام عمادالدین بن کثیر فرماتے ہیں: كان يعمل المولد الشريف في ربيع الأوّل، ويحتفل فيه احتفالاً هائلاً، وكان شهماً شجاعاً بطلاً عاقلاً عالماً عادلاً، وطالت مدّته في الملك إلى أن مات، وهو محاصر الفرنج بمدينة "عكا" في سنة ثلاثين وستّمئة [2]۔

ماہِ مبارک ربیع الاوّل میں مَولِد شریف کیا کرتے، اور اُس کی محفل عظیم الشان ترتیب دیتے، صاحبِ شہامت وشجاعت، دلیر وعاقل، وعالم وعادل، ونیک خصلت وپاکیزہ باطن تھے، مدّتِ دراز تک سلطنت فرمائی، یہاں تک کہ شہرِ ''عکا'' میں کافرانِ فرنگ کو محاصرہ کیے ہوئے ۶۳۰ھ میں انتقال کیا۔

سبطِ ابن الجوزی اُن کی محفلِ مبارک کا حال لکھتے ہیں: كان يحضر عنده في المولد أعيان العلماء والصوفية [3]، اُن کے یہاں مجلسِ مبارک میں اکابر

---

(۱) "المواهب"، المقصد الأوّل...إلخ، الاحتفال بالمولِد، ۱ /۱٤۸۔

(۲) انظر: "الحاوي للفتاوى"، كتاب الصداق، ضمن رسالة "حسن المقصد في عمل المولِد"، ۱ /۲۲۳۔

(۳) "سبل الهدى والرشاد"، الباب الثالث عشر في أقوال العلماء...إلخ، =

علما ومشائخ حاضر ہوتے تھے۔

امامِ جلیل جلال سیوطی اُنہیں کی مجلسِ مقدّس کو لکھتے ہیں: حضر عنده فيه العلماء والصلحاء من غير نكير منهم [1]، علما وصلحا اُس میں بلا انکار حاضر ہوتے، علمائے متقدّمین ومتأخرین نے خاص اس باب میں بہت رسائل [2] تصنیف فرمائے، از انجملہ: "التنوير في مولد السراج المنير" [3]، "التعريف بالمولد الشريف" [4]، "حسن المقصد في عمل المولد" [5]، "موعد الكرام لمولد النّبي عليه السّلام" [6]،

= ۳٦٢/١۔

(١) "سبل الهدى والرشاد"، الباب الثالث عشر في أقوال العلماء... إلخ، ١/٣٧٠۔

(٢) شیخ علمائے مکۂ معظمہ مولانا علامہ سید احمد زینی دحلان مکّی قدّس سرّہ الملکی کتاب "الدّرر السنيّة في الردّ على الوهابية" میں فرماتے ہیں: وقد أفردت مسألة المولد وما يتعلّق بها بالتأليف، واعتنى بذلك كثير من العلماء فألّفوا في ذلك مصنّفات مشيّنة بالأدلّة والبراهين ["الدرر السنيّة في الرد على الوهابية"، واجب تعظيم النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم، صـ ٥٠]، مجلسِ میلادِ مبارک اور اُس کے متعلقات کے بارے میں مستقل تالیفیں ہوئی ہیں، بکثرت علمانے اس کی طرف کامل توجہ کی، اور دلائل وبراہین سے لبریز تصنیفیں اس کے ثبوت میں لکھیں۔

(٣) للعلّامة أبي الخطّاب عمر بن حسن المعروف بابن دحية، المتوفّى ٦٣٣هـ، ألفه ٦٠٤هـ۔

(٤) للإمام ابن الجزري المتوفّى ٨٣٣هـ۔

(٥) للإمام الجليل خاتم الحفّاظ، المتوفّى ٩١١هـ۔

(٦) للشيخ برهان الدين إبراهيم بن عمر الجعبري المتوفّى ٧٣٢هـ۔

"جامع الآثار في مولد النّبي المختار" (١)، "المولد الحسماني والمورد الروحاني" (٢)، "مورد الصادي في مولد الهادي" (٣)، "اللفظ الرائق في مولد خير الخلائق" (٤)، "عرف التعريف في مولد الشريف" (٥)، "الدرّ المنظّم في مولد النبيّ المعظّم" (٦)، "اللفظ الجميل بمولد النّبي الجليل" (٧)، "فتح الله حسبي وكفى في مولد المصطفى" (٨)، "النفحة العزيّة في مولد الخير البريّة" (٩)، "مفتاح السرور والأفكار في مولد النّبي المختار" (١٠)، "المورد الروي في المولد النّبي" (١١)۔

---

(١) للحافظ شمس الدين محمد بن ناصر الدين الدمشقي المتوفّٰى ٨٤٢ هـ۔

(٢) لابن الشيخ آق شمس الدين الشيخ حمد اللّٰه۔

(٣) للإمام ابنِ ناصر الدين الممدوح۔

(٤) للإمام الدمشقي المذكور۔

(٥) للإمام شيخ الجزري و"مختصر تعريفه"۔

(٦) لأبي القاسم محمد بن عثمان اللؤلؤي الدمشقي۔

(٧) له وهو مختصر درّه المذكور۔

(٨) لبرهان الدين أبي الصفاء بن أبي الوفاء۔

(٩) للإمام مجد الدين محمد بن يعقوب فيروز آبادي المتوفّٰى ٨١٧هـ، وهو صاحب "القاموس"۔

(١٠) لأبي الحسن أحمد بن عبد اللّٰه البكري ۔

(١١) للعلّامة علي القاري المكّي المتوفّٰى ١٠١٤هـ۔

اور امام حافظ ابنِ جوزی محدّث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک رسالہ نہایت فصیح وبلیغ لکھا ہے، اور رسالۂ امام سید جعفر برزنجی کہ بلاغت ومتانت میں بے نظیر ہے، تمام ملکِ عرب میں مروّج اور حرمین شریفین میں پڑھا جاتا ہے، اور اُن کے نواسے علامہ سید زین العابدین نے رسالۂ مذکور اور رسالۂ معراجیہ امام موصوف کو بزبانِ فصیح نظم کیا(۱) ہے۔

اور ''انسان العیون'' و''سیرتِ شامیہ'' و''ضوءِ لامع''(۲) و''ما ثبت بالسنۃ'' و''مدارج النبوّۃ'' و''مواہب اللدُنیہ'' و''درِ منظّم'' و''مجمع البحار'' و''فیوض الحرمین'' و''شرح سننِ ابنِ ماجہ''(۳) وغیرہا بہت کتبِ معتبرہ متداولہ میں اس عملِ مبارک کو

---

(۱) ان کے علاوہ مولدِ مبارک میں بہت ائمہ وعلما نے تصانیف فرمائیں، مثل مولیٰ حسن بحری، وشیخ محمد بن حمزہ مزّی، وشیخ شمس الدین احمد سیواسی، وعلامہ فخر ابو بکر دنقلی، وبرہان محمد ناصحی، وشمس دَمیاطی ابنِ سنباطی، وبرہان بن یوسف فاقوسی، وامام زین الدین عراقی، وامام شمس الدین سخاوی، اور علامہ سید عفیف الدین ایجی شیرازی نے متعدد حوالہ لکھے، ذکرهم في "كشف الظنون" ["كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون"، ۲/ ۷۲۶، ۷۲۷] اور امام ابنِ حجر مکی کا بھی رسالہ ہے، نقل عنها الزرقاني في "شرح المواهب" ["شرح العلّامة الزرقاني"، المقصد الأوّل في تشريف الله تعالى له عليه الصلاة والسلام، قد اختلف في عام ولادته ﷺ، ۱/ ۲۵٦]، اور دیگر علماء حجاز وغیرہم کی تالیفات۔
حضرت عالمِ اہلسنّت مدظلہم العالی۔

(۲) للإمام شمس الدين محمد بن عبدالرحمن السخاوي المتوفّى ۹۰۲ھ۔

(۳) للإمام خاتم الحفّاظ أبي الفضل عبدالرحمن۔

اچھا لکھا ہے، اور اتفاقِ اہلِ حرمینِ شریفین ومصر وروم وشام ویمن وتمام ملکِ عرب ومغرب وغیرہا بلادِ اسلام کا اُس کے استحسان واستحباب پر، اور رائج ومعمول بہ ہونا اس عمل کا ممالکِ مذکورہ میں، اور شریک ہونا وہاں کے خواص وعوام کا بشہادتِ معتمدین ایسا ظاہر ہے کہ کوئی ذی شعور جو دیانت وحیا سے کچھ بھی بہرہ رکھتا ہے اُس میں کلام نہیں کر سکتا۔

آج تک کسی معتبر مستند سے کہ اکابرِ ممدوحین وائمۂ مذکورین کے مقابلے میں اُس کا کلام کچھ بھی قابلِ لحاظ ہو سوا تاج فاکہانی مالکی کے انکارِ نفسِ عملِ مولد اصلاً ثابت نہ ہوا، بلکہ خروجِ وہابیہ وشیوعِ نجدیہ سے پہلے بلادِ ہند میں بھی کسی نے اس عملِ مقدّس میں کلام نہ کیا، ہاں! حضراتِ وہابیہ نے اُس کی ممانعت اور بدعت وضلالت ہونے میں رسائل تصنیف کیے، اور فاعلین ومجوّزین کے حق میں (معاذ اللہ) مبتدع وگمراہ ولہابیہ اور اسی قسم کے کلماتِ قبیحہ، اور ایسے ہی الفاظِ شنیعہ بکے۔

اب تو اس ہندِ پُر فتن دار المحن میں ایک قیامت برپا ہے، ہر کس وناکس اَسپ بے لگام وشترِ بے مُہار کی طرح جو چاہتا ہے بکتا ہے، اور علمائے دین وفضلائے متدیّنین وائمۂ سابقین واکابرِ لاحقین کی نسبت جو منہ میں آتا ہے کہتا ہے، بلکہ اپنے اساتذہ ومشایخ کو (کہ شیوخِ وہابیۂ ہند کا سلسلۂ علمِ حدیث اُن حضرات تک پہنچتا ہے، مانند امام علامہ حافظ الحدیث شمس سخاوی وامامِ اجلّ شیخ الاسلام حافظ الحدیث جلال الدین سیوطی رحمہما اللہ تعالیٰ) کے بے تکلف (معاذ اللہ) مبتدع اور بدعتِ سیّئہ کے مروّج اور اُسے مستحب ومستحسن کہنے والے ٹھہراتے ہیں۔

اور تمام اہلِ اسلام بلادِ عرب وعجم وروم وشام وجمہور اہلِ سنّت وسوادِ اعظم

امت کو (کہ روزِ شیوعِ مَولِد سے إلی یومنا ھذا اسے اچھا سمجھتے، اور قرناً فقرناً وطبقۃً فطبقۃً اس عملِ مبارک کو کرتے، خواہ اُس میں شریک ہوتے) گمراہ واہلِ ضلالت قرار دیتے ہیں، اور زمانہ مَلِکِ عادل، عالم عاقل، جوّاد باذل، صوفی کامل، سلطان اِربل سے شاہ ولی اللہ صاحب محدّثِ دہلوی تک علمائے دین وفضلائے متدیّنین اکابرائمۂ شریعت ومشائخِ طریقت کہ (عیاذاً باللہ) حق پوش وناحق کوش کہ دانستہ بدعتِ سیئہ کے مجوّز ہوئے، یا باوجود قدرت اظہارِ حق سے ساکت رہے، اور اسی طرح کے الزامات کا مورد و مستوجِب بناتے ہیں۔

بعض حضرات کو نئی اُپج سوجھی کہ جس طرح مجوّزین بکثرت ہیں اسی طرح مانعین بھی بہت ہیں، تو مسئلہ مختلف فیہ ہوا، اور اس ادّعائے صریح البطلان کے اِثبات میں تو دوسرا حشر برپا کردیا، کتابوں اور عالموں کے نام بنالیے، اور علمائے مشہورین وکتبِ متداولہ پر اِفترا کیے، اور بہت خوش ہوئے: کہ اب اِلزام مخالفتِ جماعت وسوادِ اعظم کا دفع ہوا، اور قاضی شوستری کا نام ہم نے روشن کردیا۔

کسی نے مَولِدِ مبارک کی ممانعت ''تنبیہ امام شعرانی'' کی طرف نسبت کی، حالانکہ ''تنبیہ'' میں اس مسئلہ کا پتا ہی نہیں، لطف یہ کہ اِنہیں امام شعرانی نے اپنی کتاب مستطاب ''لواقح الانوار'' میں حضرت قطبِ کبیر سیدنا احمد کبیر بدوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے میلادِ مبارک کی مجلس میں جو بڑی دُھوم اور مہینوں کی راہ سے مسلمانوں کے ہجوم کے ساتھ مصر میں منعقد ہوتی ہے، خود اپنا بارہا شریک ہونا اور اُس کے عظیم وجلیل مدائح وبرکات، یہاں تک کہ اُس پر انکار کیے سے بعض اشخاص کا ایمان زائل ہوجانا بتایا، خدا کی شان مجلسِ اولیائے کرام کی نسبت جن کا یہ پاکیزہ اعتقاد ہے، مگروہ

مجلسِ میلادِ سید الاسیاد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) بدعت وناجائز بتائیں گے!۔

مؤلفینِ رسالہ ''ہدایۃ المبتدعین'' نے ''طریقۂ محمدیہ'' و ''شامی حاشیۂ درِمختار'' کو اُن کتابوں سے جن میں میلاد کو منع لکھا ہے شمار کیا، بعض نے ''طریقۂ محمدیہ'' کی جگہ منہیہ لکھ دیا، نہ ''طریقۂ محمدیہ'' میں اس مسئلہ کا ذکر، نہ رجب آفندی جس کی طرف تصنیف اُس کی نسبت کرتے ہیں اُس کا مصنف، نہ ''ردالمحتار حاشیۂ درِمختار'' میں اس ادّعا کا کچھ پتا، انہوں نے نذرِ مخصوص میں کلام کیا ہے، اور منہیہ ''طریقۂ محمدیہ'' میں عورات کو بیبا کی اور بلند آواز سے مولد پڑھنے، اور اجنبی مردوں کو سنانے سے منع کیا ہے، اصلِ مولد سے کچھ بحث نہیں۔ ''قولِ معتمد'' کا حوالہ دیا، اور بشیر قنوجی نے ''غایۃ الکلام''، اور نواب بھوپالی نے ''کلمۃ الحق'' میں اُسے احمد بن محمد مصری کی طرف نسبت کیا، اور مطالبۂ خصم کے وقت کسی صاحب سے اُس کا وجود بھی ثابت نہ ہوسکا۔

بعض حضرات نے سب سے بلند پروازی کی، امام قسطلانی، وشیخ محققِ دہلوی کو بھی مانعین کی فہرست میں ذکر کیا، جن کا مجوِّزین سے ہونا اور اس عملِ مقدّس کی مدح وثنا کرنا آفتابِ نیمروز سے بھی ظاہر تر ہے۔ واہ دیانت واہ! حیا کا مرتبہ اس حد کو پہنچا ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ (١)! اسی طرح شرف الدین احمد وعلاء الدین بن اسماعیل، ومحمد بن ابو بکر مخزومی، وعبدالرحمٰن بن عبدالمجید مالکی، وعبدالغنی الشہیر بابن نقطہ بغدادی حنبلی، وابو الفضل بن فضل مقدسی وغیرہم کا نام بحوالہ قولِ معتمد

---

(١) پ٢، البقرۃ: ١٥٦۔

فہرستِ مانعین میں داخل کرتے ہیں، اور ''قولِ معتمد'' کا اعتبار کیا؟ وجود بھی ڈپٹی اِمداد علی کی المباری کے سوا تمام عالَم میں ثابت نہیں کر سکتے!۔

اور بعد تسلیمِ حوالہ واعتبارِ ''قولِ معتمد'' کے اکثر صاحبوں کی عبارت میں (کہ بحوالۂ کتابِ مذکور مانعینِ عصر نے نقل کی ہے) بدعتِ سیّیہ ومعصیت ہونا اس عملِ مَولِد کا (کہ منکَراتِ شرعیہ سے خالی ہو) مذکور نہیں، بعض اَزمنہ واَعصار میں اس عملِ مقدّس میں مزامیر وغیرہ بھی ہوتے، محتمل کہ انکار اُن کا ایسی مجلس کی نسبت ہو، اور ''تاریخِ خوارزمی'' سے (کہ عبارت اس کی بھی بحوالہ ''قولِ معتمد'' نقل کی) متعلق مسئلہ کے صرف اسی قدر ظاہر کہ ملک مظفر ربیع الاوّل میں محفلِ مَولِد کرتا، اور بادشاہوں میں اُس نے پہلے اس عمل کو اِحداث کیا، بھلا یہ مضمون مَولِد کی شناعت پر کچھ بھی دلالت کرتا ہے؟!

اور عبد الرحمٰن حنفی صاحبِ فتاویٰ سے صاحبِ ''شرعہ'' نے صرف بدعت ہونا نقل کیا ہے، کلامِ [1] ابن الحاج ''مدخل'' میں نہایت مضطرب، یہاں تک کہ بعض مانعین نے اُنہیں مجوِّزینِ مَولِد سے قرار دیا ہے، اور وہ نہایت [2] شدّ ومد کے ساتھ ماہِ ربیع الاوّل کی عظمت بوجہِ ولادتِ باسعادت اور اسے انواعِ عبادت کے ساتھ

---

(۱) ہمارے پاس موجود نسخہ میں یہاں کچھ صفحات مفقود ہیں، شاید امام احمد رضا کا یہ مشار الیہ حاشیہ ان صفحات میں سے کسی پر ہو۔

(۲) ہمارے پاس موجود نسخہ میں یہاں کچھ صفحات مفقود ہیں، شاید امام احمد رضا کا یہ مشار الیہ حاشیہ ان صفحات میں سے کسی پر ہو۔

مخصوص وممتاز ثابت کرتے ہیں، اور توجیہ کلامِ (۱) امام کی اس میں منحصر کہ اصلِ مَولِد کے قائل اور منکَراتِ شرعیہ پر اس مجلسِ مبارک میں اُس وقت ہوتے، معترض ہیں۔ باوجود اس کے اُن سے استناد اور اُن کے کلام سے استدلال انہیں حضرات کا کام ہے۔

اسی طرح بحوالہ ''شرعۃ الٰہیہ'' جو مضمون نقل کیا، اور رسالۂ مذکورہ میں عبدالرحمٰن مغربی حنفی ونصیرالدین دووی شافعی وابن الفضل واحمد بن حسن کا حوالہ دیا بدُونِ اِثباتِ اعتبارِ ''شرعۃ الٰہیہ'' اُن کے خصم پر حجت نہیں، جب اُن لوگوں کی کتابوں میں جن کا ان دونا معتمد کتابوں ''قولِ معتمد'' و''شرعہ'' میں حوالہ بتایا جاتا ہے، یا اور کسی معتمد ومعتبر کتاب میں اُن کے حوالے سے یہ مضمون دکھا دینگے، یا ''شرعۃ الٰہیہ'' و''قولِ معتمد'' کا اعتبار ثابت کر دیں گے، اُس وقت مستحقِ جواب ہوں گے۔

اور ''ذخیرۃ السالکین'' و''نور الیقین'' کس کے نزدیک معتبر ہیں؟! اور ''مجموعۃ الفتاوی'' قاضی دولت آبادی کا بمقابلہ جمِ غفیر علمائے محققین ومستندینِ فریقَین کیا وقعت رکھتا ہے؟! اور جو عبارت کہ عبدالرحمٰن مغربی ونصیرالدین دووی واحمد بن حسن کی طرف نسبت کی، اور انکار ''ذخیرۃ السالکین'' ومؤلفِ ''نور الیقین'' کا (اگر صحیح ہو) معنیٰ بدعت پر مبنی تھا، بطلان اُس کا مقدمۂ رسالہ ہذا سے (کہ تحقیقِ معنیٰ بدعت میں ہے) بخوبی ظاہر ہوا، قطع نظر ان سب امور کے یہ لوگ تقسیمِ بدعت کے

(۱) ہمارے پاس موجود نسخہ میں یہاں کچھ صفحات مفقود ہیں، شاید امام احمد رضا کا یہ مشارالیہ حاشیہ ان صفحات میں سے کسی پر ہو۔

قائل تھے یا منکِر؟ پچھلی صورت میں قول اُن کا خلافِ اِجماع، لا اَقل مخالف اُس مذہبِ منصور کے ہے، جو عصرِ صحابہ سے مقبولِ جمہورِ اہلِ اسلام رہا، اور اشاراتِ حدیث سے بروجہ اَحسن ثابت ہوا۔ اور پہلی تقدیر پر بدُون اِثبات وبیانِ حرجِ شرعی کے دعویٰ بلا دلیل ہے، شاید اصلِ اِباحت سے ذہول یا اُس میں غلطی کی، ورنہ قائلِ کراہت ہونے کی کیا گنجائش تھی؟!

اور سنیے! بقول شخصے: ''بدنام کنندۂ نکونامی چند''، مولوی بشیر قنوجی نے جناب مجدّ دالفِ ثانی کو بھی مانعینِ مَولِد میں شمار کرلیا، اور اس ادّعا کے ثبوت میں جو مکتوب شیخ کا نقل کیا اُسے بھی خاک نہ سمجھا، اِس قدر تو سمجھ لیتے کہ وہ کس مجلس کو منع کرتے ہیں! اور مقصود ممانعت سے کیا ہے! مکتوبِ مذکور کے شروع میں لکھا ہے: ''اندراج یافتہ بود کہ اگر مبالغہ درمنعِ سماع متضمّن منع مولود کہ عبارت از قصایدِ نعت واَشعارِ غیر نعت خواندن است نیز بود اخوی اعزّی میر نعمان وبعضے یارانِ اینجا کہ در واقعۂ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم را دیدہ اند کہ ازیں معرکہ مولود بسیار راضی اند بر نیہا ترک شنودن مولود بسے مشکل است مخدوما اگر وقائع را اعتبار بود... الخ''(۱)۔

دیکھو! کلام اُس میلاد میں ہے کہ ضمنِ سماع میں معمول ومروّج تھا، اور اس امر کی تصریح اُن کے دوسرے مکتوبات (۲) سے ظاہر، اور نیز یہ کلام صریح ہے کہ باوجود اِشتمال وتضمّنِ سماع کے بھی انکار فعلِ مولد سے محض تشدّد، اور اس مصلحت پر

---

(۱)''مکتوبات''، مکتوب ۲۷۳، المجلّد الأوّل، حصّہ پنجم، ص ۱۹۔

(۲) زیادہ ہیں، حضرت شیخ مجدّد سے یہی کلام دیکھیے جلد دوم، مکتوب نمبر سیم میں فرماتے ہیں:=

کہ بے اس کے لوگ ارتکابِ مناہی سے باز نہ آئیں گے، مبنی ہے، اور صدہا اقوالِ مجدّد صاحب اور اعمالِ طریقۂ مجدّدیہ، اصولِ مانعین اور ''تقویۃ الایمان'' و''اِیضاح الحق'' کی رُو سے شرک (۱) و بدعت میں داخل، اُن میں بھی مجدّد صاحب کو مانیں گے؟

یا وہ صرف مسئلۂ مولد ہی میں مستند ہیں؟! اَور اُمور میں باتباعِ اسماعیل دہلوی (معاذ اللہ) اور علمائے شریعت ومشائخِ طریقت کی طرح مرتکب ومجوّزِ شرک قرار پائیں گے؟!

اور سب جانے دیجیے! خاص مانحن فیہ میں مجدّد صاحب سے کیا کچھ ثابت ہے! جلدِ ثالث کے مکتوب صد ہفتم میں لکھتے ہیں ''امروز طعامہاے متلوّن فرمودہ ایم کہ بروحانیتِ آن سرور علیہ الصلاۃ والسلام پزند ومجلسِ شادی سازند... الخ''(۲)، کیا

= ''خواجۂ محمد اشرف ورزشِ نسبتِ رابطہ را نوشتہ بودند کہ بحدے استیلا یافتہ است کہ در صلوٰۃ آنرا مسجودِ خود میدانند و مے بینند و اگر فرضاً نفی میکند منتفی نمیگردد، محبت اطوار این دولت متمنائے طلاب ست از ہزاران یکے را مگر بدہند، ظہورِ این قسمِ دولت سعادتمندان را میسّر ست تا در جمیعِ احوال صاحبِ رابطہ را متوسّطِ خود دانند، ودر جمیعِ اوقات متوجہِ او باشند، نہ در رنگِ جماعۂ بیدولت کہ خود را مستغنی دانند وقبلۂ توجہ را از شیخ خود منحرف سازند ومعاملۂ خود را برہم زنند''۔

["مکتوبات"، مکتوب ۳۰، المجلّد الثاني، دفتر دوم، حصّہ ششم، صـ ٦٧ ملتقطاً]۔

(۱) ایمان سے کہنا! ایمانِ اسماعیل دہلوی وسائر اِخوان وذرّیاتِ نجدی کے رُو سے کتنا بھاری شرک ہے؟! ساری عبارت شرکِ اکبر کے گہرے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے، اس کے مختصر بیان کو فقیر کا رسالہ ''الکوکبۃ الشہابیۃ'' ملاحظہ ہو! معاذ اللہ! تمہارے دھرم میں تو ایسے کا مسلمان سمجھنا بھی حرام، بلکہ خود کفر وشرک ہے، نہ کہ اُن سے کسی مسئلے میں سند لانا۔ حضرت عالمِ اہلسنّت دامت فیوضہم۔

(۲) "مکتوبات"، مکتوب ۱۰٦، المجلّد الثاني، دفتر سوم، حصّہ نہم، صـ ۸۷۔

یہ مضمون نظر سے نہیں گزرا؟! یا دانستہ ہضم کر گئے؟! اسی طرح نظر بدفعِ تناقض اقوال وتخالف احوال دیگر اکابر کے کلام میں (کہ بزعمِ مانعین اصلِ مَولِد کے منکِر قرار پائے ہیں) ممانعت کو وجودِ سماع وغیرہ اُمور پر محمول کرنا ضرور۔

اور فاکہانی کا انکار بعد اتفاقِ جمہور خاص وعام، بلکہ اِجماعِ سکوتی اہلِ اسلام قابلِ اِلتفات نہیں، مع ہذا اِنعدامِ اصل پر مبنی تھا، بعد ثبوتِ اصل کالعدم ہوگیا، انہیں بزرگوار یعنی بشیر صاحب قنوجی کی دوسری کارگزاری اس سے بڑھ کر ملاحظہ کیجیے! کہ رسالہ ''غایۃ الکلام'' میں ایک رسالہ عربیہ از نام ناصر فاکہانی بنام نہاد جوابِ رسالہ امام جلال الدین سیوطی نقل کر دیا، ہر چند مطالبہ ہوا کہ حضرت یہ ناصر مفروض کون ہے؟ کس زمانے میں تھا؟ کس نے اُس سے استناد کیا؟ یا اُس کے رسالہ کو معتبر ٹھہرایا؟ اِن امور کا جواب ایک طرف، دنیا میں اس کی پیدائش کا بھی پتا نہ چلا، سوا اس کے جو کلام اُس مفروض کی طرف سے نسبت کیا ہے اسی خبط وخلط کو متضمن جو مانعینِ وقت کی زبان پر جاری رہتے ہیں، اور اہل سنّت کی طرف سے بارہا اُن کے جواب پاچکے ہیں، ظاہراً انہیں حضرات نے اس غرض سے بنالیا ہے کہ اپنے اصولِ مخترعہ دوسروں کی زبان سے نقل کریں؛ کہ لوگ سمجھیں: ''یہ حضرات ہی ایسے اُمور کو منع اور ان اصول بے معنی سے استناد نہیں کرتے، بلکہ اگلوں میں بھی ایسے گزرے ہیں''۔

ایسی حرکاتِ لایعنی سے اگرچہ بعض عوام بے چارے دھوکے میں آجائیں، مگر جو ذرا بھی علم ودانش رکھتا یا علما کا صحبت یافتہ ہے، اُس کے ایسے مجہول، بلکہ نامخلوق سے استناد نہ فقط باطل وفضول ہی ہے، بلکہ یہ بات اچھی طرح ظاہر کرتا ہے کہ ان حضرات کو اپنی خرافات کی تائید میں علما اور کتابوں کے نام بنالینے، اور بے کار باتیں

اور مہملات پیش کرنے کے سوا کچھ نہیں آتا، اور جب رسالۂ ناصر فاکہانی ''قولِ معتمد'' ''شرعۃ الٰہیہ'' ''نور الیقین'' وغیرہ کا یہ حال! اور جن علما کو ان کے حوالہ سے خواہ بدُونِ حوالہ مانعین سے شمار کرتے ہیں، اُن سے استناد میں وہ اختلال!۔

اور ابن الحاج کا کلامِ مضطرب، اور تاج فاکہانی مالکی کا قول (بسببِ مخالفت سوادِ اعظم مسلمین، اور رد کرنے علمائے دین کے، اور نیز اس وجہ سے کہ اِنعدام اصل پر مبنی تھا) بعد ثبوتِ اصل مضمحل ہو گیا، اصلاً لائقِ استناد و قابلِ لحاظ نہیں۔ تو بشیر الدین صاحب قنوجی، اور نواب صاحب بہادر بھوپالی، اور اُن کے بھائی احمد حسن خان متوفّٰی، اور سید امداد علی صاحب ڈپٹی کلکٹر، یا دوسرے درجے میں مؤلفینِ ''ہدایۃ المبتدعین'' و رسالۂ نواب صاحب بہادر والی ٹونک، اور ان حضرات کے بعض اَقران و اَمثال کے سوا کوئی مانع اس مجلسِ مبارک کا جس میں کلام ہی باقی نہ رہا۔

اب اہلِ اسلام سے انصاف طلب ہے کہ بمقابلہ آیات و احادیث و اقوالِ ائمۂ دین و علمائے راسخین جن سے مخالف و موافق سب سند لاتے، اور اُنہیں پیشوایانِ شریعت و مقتدایانِ ملّت سے جانتے ہیں، اور اتفاق جمہورِ اہلِ سنت و عملِ اکابرِ شریعت و طریقت، بلکہ اکثر خاص و عام اہلِ اسلام مصر، و یمن، و روم، و شام، و مغرب، و عجم، و عرب، بالخصوص علما و صلحائے حرمین شریفین زادہم اللّٰہ شرفاً و کرامۃً کے امرِ دین میں ان صاحبوں کے اعتبار اور ان کے بیان پر کچھ بھی اعتماد کی گنجائش ہے؟!

اور ان حضرات کا انکار کہ ملکِ ہند میں ضعفِ دین و ملت اور دوسرے مذہب کی حکومت دیکھ کر محض ہَوائے نفس و فسادِ عقیدت سے اُس کے مرتکب ہوئے، کچھ بھی وقعت رکھتا ہے؟! اور باوجود تصریحاتِ علمائے دین و ائمہ محققین مغالطاتِ

وہابیہ سے پریشان ہونا، اور باوصف ایسے ثبوت کے ان صاحبوں کے مجرّد کہہ دینے سے استحسان واستحبابِ مَولِد میں ترڈّد کرنا کیا مقتضٰی عقل ودیانت کا ہے؟! کیا قولِ جمہور جن کی نسبت حدیثِ ابن ماجہ میں وارد: ((اتّبعوا السواد الأعظم؛ فإنّه مَن شذّ شذّ في النّار)) [1] اتباع کے لیے کفایت نہیں کرتا؟! اوراس پانچ نام کتابوں اورعلما کے اُن بے ضابطگیوں نافہمیوں کے ساتھ (جن کا بیان بطورِ نمونہ بن چکے) ذکر کردینا کتابوں اورعلما کی طرف غلط نسبت، اور جھوٹا حوالہ، بلکہ محض فرضی نام کتب وعلما کے بنالینا، کیا ایسی چلاکیوں اور عیاریوں سے مخالفتِ سوادِ اعظم کا اِلزام حضراتِ وہابیہ سے دفع ہوسکتا ہے؟! اور وعیدِ شدید: ((مَن شذّ شذّ في النّار)) سے اُنہیں نجات دیتا ہے؟! لا حول ولا قوّة إلّا بالله العليّ العظيم ۔

گیارھویں دلیل: ابنِ خلکان اپنی ''تاریخ'' میں لکھتے ہیں: وأمّا احتفاله بمولد النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم فإنّ الوصف يقصر عن الإحاطة به، لكن نذكر طرفاً منه وهو أنّ أهل البلاد كانوا سمعوا بحسن اعتقاده فيه، فكان كلّ سنة يصل من البلاد القريبة من أهل مثل بغداد، والموصل، والجزيرة، وسنجا، ونصيبين، وبلاد العجم، وتلك النواحي خلق كثير من الفقهاء والصوفية والوعّاظ...إلخ [2]، حاصل یہ کہ سلطانِ

---

(۱) انظر: "مشكاة المصابيح"، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنّة، الفصل الثاني، ر: ۱۷٤، ۱ / ۹۷ نقلاً عن ابن ماجه۔

(۲) "وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان"، حرف الكاف، مظفر الدين صاحب إربل، ۲/۲۹۱۔

جمیع خیرات ومبدءِ تمام برکات ہے) عید میلاد کرتے ہیں، اور عید کی طرح لباسِ فاخرہ پہنتے، اور تہنیت ومبارکباد کہتے ہیں، اور قصہ میلاد شریف کا (کہ علمائے اَعلام نے فصیح عبارتوں کے ساتھ اپنے رسائل میں لکھا ہے) پڑھتے ہیں، اور باہم میزبانی وضیافت کرتے ہیں، اور اس عمل کو غنا واستغنا اور تمام سال کی عافیت کے واسطے تجربہ کیا ہے۔

اگلے سلاطینِ اسلام اس بات میں تاکید واہتمامِ بلیغ رکھتے، اور اموالِ کثیرہ انعقادِ مجلس میں خرچ کرتے، حرمِ مکۂ معظّمہ میں یہ مجلس نمازِ مغرب کے بعد مَولِد شریف میں منعقد ہوتی ہے، اور مدینۂ سکینہ میں اوّل روز مسجد شریف میں، اور خرچ اُس کا حضرت سلطانِ روم کی سرکار سے ہوتا ہے، فقیر نے (کہ اس سال شرفِ ورودِ مدینہ طیبہ سے مشرّف ہے) دیکھا کہ شب کو اور دنوں سے دوچند روشنی حرم شریف میں ہوئی، اور صبح صحنِ مسجد میں منبر رکھا گیا، اور شیخ الحرم وقاضی ومفتی وجمیع اکابر وخواص وعوام سب حاضر ہوئے، اور خوشبو سلگائی، اور چار آدمی باری سے منبر پر گئے، ہر ایک نے پہلے روضۂ مقدّسہ کی طرف منہ کرکے اس طرح جیسے اجازت چاہتا ہے تھوڑی دیر قیام کیا، پھر مولود سید جعفر برزنجی کا (کہ نہایت فصیح وبلیغ ہے) پڑھا۔ اور اس مجلسِ مبارک میں دستور ہے کہ جب ذکرِ ولادتِ اقدس پر آتے ہیں، قاری اور سب حاضرین کھڑے ہوجاتے ہیں، اور درود شریف کی اُس وقت تکرار کرتے ہیں، پھر بیٹھ جاتے ہیں، بعد ختمِ مَولِد کے شربت وگلاب سلطانِ روم کی طرف سے حاضرین کو تقسیم ہوا، اور بادشاہ کے خزانچی نے خلعتِ فاخرہ شیخ الحرم، اور قاضی ومفتی حنفی، اور نائب الحرم، اور شیخ الخطبا، اور دیگر اربابِ خدمات کو پہنائے، اور اشرفیاں

میں اہلِ حرمین واہلِ عجم کا مجلس کرنا تحریر فرماتے ہیں[۱]۔ امام حافظ ابنِ جوزی محدّث رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی رسالۂ مَولِد میں اہلِ حرمین ومصر ویمن وتمام ملکِ عرب کا مجلس کرنا اور ماہ ربیع الاوّل میں اظہارِ سرور وزینت وخیرات کی کثرت اور مَولِد پڑھنے اور سننے میں اہتمامِ بلیغ کرنا ذکر کیا ہے، اور فرماتے ہیں کہ: ببرکت اس عمل کے اجرِ جزیل وفوزِ عظیم حاصل کرتے ہیں، اور تجربہ کیا گیا ہے کہ بدولت محفل شریف کے تمام سال خیر وبرکت وسلامت وعافیت اور فراخی رزق میں، اور زیادتی مال ودولت، اور امن وامان شہروں، اور چین آرام گھروں میں اُنہیں حاصل ہوتا ہے۔

اور شیخ عبد الحق دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے "ما ثبت بالسنّة" میں اہلِ اسلام کا ربیع الاوّل شریف میں مجلس کرنا، اور صدقہ دینا، اور بجہت قرأتِ مَولِد واظہارِ سرور وفرحت کے برکات کا اُن کے لیے ظاہر ہونا نقل فرمایا ہے[۲]۔ اور مولانا رفیع الدین خان صاحب مرادآبادی نے (جن سے رئیس المانعین نواب بھوپالی بہادر "کلمۃ الحق"[۳] میں استناد کرتے ہیں) اپنے رسالے میں (کہ احوالِ سفرِ حج میں ہے) لکھا ہے: اتوار کے روز بارہویں تاریخ نمازِ فجر کے بعد مجلسِ مَولِد منعقد ہوئی، حرمینِ شریفین، وشام، ومصر، وروم، ومغرب، وعراق کے شہروں میں عادتِ مستمرّہ ہے کہ اس دن بجہتِ ولادت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (کہ منشائے

---

(۱) "المورد الروي في مولد النّبي" (مترجم بالأردية)، مترجِم مولانا عبد القيوم، ص۔ ۲۹۰۔۲۹۲ ملتقطاً۔

(۲) "ما ثبت من السُنّة في أيّام السَنة"، ذكر شهر ربيع الأوّل، ص۔ ۱۰۲۔

(۳) "كلمة الحق"۔

جمیع خیرات ومبدءِ تمام برکات ہے) عید میلاد کرتے ہیں، اور عید کی طرح لباسِ فاخرہ پہنتے، اور تہنیت ومبارکباد کہتے ہیں، اور قصہ میلاد شریف کا (کہ علمائے اَعلام نے فصیح عبارتوں کے ساتھ اپنے رسائل میں لکھا ہے) پڑھتے ہیں، اور باہم میزبانی وضیافت کرتے ہیں، اور اس عمل کو غنا واستغنا اور تمام سال کی عافیت کے واسطے تجربہ کیا ہے۔

اگلے سلاطینِ اسلام اس بات میں تاکید واہتمامِ بلیغ رکھتے، اور اموالِ کثیرہ انعقادِ مجلس میں خرچ کرتے، حرمِ مکۂ معظّمہ میں یہ مجلس نمازِ مغرب کے بعد مَولِد شریف میں منعقد ہوتی ہے، اور مدینۂ سکینہ میں اوّل روز مسجد شریف میں، اور خرچ اُس کا حضرت سلطانِ روم کی سرکار سے ہوتا ہے، فقیر نے (کہ اس سال شرفِ ورودِ مدینہ طیبہ سے مشرّف ہے) دیکھا کہ شب کو اور دنوں سے دوچند روشنی حرم شریف میں ہوئی، اور صبح صحنِ مسجد میں منبر رکھا گیا، اور شیخ الحرم وقاضی ومفتی وجمیع اکابر وخواص وعوام سب حاضر ہوئے، اور خوشبو سلگائی، اور چار آدمی باری سے منبر پر گئے، ہر ایک نے پہلے روضۂ مقدّسہ کی طرف منہ کرکے اس طرح جیسے اجازت چاہتا ہے تھوڑی دیر قیام کیا، پھر مولود سید جعفر برزنجی کا (کہ نہایت فصیح وبلیغ ہے) پڑھا۔ اور اس مجلسِ مبارک میں دستور ہے کہ جب ذکرِ ولادتِ اقدس پر آتے ہیں، قاری اور سب حاضرین کھڑے ہوجاتے ہیں، اور درود شریف کی اُس وقت تکرار کرتے ہیں، پھر بیٹھ جاتے ہیں، بعد ختمِ مَولِد کے شربت وگلاب سلطانِ روم کی طرف سے حاضرین کو تقسیم ہوا، اور بادشاہ کے خزانچی نے خلعتِ فاخرہ شیخ الحرم، اور قاضی ومفتی حنفی، اور نائب الحرم، اور شیخ الخطبا، اور دیگر اربابِ خدمات کو پہنائے، اور اشرفیاں

اَعیان واکابر وخدّامِ حرمِ محترم کو بقدرِ مراتب تقسیم کیں، اور یہاں کے اغنیا بھی اپنے گھروں میں مجلس کرتے ہیں۔

بالجملہ امام ابنِ جوزی، وابنِ خلکان، وحافظ امام سخاوی، وامام جزری، وامام قسطلانی، وملاّ علی قاری، وسبطِ ابنِ جوزی، وشیخ عبدالحق محققِ دہلوی، ومولوی رفیع الدین مرادآبادی (کہ سب مستندین ومعتمدین مانعینِ عصر سے ہیں) بہت بلادِ دارالاسلام کے علما وغیرہم کا مجلس کرنا یا شریک ہونا بیان کرتے ہیں، اور ابنِ خلکان فقہا وصوفیہ وواعظینِ بغداد، وموصل، وجزیرہ، وسنجا، ونصیبین، وبلادِ عجم کا اس میں حاضر ہونا، اور ملاّ علی قاری اہلِ حرمین وبلادِ عجم کا، اور مولوی رفیع الدین خان مرادآبادی اہلِ حرمین کے ساتھ سکّانِ روم، وشام، ومصر، ومغرب، وعراق، اور امام ابنِ جوزی اہلِ حرمین، ومصر، ویمن، اور تمام ملکِ عرب کا مجلس کرنا تحریر فرماتے ہیں۔

اور امام سخاوی، وامام ابن الجزری، وشیخِ محقق، وامام قسطلانی، وعلامہ دیار بکری لکھتے ہیں کہ: ہمیشہ سے اہلِ اسلام یہ مجلس کرتے ہیں، اور بشہادتِ جماعت کثیر وجمِّ غفیرِ مسلمین جن کا بیان مفیدِ یقین ہے، ثابت کہ بفضلہٖ تعالیٰ اب تک اُن ملکوں میں یہ مجلس مبارک برابر معمول بہٖ ورائج ہے، جسے تامّل ہو موسمِ حج میں اُن سب بلاد کے باشندوں سے (کہ وہاں حاضر ہوتے ہیں) دریافت کرلے، خواہ حاجیوں کی معرفت تحقیق کرالے، زمانۂ سابق میں بھی ایک دو شخص کے سوا علمائے معتبرین مستندین سے کسی نے کلام نہ کیا ہو، قطع نظر عدمِ صحت مبنٰی سے انکار وخلاف اُن کا تعامل میں کچھ حرج نہیں کرتا۔

''اَشباہ'' میں ہے: إنّما تعتبر العادة إذا اطردت أو غلبت [1]، اور نہ اعتبارِ تعامل کے لیے عصرِ صحابہ سے توارُث شرط، اور نہ تحقیقِ رواج اُس کا جمیع بلاد میں اور علم اُس کے تحقّق کا ضرور، چنانچہ ان سب امور کی تحقیقِ تام وتنقیحِ تمام ہمارے رسالہ ''اصول الرشاد'' میں مذکور، اور اُسی سے ثابت کہ فقہا نے تعامل کو عبادات میں بھی اعتبار کیا ہے۔

بالجملہ عملِ مَولِد معمول ومتوارثِ مسلمین وسنّت وطریقِ مؤمنین ہے، اور تعامل وتوارُث وعادت وسنّتِ مسلمین بتصریحِ فقہا واُصولیین از جملہ دلائلِ شرعِ متین ہے، کتبِ فقہ میں صدہا جزئیات اُس پر متفرع کیے، بلکہ اِتباع اُس کا قرآن مجید سے واجب، اور اُس کی مخالفت پر وعیدِ شدید وارد: ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا﴾ [2]۔

بارھویں دلیل: ہم استحسانِ مولِد کو اِجماعی بھی کہہ سکتے ہیں؛ کہ حنفیہ اور جمہور علما کے نزدیک اتفاق بعض کا کسی قول خواہ فعل پر، اور سکوت وعدمِ تعرّض باقی لوگوں کا تین دن تک مجلسِ علم میں ایک قسم کا اِجماع ہے، جسے اِجماعِ سکوتی کہتے ہیں، اور اس جگہ علم بعدمِ مخالف ضرور نہیں، بلکہ عدمِ علم مخالف خصوصاً بعد امتدادِ زمانہ

---

(۱) "الأشباه والنظائر"، الفن الأوّل، القواعد الكلية، القاعدة السادسة: العادة محكمة، المبحث الثاني، صـ ۱۰۳۔

(۲) پ۵، النساء: ۱۱۵۔

تأمّل کے کافی، کما في "التحقيق شرح الحسامي": إذا نصّ بعض أهل الإجماع على حكم في مسألة قبل استقرار المذاهب على حكم تلك المسألة، وانتشر ذلك بين أهل العصر، ومضت مدّة التأمّل فيه، ولم يظهر له مخالف، كان ذلك إجماعاً عند جمهور العلماء، ويسمّى إجماعاً سكوتياً[۱]۔

اور متکلمینِ مذہبِ جدید کو بھی اس کا اعتراف ہے: ''وانچہ درا کثر اصحاب وقرن باسکوت باقین بلانکیر احدے مروّج بود بمنزلۂ سبیل وخلق جمیع اصحاب وہمہ قرن باشد'' بحوالہ ''شرحِ حسامی''۔

مخالفین کے طور پر بھی کہہ سکتے ہیں کہ: عصرِ صحابہ کے سوا علم باتفاقِ کل ممکن نہیں، تو علم بالسکوت پر کسی طرح مدار نہیں ہوسکتا، بلکہ عدمِ ظہورِ مخالف ہی کافی ہوگا، ورنہ محدَثاتِ عصرِ تابعین بھی بدعت وضلالت میں داخل ہوجائیں گے؛ کہ اتفاقِ بقیہ تابعین کسی امر میں ثابت نہ کرسکیں گے۔ انہیں متکلمِ قنوجی نے تدوینِ علوم وتعلیم وتعلّمِ صرف ونحو واعرابِ قرآن مجید وغیرہ کو مجمع علیہا ٹھہرایا ہے، کیا صحابہ نے ان امور پر اِجماع کیا ہے؟! یا تابعین خواہ تبع تابعین کا اتفاق ان مسائل میں بمعنیٰ علم بحالِ کل فرد ثابت ہوگیا، تو سوا عدمِ ظہورِ مخالف کے اور کیا معنیٰ ہے؟! اور اِجماع کچھ اِجماعِ مجتہدین میں منحصر نہیں، نواب صاحب بہادر ''کلمۃ الحق'' میں لکھتے ہیں: ''وبایدک اہلِ اِجماع گمسانے بوند کہ مجتہد بوند مگر در چیزے کہ مستغنی عن الاجتہاد باشد ونباشد

---

(۱) "كتاب التحقيق"، باب الإجماع، صـ۲۱۱۔

ورِدِ فسق وہوائے نفس'' (۱)۔

دیکھو! مانعین کے رئیس المتکلمین کو بھی مسائلِ مستغنی عن الاجتہاد میں صاف اعتراف ہے کہ اہلِ اِجماع کا مجتہدین سے ہونا ضرور نہیں، اور یہ قید ''ونباشد ورِدِ فسق وہوائے نفس'' محض فضول؛ کہ قول وفعل مجتہدین کا بھی ایسا ہی ہونا چاہیے، لیکن بلا وجہِ شرعی مجرّد وہم وخیال سے مجتہدین خواہ علما وائمۂ غیر مجتہدین کی رائے وعمل میں اس احتمال کو قائم کرنا متعصبِ عنید کے سوا دوسرے سے کب ہوسکتا ہے؟!

حاصلِ کلام یہ کہ جب عملِ مولِد زمانہ سُلطان عالم عادل شاہِ اربل میں شائع ہوا علما ومشائخِ اطراف واَکناف بشہادتِ ابنِ خلکان اس میں حاضر ہوتے، اور بشہادتِ امام سخاوی، وامام ابنِ جزری، وامام قسطلانی، وعلامہ حسین، وشیخ محققِ دہلوی ہمیشہ اہلِ اسلام اَقطار وبلاد میں مجلس کرتے، اور بگواہی حافظ عماد الدین بن کثیر ائمۂ اہلِ سنّت واساطینِ ملت سے اُس کی ثنا کرنا اور اچھا سمجھنا ثابت ہے، اور اُس زمانے میں کسی سے انکار واعتراض ظاہر نہ ہوا؛ کہ فاکہانی وغیرہ کا اُس وقت وجود بھی نہ تھا، اور عدمِ ظہورِ مخالف حسبِ تحقیق صاحبِ ''تحقیق'' تحقّقِ اِجماعِ سکوتی کے لیے کافی ہے، تو اُس عصر میں اِجماعِ سکوتی منعقد ہولیا، اور جب ایک حجتِ شرعی اُس کے استحسان وعمل پر قائم ہوگئی تو انکارِ فاکہانی کسی طرح اس حجت کو رفع نہیں کرسکتا، اور اہلِ اِجماع کا مجتہدِ مطلق ہونا باعترافِ رئیس المانعین بھی ضرور نہیں؛ کہ مسئلہ قواعدِ شرعیہ سے موافق، اور مقاصدِ دین سے مطابق، اور عموماتِ نصوص واشارات

---

(۱) "كلمة الحق" ۔

ودلالات کتاب وسنت سے ثابت ہے۔

اور نیز "مسلّم الثبوت" میں ہے: علا أنّ اتّفاق المحقّقين على ممرّ الأعصار حجّة كالإجماع (۱)، یعنی اتفاقِ محققین عرصہ دراز تک اِجماع کی مانند حجت ہے، اب مانعین عصر شاہِ اِربل میں ائمۂ معتمدین مستندین فی الدین سے انکار واعتراض اس عمل پر ثابت کردیں! یا اُس کا حجتِ شرعیہ سے ثابت ہونا تسلیم کریں! اور بالفرض فاکہانی وغیرہ جو اُس عصر کے بعد انکار کا بادی ہو، یا اگر اس کا قولِ حادث اِجماع کو قائم نہ رکھے، تاہم مخالف جمہور ہونے میں شک نہیں، اس وجہ سے رد ہوجائے گا، اور جو اُس کا اتباع کرے گا، یا بلحاظِ اتباع خود منکِر ہوگا، اُس کا قول بھی اُسی طرح مردود ہوگا، اور یہی تقریر صدی دوازدہم کی نسبت بھی کرسکتے ہیں کہ: ظہورِ نجدیہ وشیوعِ مذہب اسماعیلیہ سے پہلے اُس زمانے میں کوئی منکِر اور اس مجلسِ مبارک پر معترض نہ تھا، تو انکارِ متکلمینِ مذہبِ جدید پر خرقِ اِجماع، لا اقل مخالفتِ جمہور کا اِلزام قائم۔

اور اس زمانے کا حال تو نہایت ظاہر؛ کہ عوام وخواص سے ایک شخص بھی اُس کے استحسان میں کلام نہیں کرسکتا، یہاں تک کہ انکارِ مجلسِ مبارک خاص وہابیت کی علامت ٹھہرا ہے، اور اس تقریر سے مخالفین کا مغالطہ (کہ عملِ مولد کو مختلف فیہ ٹھہراتے ہیں، اور اِس بنا پر تتمۂ اثرِ ابنِ مسعود: وما رآه المسلمون

---

(۱) "مسلّم الثبوت"، الأصل الرابع: القياس، فصل التقليد، صـ ٦٢٧۔

قبیحاً... إلخ [1] کو اوّل کا معارض بتاتے ہیں) بخوبی حل ہوا۔

اور یہ دھوکا بھی کہ: ''مجوّزینِ شافعیہ میں سوا ملا علی وشیخ محقق دہلوی کے حنفیہ سے کوئی قائل نہ ہوا'' محض باطل، اور بشہادتِ علمائے دین وائمہ مستندین مانند حافظ سخاوی وعلامہ حسین خمیسی وامام قسطلانی وامام ابن الجزری وغیرہم کے جن کی وثاقت وعدالت آفتابِ نیمروز سے زیادہ ظاہر، بلاقیدِ حنفیت وشافعیت علماومشائخ کا عملِ مولِد کرنا، یا اُس میں حاضر ہونا، اور اُسے مستحب ومستحسن سمجھنا ایک کھلی بات ہے، کہ کسی ذی عقل وانصاف کو مجالِ کلام نہیں، بلکہ یہ چاروں امام اہلِ اسلام میں بلا قید کسی مذہب کے ہمیشہ شائع رہنا اس عملِ مبارک کا بیان فرماتے ہیں، اور کسی نے اہلِ مذاہب سے اُس میں کلام نہ کیا، تو تعامُلِ مذاہبِ اربعہ، اور اُن کے قبول کر لینے میں کچھ شک نہ رہا۔

اگر حنفیہ کو اس مسئلہ میں کلام ہوتا تو باوجود ابتلا عام خصوصاً بعض خواصِ حنفیہ کی کتبِ متداولہ میں اس فعل کی ممانعت ضرور کرتے، اور جب ایسے مسائل میں استناد صرف حنفیہ سے چاہیے دوسروں سے کفایت نہیں کرتا، تو مانعین کو حوالہ فاکہانی مالکی وغیرہ کا کب مفید ہے؟! حنفیہ سابقین سے کہ معتمدین ہوں بحوالہ اُن کی کتبِ مشہورہ متداولہ، یا ایسے معتبرین کی جن کی نقل قابلِ اعتماد واعتبار ہو ممانعت اس عمل کی بتصریح ثابت کردیں!، ودونہ خرط القتاد۔

خیر یہ کچھ نہ سہی شیخ عبدالوہاب حنفی، وامام سیف الدین شہیر بعلامہ ابنِ

---

(۱) ''کشف الخفاء''، حرف المیم، تحت ر: ۲۲۱٤، ۲/ ۲۱۹۔

ظفر، وعلامہ شمس الدین، وصاحبِ ''مجمع البحار'' وغیرہم سب اکابر حنفیہ جن کے نامِ نامی سابق مذکور ہوئے، اور مولوی ولی اللہ شاہ صاحب دہلوی کی عبارت، اور اُن کے والد شاہ عبدالرحیم کی بشارت بھی دسویں دلیل میں منقول، آیا یہ لوگ علمائے حنفیہ سے نہ تھے؟! خدا جانے حضراتِ وہابیہ کے نزدیک حنفیت کسے کہتے ہیں! اور بالفرض حنفیہ سے کسی کا قول منقول نہ ہوتا تو جس حالت میں یہ عملِ مبارک عمومِ آیات واحادیث، واشارات ودلالات کتاب وسنت، واُصول وقواعدِ ملتِ حنفیہ سے ثابت، اور مصالحِ شرعیہ پر مشتمل، اور مقاصدِ دینی سے موافق ہے، اور ہمارے ائمۂ ثلاثہ وغیرہم پیشوایانِ مذہب سے ممانعت اُس کی اصلاً ثابت نہ ہوئی، تو ہمیں شافعیہ کے ساتھ خصوصاً بعدِ تعامُل خاص ایسے مسئلے میں اتفاق کرنے سے کون مانع تھا؟! سادگی ان صاحبوں کی کہاں تک بیان کی جائے! اور غلط بات کہہ دینے پر جرأت تو ان حضرات کے حصے میں ہے، جو چاہتے ہیں فرمادیتے ہیں!۔

تیرھویں دلیل: ہم رسالہ ''اصول الرشاد'' کے قاعدۂ یازدہم میں بخوبی ثابت کرچکے کہ تعاملِ حرمینِ شریفین حجت شرعی ہے، اور امام شافعی وامام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ مسئلۂ اذانِ فجر میں اس اصل سے احتجاج کرتے ہیں(۱)، امامِ مالک رحمہ اللہ تعالیٰ صرف اِجماعِ اہلِ مدینہ کو بھی حجت کہتے ہیں(۲)، اور طرفین رحمہما اللہ

---

(۱) "الهداية"، كتاب الصّلاة، باب الأذان، الجزء الأوّل، صـ۵۳ـ

(۲) "شرح الزرقاني على الموطّأ"، ما جاء في ركعتَي الفجر، تحت ر: ۲۸۱، ۱/۲٦۱ـ

تعالیٰ سے انکار ثابت نہیں، بلکہ فقہائے(۱) حنفیہ میں اُس سے استناد جاری ہے، اور مخالفت(۲) پر حکم کراہت کا دیتے ہیں، اور اعتراضِ وہابیہ کہ: ''امامِ اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسئلۂ اذان میں اس اصل پر عمل نہ کیا، بلکہ اُس کے خلاف حکم دیا'' مجرّد

---

(۱) تراویح میں ہر چار رکعت پر توقّف کی نسبت "غنیہ شرحِ منیہ" میں فرمایا: هذا الانتظار مستحبٌ لعادة أهل الحرمين ["الغنية"، التراويح، صـ ٤٠٤]، یہ انتظار مستحب ہے؛ اس لئے کہ اہلِ حرمین کی عادت ہے۔ ''ہدایہ'' میں ہے: وكذا بين الخامسة والوتر لعادة أهل الحرمين ["الهداية"، كتاب الصّلاة، فصل في قيام شهر رمضان، الجزء الأوّل، صـ ٨٥ بتصرّف]، یعنی اسی طرح ختمِ تراویح و وتر کے درمیان توقف مستحب؛ کہ یہ بھی اہلِ حرمین کی عادت ہے۔ اسی طرح ''کافی شرحِ وافی'' ["الكافي"، كتاب الصّلاة، باب النوافل، فصل في التراويح، ١/١٠٦] وغیرہ ["الهندية"، كتاب الصلاة، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، ١/ ١١٥] میں ہے۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدظلہٗ۔

(۲) ''کافی شرحِ وافی'' میں ہے: الاستراحة على خمس تسليمات يكره عند الجمهور؛ لأنّه خلاف أهل الحرمين ["الكافي"، كتاب الصّلاة، باب النوافل، فصل في التراويح، ١/١٠٦]۔ تراویح میں دس رکعت کے بعد انتظار جمہور ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے؛ اس لیے کہ یہ اہلِ حرمین کے خلاف ہے، اسی طرح ''عینی شرحِ کنز'' ["رمز الحقائق شرح كنز الدقائق"، كتاب الصّلاة، فصل في التراويح، صـ ٤٠] میں ہے: ''غایۃ السروجی'' میں ہے: لا يستحبّ ذلك؛ لأنّه خلاف الحرمَين۔ یہ بات ناپسند ہے؛ اس وجہ سے کہ خلافِ حرمین ہے۔ ''غنیۂ حلبی'' میں ہے: قال أكثر المشايخ: لا يستحبّ ذلك لمخالفة أهل الحرمَين ["الغنية" التراويح، صـ ٤٠٤]۔ اکثر مشائخ نے فرمایا: یہ ناپسندیدہ ہے کہ اس میں اہلِ حرمین کی مخالفت ہے۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہم العالی۔

مغالطہ دہی ہے، کیا "ہدایہ"(۱) میں یہ عبارت نظر سے نہ گزری: والحجّة على الكلّ قوله عليه الصّلاة والسّلام لبلال... الحديث (۲)، یا اس قدر بھی نہیں سمجھتے کہ اقویٰ پر عمل کرنے سے دوسری دلیلِ شرعی کا حجت ہونا باطل نہیں ہوتا؟! ہاں، اُس کے مقابل اُس جگہ مضمحل سمجھی جاتی ہے، جس طرح حدیثِ آحاد بمقابلۂ نصِ قطعی۔

اسی طرح قول متکلم قنوجی کا کہ: "حسن معمولاتِ حجج شرعیہ سے ثابت نہیں" نرا سفسطہ ہے؛ کہ وہ خود حجتِ شرعی، اور ہمارے لیے احتجاجِ مجتہدین کافی ہے، اور جب یہ بات کہ معمولاتِ حرمین شریفین حجت، اور جسے وہ مستحسن فرمائیں اور ثواب سمجھ کر عمل میں لائیں (بشرط عدمِ مزاحمتِ شرع وثبوتِ مخالفِ قوی) مستحسن ہے، تو عملِ مولِد کے (کہ بلدَینِ مکرّمَین کے معمولات ومستحسنات سے ہے) استحسان میں کیا شک رہا۔

چودھویں دلیل: پروردگارِ عالم اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب فرما کر احسان اپنا اُس جناب پر بیان کرتا ہے: ﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (۳)، اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کیا۔ اور اسے اپنی عمدہ نعمتوں اور بڑے احسانات سے شمار فرماتا ہے، اور بعض مفسرین نے کریمہ: ﴿إِنَّآ أَعْطَيْنٰكَ

(۱) "الهداية"، كتاب الصّلاة، باب الأذان، الجزء الأوّل، صـ۵۳ـ

(۲) "سنن أبي داود"، كتاب الصّلاة، باب في الأذان قبل دخول الوقت، ر: ۵۳٤، صـ۸۹ـ

(۳) پ۳۰، ألم نشرح: ٤ـ

﴿الْكَوْثَرَ﴾ (۱) میں کوثر کو رفعت وشہرت وکثرتِ ذکر کے ساتھ تفسیر کیا ہے۔

یہاں سے ظاہر کہ ناموری وشہرت اور ذکرِ حضور کی کثرت حضرت عزّت عزّ جلالہٗ کو منظور ومحبوب ہے، ولہٰذا بہت سے اسباب اس کے جمع فرمائے، نامِ نامی اُن کا بہشت کے ہر قصر، وغرفہ، ودیوار، ودروازہ، وپردہ، واوراقِ سدرہ وسینۂ حُور وملائکہ وغیرہا پر لکھا، اور ساقِ عرش پر اپنے اسمِ گرامی کے ساتھ تحریر فرمایا، قرآنِ مجید میں اکثر اُمور اپنے ساتھ حضرتِ رسالت کی طرف بھی منسوب کیے، پچاس مقام سے زیادہ حضور کا ذکر ذکرِ الٰہی کے ساتھ موجود ہے۔

''شفائے قاضی عیاض'' میں بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعاً آیا ہے کہ: ''جبریل نے میرے پاس آکر کہا: خدائے تعالیٰ فرماتا ہے: تم جانتے ہو میں نے تمہارا ذکر کس طرح بلند کیا؟ میں نے کہا: خدا خوب جانتا ہے، ارشاد ہوا: ((إذا ذُكرتُ ذُكرتَ معي)) (۲)، جب میں ذکر کیا جاؤں تم میرے ساتھ ذکر کیے جاؤ گے۔

تمام انبیائے سلَف علیہم الصلاۃ والسلام سے حضور کی تصدیق ونصرت کا عہد کیا، جس کے سبب سب پیغمبر اپنے وقت میں حضور کی تصدیق فرماتے، اور حضور کے مَحامدِ جلیلہ بیان کرتے رہے، مسلمانوں کو حضور پر درود وسلام بھیجنے کا حکم، اور

---

(۱) پ ۳۰، الکوثر: ۱۔

(۲) "الشفاء"، الباب الأوّل في ثناء اللّٰہ تعالی علیه...إلخ، الفصل الأوّل، صـ ۲۰۔

فرشتوں کو اس کام میں مشغول کیا، اور خود بھی اس طرف توجہ فرمائی، حضور کی اطاعت تمام عالم پر فرض کی، اور حضور کی محبت ایک جہان کے دل میں پیدا کر دی، ہر زمانے میں بے شمار آدمی و جن حضور کی فرمانبرداری و پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں، اور لاکھوں کروڑوں مشتاق نامِ نامی کو حرزِ جان اور ذکرِ والا کو دردِ دل کی دوا سمجھتے ہیں۔

کلمہ طیّب و اذان و تشہد میں حضور کا ذکر اپنے ذکر سے مقرون کیا کہ اطرافِ عالم و رُبع مسکون میں حضور کا نامِ نامی خدا کے ساتھ منبروں اور مناروں اور مساجد و محافل میں پکارا جاتا ہے، ولادتِ باسعادت کے قریب اور خاص اُس وقت غرائب واقعات اور طرح طرح کے اِرہاصات ظاہر کیے، جن کی وجہ سے کرۂ خاک سے فلک الافلاک تک اس واقعۂ عظیم کا چرچا ہوا، اور ملائکہ و جن و وحش و طیر ولادت شریف سے واقف ہو گئے، اور جس قدر ناموری و شہرت حضور کی اُس عالم میں ہوگی اُس کا بیان طاقتِ انسان سے باہر ہے، یہ اعتقاد چاہیے کہ اِس عالم کی شہرت اُس سے کچھ نسبت نہیں رکھتی؛ کہ تفصیل اُس کی متعسّر۔

جس حالت میں یہ بات احادیث و آیات اور مالکِ حقیقی کے احکام و معاملات سے اچھی طرح ظاہر ہوئی کہ حضور کی ناموری و شہرت اور ذکر شریف کی کثرت حضرتِ اَحدیت کو مقصود ہے، تو ذکرِ والا مجامع و مجالس میں بیان کرنا، اور اہلِ اسلام کو باہتمامِ تمام ایسی مجلس میں بلانا، اور محامد شریفہ و مناقبِ جلیلہ خصوصاً قصۂ ولادت شریفہ (کہ غرائبِ حالات و عجائبِ معاملات پر مشتمل اور عمدہ اسبابِ شہرتِ ذکر کو متضمّن ہے) سنانا سب مقصودِ شارع سے مناسب، اور اس وجہ سے بھی شرعاً محمود ہے۔

اور جب شارع نے اُس کے لیے کوئی ہیئت ووضع معیّن نہ فرمائی، اور کسی خاص وقت وصورت میں منحصر نہ کردیا، تو جس وضع وہیئت کے ساتھ کیا جائے مطلوب کا ایک فرد ہوگا، ایسی تخصیص وتعیین لوازمِ فردیت سے ہے، نہ منافی، ہاں! کسی وضع وہیئت کے ساتھ بایں طور معیّن کردینا کہ دوسری صورت اصلاً جائز نہیں، جس طرح مانعین موارِدِ شرع میں منحصر اور اُنھیں پر مقتصر کرتے ہیں، تشریع من عند نفسہٖ، اور تعمیمِ شارع کا صریح اِبطال ہے۔

اور جب خدائے قدیر کو اپنے پیارے رسول کی شہرت ونامؤری اور ذکرِ حضور ہر طرح کثرت سے منظور ہے، تو آپ صاحبوں کی تدبیرات سے مٹنا معلوم! اس میں اِصرار خدا کی تقدیر سے مقابلہ ہے۔ دیکھیے! جس قدر آپ اُس کے مٹانے میں کوشش کرتے ہیں، اُسی قدر مجالسِ ذکر کی کثرت ہوتی ہے، اور اہلِ ایمان ومحبت کے دلوں میں ایسے اُمور کا شوق بڑھتا ہے، ﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ﴾... الآیة [1] یاد کیجیے! اور اس سعی رایگاں وتدبیراتِ فضول سے ہاتھ اُٹھایئے۔

پندرہویں دلیل: ذکرِ ولادت وغیرہا احوالِ شریفہ جن کے لیے یہ مجلس منعقد ہوتی ہے بلا رَیب ذکرِ مبارک حضرتِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے، اور ذکرِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بِاقرارِ [2] مانعین بھی عبادت، پس ذکرِ ولادت عبادت ہے، اور اس عبادت کے لیے شرع میں کوئی ہیئت وخاص صورت مقرر نہیں، تو

---

(۱) پ۲۸، الصف: ۸۔

(۲) بشیر قنوجی نے ''غایۃ الکلام'' میں کہا: ''ذکرِ رسول اللہ از قبیل عبادات ست'' انتہٰی۔

اقول: صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدظلہ العالی۔

عموم واطلاق پر رہے گی، اور جس کیفیت سے ادا کی جائے ضلالت نہیں ہوسکتی، اور تداعی اس مجلس کے لیے عبادت کی طرف دعوت، تو استحسانِ ہیئت کذائی بخوبی ثابت۔

سولھویں دلیل: دلائلِ سابقہ سے بخوبی ظاہر ہوا کہ: ذکرِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مطلقاً مستحب و مستحسن ہے، اور اس مذہب کے واعظین وعلما بھی مجالسِ وعظ ومجامعِ مسلمین میں اہلِ سنّت کے لحاظ پاس سے حضور کے حالاتِ رفیعہ، واذکار شریفہ، وفضائل، وکمالات، ومراتب، ومقامات بکمال کشادہ پیشانی بیان اور ایسے بیان کی خوبی اظہار کرتے ہیں؛ کہ لوگ اُنھیں ذکرِ والا کے حسن وخوبی کا معترِف ومعتقد اور محبت وعقیدتِ حضور میں صادق سمجھیں، گو بعض متعصب کے خبثِ طینت وفسادِ عقیدت کے چھپانے پر بھی قدرت نہیں رکھتے، حسنِ ذکر شریف کا انکار کرکے اپنے ہم مشربوں کا حالِ باطن ظاہر کردیں۔

متکلم قنوجی ''غایۃ الکلام'' میں لکھتے ہیں: ''حسنِ مطلق ذکرِ رسول اللہ ممنوع ست''، نعوذ باللہ من ہذا الکلام! خیر ہمیں کسی کے باطن سے کیا کام، اُن کے اقوال اور ظاہری احوال پر نظر کرکے کہتے ہیں کہ: اکثر مانعین بھی حسنِ مطلق کے معترف ہیں، بلکہ اُن کے رئیس المتکلمین ''کلمۃ الحق'' کی دلیلِ ہفتم میں ذکرِ ولادتِ باسعادت کو فی نفسہٖ مستحب ومحبوب لکھتے ہیں، اور اُس کے حسنِ اصلی فی نفسہٖ کا نہایت شدّ ومد کے ساتھ اقرار کرتے ہیں، اور مطلق نظراً اِلی ذاتہٖ تمام خصوصیات میں اپنے حکم کا اِقتضا کرتا ہے، گو بعض جگہ کوئی عارض مانع ہو، اور جو شخص حکمِ مطلق خصوصیات میں جاری کرے متمسک باَصل ہے؛ کہ اپنے دعوے کے اِثبات میں حکمِ مطلق کے سوا کسی دلیل کا محتاج نہیں، خود ''رسالۂ بدعت'' میں (کہ مانعینِ عصر کے امام الائمہ اسماعیل دہلوی

کی تصنیف ہے) اس مضمون (۱) کی تصریح ہے۔

اور نیز قاعدۂ چہارم ''اصول الرشاد'' میں ہم نے بحوالۂ کتبِ اصول اس مدّعا کو بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ حسنِ مطلق حسنِ مقید کے اِثبات میں کفایت کرتا ہے، مگر جبکہ وہ خصوص خاص مخالف ومزاحمِ شرع ومنہی عنہ ہو، تو جب تک مانعین بالخصوص خصوصیات وقیود کی ممانعت اور حکمِ مطلق کے ساتھ مزاحمت شرع شریف سے ثابت نہ کر دیں، تحقیقاً واِلزاماً ہر طرح حسنِ مولِد ثابت ہوتا ہے، اور یہ سب خصوصیات وقیود بھی فی نفسہا مستحسن ومحبوب ہیں، اور انضمام اُن کا ذکرِ ولادت کے ساتھ اُس کے حسن کو ہرگز منع نہیں کرتا، تو اُس کی ممانعت کے لیے مغالطہ سازی وحیلہ پردازی وتلبیس وتلمیع کے سوا کیا طریق باقی رہا؟!

باقی رہا منکرینِ حسنِ مطلق کا کلام، جیسے متکلم قنوجی نے بے دھڑک کہہ دیا کہ: ''مطلق ذکرِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حسن اُسے تسلیم نہیں''، لا حول ولا قوّۃ إلاّ باللّٰہ، باوجود دعویٰ اسلام ایسا کلمہ زبانِ قلم پر لانا کسی مدّعیِ عقل ودانش کا کام نہیں، حسنِ مطلق ذکرِ حضرت رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بدیہیاتِ اسلام سے ہے؛ کہ ہر نادان بچہ بھی اُس کا اعتراف کرتا ہے، اور آیات واحادیث کی دلالت تنبیہِ سفیہ کے لیے کفایت کرتی ہیں، لیکن جس کے دل میں حلاوتِ اسلام ولذتِ ایمان اصلاً باقی نہیں وہ اپنے خبثِ نفس وفسادِ باطن سے مجبور ہے۔

مخالفین ایک طرف، ان ذات شریف کے موافقین بھی تو ایسے کلمات سے

---

(۱) حاشیہ صفحہ ۱۲ از ﷺ مطبع اہلِ سنّت بریلی کے مطابق ہے جبکہ ہمارے اس نسخہ میں دیکھیے صفحہ ۲۲۴، ۲۲۵ پر ﷺ اس کی عبارت منقول ہوگی۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہٗ۔

تحاشی وتبرّا کرتے ہیں، دیکھو رئیس المانعین ''کلمۃ الحق'' میں اس باب میں اور ایسے شخص کی نسبت کیا کہتے ہیں: ''نہ آنست کہ ذکرِ ولادت باسعادت خیر البشر و اِدراکِ احوال برکت اشتمالِ آں سرور علیہ الصلاۃ والسلام ومطالعۂ کتب این شمائل وخصائل ممنوع ومحظور ست حاشا وکلا ہر کہ ادنےٰ نصیب از نعمتِ اسلام ودولتِ ایمان دارد زنہار این حرف برزبان نگزارد، چہ جائے آنکہ ماحی بدعت وحامی سنت مانع تصلیہ وتذکیر شود''(۱)۔ ؎

محمدِ عربی کا بروئے ہر دو سرا ست
کسیکہ خاک درش نیست خاک برسرِ او...الخ

اور حسن حسن ہی رہتا جب تک کوئی حرج خارج سے لاحق نہ ہو، اور قطع نظر اس سے کہ ہم نے ہیئتِ کذائیہ وقیودِ خارجیہ کا حسن ثابت کردیا، مانعین ایک دلیلِ شرعی بھی اُن کے عدمِ جواز وحرج پر قائم نہیں کرسکتے، تو حسنِ مولِد میں کلام بے جا، اور قصر اُس کا موارِدِ شرع پر کام عقل ودین کا نہیں؛ کہ یہ حکم امر مخالفِ قیاس کا ہے، نہ حسن فی نفسہٖ کا؛ کہ مطابقِ عقل ہے۔

اور اس تقریر سے متکلم مذکور کا یہ کلام بھی کہ: ''اجتماعی کہ حسن ست اجتماعی ست کہ شرع بحسنِ آں ناطق شدہ مثل اجتماع برائے جمعہ وعیدین وغیرہا، نہ ہر اجتماع'' رد ہوگیا، نفسِ اجتماع کی خوبی احادیث سے (کہ مجالسِ ذکر میں ہیں) ثابت، اور خود اِن حضرت کے مستندین کو اُس کی خوبی کا اعتراف ہے، شاہ عبد العزیز

(۱) ''کلمۃ الحق''۔

صاحب سورۂ قدر کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ’’وبالجملہ از مضمون این سورہ معلوم میشود کہ عبادت وطاعت را بہ سببِ اوقاتِ نیک ومکاناتِ متبرّک وحضور واجتماعِ صالحان وایجابِ ثواب وایراثِ برکات وانوارِ مزیتِ عظیم حاصل میشود‘‘(۱)۔

اور شاہ ولی اللہ صاحب خاص مجلسِ مولد میں انوارِ ملائکہ وانوارِ رحمتِ الٰہی کا نزول مشاہدہ کرنا ’’فیوض الحرمین‘‘(۲) میں تحریر کرتے ہیں، مانعین اوّل خلافِ قیاس ہونا اجتماع اہلِ اسلام کا ثابت کریں، پھر اُسے مورد پر مقتصر ٹھہرائیں، ثبت العرش ثمّ انقش، سو جس حالت میں خاص نعت ومَحامد وفضائل واحوال شریفہ، بلکہ حالاتِ ولادت ورضاعت وغیرہا مَجامع ومجالس میں عصرِ صحابہ سے بلا انکار بیان ہوتے رہے، اور خود جنابِ رسالت نے مَجامع وغیرہا میں بیان فرمائے، تو یہ تکلیف بھی رائیگاں ہوگی۔

اور یہ جو اِنہیں ذات شریف نے لکھا ہے کہ: ’’حکمِ مطلق سے مراد کیا ہے جو حکم ان قیود کے عدم سے مشروط نہیں یا ہر حکم؟ پہلی صورت میں جائز کہ حکمِ مطلق کا محلِ نزاع میں ان قیود کے عدم سے مشروط ہو‘‘ محض تلبیح ہے، مراد حکمِ مطلق سے حکمِ مطلق ہے یعنی مرتبہ ”لا بشرط القيود“؛ کہ نہ وجود وعدمِ قیود سے مشروط، نہ کسی فرد وحد کے ساتھ مخصوص ومحدود، تو ذاکر جانبِ شرع سے مجاز ومختار ہے، چاہے ذکر شریف بدُون اِن قیود کے کرے، چاہے بلحاظِ ازدیاد وقربت وجمعِ برکات تلاوتِ قرآن،

---

(۱) ”تفسير فتح العزيز“، سورة القدر، صـ۲۵۹۔

(۲) ”فيوض الحرمين“، المشاهدة الثامنة، صـ۱۱۵۔

وصدقہ، وخیرات، وہدیہ، وضیافتِ اخوان، وجمعِ اہلِ ایمان کے ساتھ عمل میں لائے، اور یہ مراد مقصودِ شرع کے مطابق، اور عموم واطلاقِ دلائل کے مناسب وموافق ہے، بخلاف مرتبۂ عدمِ قیود و"بشرطِ لا شيء"؛ کہ خواہ مخواہ کثرت کو مانع اور قلت کو مستلزم ہے، بااینہمہ اختراع اس احتمال کا ازقبیلِ انیابِ اغوال ہے، بلکہ ہم نے حسن اُس کا قیود کے ساتھ بھی ثابت کردیا، تو اب کلام اُس میں نرا مکابرہ۔

نیز(۱) قیدعدمِ قیود وخصوصیات کی حاجت صرف اُس حالت میں ہے کہ وہ مانع ومزاحمِ حکمِ مطلق ہوں، اور ما نحن فیہ میں ایسا نہیں، تو اُن کے ساتھ اجتماع حسنِ مطلق میں حرج نہیں کرتا، اور تحقیقِ بازغ وہ ہے جو ہم نے "اصول الرشاد" کے قاعدۂ چہارم میں مشرّح کی کہ: مطلقِ اصولی ومنطقی میں فرق عظیم ہے، یہاں صرف ایک فرد

---

(۱) اقول: اس اِفادہ میں یہ مقصود کہ اعلیٰ بمنزل شقِ اوّل مراد، اور اس پر اس احتمال کا ایجاد کہ متن (کہ یہاں حکمِ مطلق میں قیود کے عدم سے مقیّد ہو) سراسر بیّن الفساد ہے، معترض نے اپنے آپ کو مخل... میں تصوّر کیا، اور... احتمال کو اپنے لیے... سمجھا، حالانکہ یہ محض جہالت عجب العجاب، بلکہ تمام اِطلاقاتِ شرعیہ سے استناد کا سبب ہے، ہر جگہ یہی احتمال بے معنٰی نکال دینا بس ہو، حالانکہ اِطلاقاتِ شرع سے استدلال صحابۂ کرام سے زمانۂ شاہ عبدالعزیز صاحب تک برابر کافۂ علمائے اسلام میں جاری رہنے کے قطع نظر خود مولائے وہابیہ اسماعیل دہلوی وسردارِ طائفہ اسحاقیہ صاحبِ "اربعین" وغیرہما کبرائے قوم بھی اُس کے قائل وعامل رہے ہیں۔ ہاں! محلِ تقیید وہ صورت ہے کہ قیود مانع ومزاحمِ حکمِ مطلق ہوں، تو معترض سائل نہیں مستدِل ہے، وہ ثبوتِ مزاحمت دے ودونہ خرط القتاد خود امام الطائفہ اسماعیل نے "ایضاح الحق" میں کہا: "درباب مناظرہ در تحقیقِ حکم صورتِ خاصہ کسیکہ دعویٰ جریان حکمِ مطلق در صورتِ خاصہ.................ست متمسک بأصل کہ باثباتِ دعویٰ... ﷺ نے نسخہ میں ان مقامات پر کچھ کلمات واضح نہیں ﷺ جت بدلیلے =

میں تحققِ حکم حکم علی المطلق کے لیے کافی نہیں، بلکہ بنظرِ ذات جمیع مصادیق ومقیّدات میں جریان ضرور، تو یہ شقشقہ وتشقیق سب سفسطۂ سحیق وباطل ومہجور۔ ''تحریر'' و''شرحِ تحریر'' میں ہے: ليس العمل بالمطلق العمل به في ضمن المقيّد فقط، بل العمل به أن يجري في كلّ ما صدق عليه المطلق من المقيّدات (۱)۔

سترہویں دلیل: جس حالت میں ثابت ہو چکا کہ رفعت وشہرتِ ذکرِ جنابِ رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ حضرتِ اَحدیت عزّ جلالہٗ کو منظور ومقصود ہے، اور کثرت اُس کی مقصودِ شارع سے موافق اور شرعاً محمود ہے، تو اُسے عموم واِطلاق پر رکھنا ہی مناسب، اور کسی وقت وہیئت ووضع کے ساتھ مخصوص ومنحصر، اور مورد کے ماورا میں ممنوع، اور ''بشرطِ لا شيء'' اور عدم القیود والخصوصیات کے مرتبے میں لینا کثرت کو مانع اور قلت کو موجِب۔

کیا حضراتِ مانعین کو معلوم نہیں کہ نہ سب موارد اُس کے غیر قیاسی ہیں، نہ جواز اُس کا مخالف قیاس؟! کہ خواہ مخواہ مورد پر مقتصر کیا جائے، دیکھو! صحابۂ کرام ذکرِ والا کو کسی وقت ومحل ووضع کے ساتھ مخصوص نہ سمجھتے، اور احوال ومعاملات میں نامِ نامی خدا کے ساتھ اسمِ گرامی بے تکلف ذکر کرتے، والله ورسولہٗ أعلم (۲) اور

= ندارد ودلیلِ او ہان حکم مطلق بہت وبس۔ حضرت عالمِ اہلسنّت دامت برکاتہم۔

(۱) "التقرير والتحبير في شرح التحرير"، مسألة: إذا اختلف حكم مطلق ومقيّده، ١/٣٦٤، ٣٦٥ بتصرّف۔

(۲) "صحيح مسلم"، كتاب الصّلاة، باب حجّة مَن قال: البَسملة آية من أوّل كلّ سورة، سوى براءة، ر: ٨٩٤، صـ ١٧٠۔

اسی طرح کے کلمات وردِ زبان رکھتے، اور خود حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنتے اور کبھی نہ فرماتے کہ: ''اِس محل میں میرا ذکر وارد نہ ہوا، تم نے کہاں سے نکالا؟ اور کیوں کیا؟'' اور یہی طریقہ حضراتِ تابعین وائمۂ دین میں جاری رہا، کسی نے انکار واعتراض نہ کیا، یہ مضمون حضراتِ وہابیہ ہی کو سوجھا ہے کہ ذکر شریف موارِدِ مخصوصہ کے سوا حسن نہیں، بلکہ العیاذ باللہ بدعت اور بُرا ہے۔

مسلمانوں کو لازم کہ جس طرح صحابہ کرام، وتابعین عظام، وعلمائے امت، وائمۂ ملت قرناً فقرناً وطبقۃً فطبقۃً بلا لحاظ موارِدِ خاصہ (صرف باستثنا اُن مواضع کے جن میں ممانعت صریح وارد) ذکرِ خیر حضور کا کرتے، اور مستحسن ومحبوب سمجھتے، اور حضور کا ذکر شریف، وحالات شریفہ، اور کمالات، ومعجزات، ومقاماتِ رفیعہ مجالس ومَجامع وجلوات وخلوات میں بیان فرماتے، اور اُن کی تحدیث میں اِشاعتِ دین وتقویتِ اسلام تصور کرتے، اسی طرح جس وقت اور جس موقع ومحل اور جس ہیئت ووضع کے ساتھ، تنہائی خواہ مجالس ومجامع میں، جس طرح چاہیں شوق ومحبت سے (سوا اُن مواضع کے جہاں شرع شریف بتصریح منع کرے، اور نہی صریح وارد ہو) اپنے مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یاد کریں، اور اُسے باعثِ تقویتِ ایمان، وموجب سرورِ قلب، وآرام وراحتِ جان سمجھیں، اور مشتاقانِ ذکر محبوب ومحبانِ صادق کو اُس کے سنانے، اور راحت وآرام پہنچانے کے لیے بلائیں، اور اُن کے دردِ دل کی دوا بخشیں، اور زخمِ جگر پر مرہم رکھیں، کسی مانعِ خیر واحسان کے مغالطے اور دھوکے میں نہ آئیں۔

ہاں! ربیع الاوّل خصوصاً بارہویں تاریخ روزِ دوشنبہ کی روحانیت اَولیٰ ہے کما مرّ، اسی طرح اجتماع اور مجلس میں ہونا زیادہ فضیلت رکھتا ہے، اور یہ مغالطہ بعض

مانعین کا کہ: ''وہی اجتماع جس کا حسن شرع میں وارد، جیسے جماعتِ نماز واجتماعِ جمعہ وعیدَین حسن ہے، نہ ہر اجتماع'' خیال میں نہ لائیں؛ کہ مجالسِ ذکر کی خوبی حدیثوں سے ثابت ہے، اور اجتماعِ جمعہ وعیدَین مخالف قیاس نہیں، کیا اس قدر بھی نہیں جانتے کہ اُن کے امامِ ثانی ''مأۃ مسائل''(۱) میں خاص اجتماعِ مولِد کو اجتماعِ عیدَین پر قیاس کرتے ہیں، اور مسئلۂ عرس میں لکھتے ہیں: ''وقیاسِ عرس بر مولد شریف غیر صحیح ست، زیرا کہ در مولد شریف ذکرِ ولادت حضرت خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ست، وآن موجبِ سرور وفرحت ست، ودر شرع شریف اجتماع برائے فرحت وسرور کہ خالی از بدعات ومنکرات باشد آمدہ، واجتماع برائے حزن ثابت نشدہ، وفی الواقع فرحت مثلِ فرحت ولادتِ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم در دیگر امر نیست، پس دیگر امر دریں قیاس نخواہد شد''۔

اٹھارہویں دلیل: شاہ ولی اللہ محدّث(۲) (کہ امام الائمۂ مانعین یعنی اسماعیل دہلوی کے جدِ امجد، واستاذ الاستاذ، وشیخ المشایخ ہیں) کس تصریح کے ساتھ اپنا مجلسِ مولِد میں بمقام ولادتِ حضرتِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکۂ معظّمہ میں حاضر ہونا، اور انوارِ ملائکہ ورحمتِ خدا کو (کہ اُس مجلسِ پاک سے بلند ہوئے) معاینہ کرنا بیان فرماتے ہیں، اور اُسے اُن مجالس اذکار سے (کہ موارِدِ ملائکہ ورحمتِ الٰہیہ میں ہیں) ٹھہراتے ہیں۔

---

(۱) "مئة مسائل"۔

(۲) "فیوض الحرمین"، المشاهدة الثامنة، صـ ۱۱۵۔

اور ''انتباہ'' وغیرہ(۱) میں اپنے پدر بزرگوار شاہ عبدالرحیم صاحب کا ہر سال بتقریبِ مولِد ایامِ ولادت شریف میں نیازِ حضور کے لیے کھانا پکوانا، اور اہتمام اور اُس کا التزام، یہاں تک کہ ایک سال بوجہِ عسرت کچھ میسر نہ ہوا تو نخودِ بریان پر نیاز کردی، اور حضرتِ رسالت نے بکمال پرورش وغلام نوازی قبول فرمائی، اور اس معاملہ پر شاہ صاحب ممدوح کا خواب میں مطلع ہونا نقل کرتے ہیں۔

اور مولوی رفیع الدین خان صاحب مراد آبادی (کہ رئیس المتکلّمین مانعین کے مستندین ہیں) اس مجلسِ مبارک کے نہایت مدّاح ومعتقد ہیں۔ اور اِنہیں رئیس المتکلّمین کے استاذ مفتی صدر الدین خان صاحب دہلوی (جن سے تلمذ پر ان حضرت کو بڑا ناز ہے) کس شدّ ومد کے ساتھ اس کے استحسان کا فتویٰ دیتے ہیں!۔

اور مولوی اسحاق صاحب ''مأۃ مسائل'' میں ذکر شریف کو موجب سرور وفرحت، اور فرحت کو ہر خوشی سے زیادہ، اور اجتماع کو (کہ فرحت کے لیے ہو) مشروع کہتے ہیں۔

اور تقسیمِ طعام وشیرینی خاص اس تقریب میں اور ولادتِ اقدس کی خوشی جناب مجدّد صاحب کے قول سے ثابت، اپنے ''مکتوبات'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''امروز طعامہائے متلوّن فرمودہ ایم کہ بروحانیتِ آن سرور علیہ الصلاۃ والسلام پزند مجلس شادی سازند...الخ''(۲)۔

اور شاہ عبدالعزیز صاحب ''رسالہ ذبیحہ'' میں (کہ ''مجموعۂ زبدۃ النصائح''

---

(۱) "الدرّ الثمين"، الحديث الثاني والعشرون، صـ٦١۔

(۲) "مكتوبات"، مكتوب ١٠٦، المجلد الثاني، دفتر سوم، حصّه نهم، صـ٨٧۔

میں چھپا ہے) تبرّک قبورِ صالحین سے، اور ایصالِ ثواب قرآن و تقسیمِ طعام وشیرینی کے استحسان پر اِجماع ذکر فرماتے ہیں، اور تعیینِ یوم کو بھی مناسب ٹھہراتے ہیں:

''آرے زیارت وتبرّک بقبورِ صالحین، وامدادِ ایشان بإمدادِ ثواب تلاوتِ قرآن، ودعائے خیر، وتقسیمِ طعام، وشیرینی امرِ مستحسن وخوب ست بإجماعِ علما، وتعیینِ روزِ عرس برائے آنست کہ آنروز مذکرِ انتقال ایشان می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ این عمل واقع شود موجبِ فلاح ونجات ست، وخلف را لازم ست کہ سلف خود را باین نوع بر واحسان نماید... الخ''(۱)۔ بلکہ بعض تحریرات میں اس عملِ مبارک اور مجلسِ شہادت کا خود کرنا بیان کرتے ہیں۔

اور مولوی اسحاق صاحب اگرچہ عملِ مولِد کو بحوالہ ''سیرتِ شامی'' مختلف فیہ لکھتے ہیں، اور حوالہ اختلاف کا ''سیرتِ شامی'' کی طرف غلط ہے؛ کہ صاحبِ سیرت نے ہر طرح اس مجلسِ مبارک کو ثابت کیا ہے، اور قولِ فاکہانی وابن الحاج بخوبی دفع کر دیا ہے، لیکن طرزِ عبارت ''مأۃ مسائل'' باعلانِ تمام شاہد کہ خود استحسان مولِد کے بہیئتِ کذائیہ قائل ہیں، اور اس عمل کو شریف سمجھتے اور مولد شریف لکھتے ہیں، اگر مانعینِ وقت اگلے علما وائمہ کے ارشادات (اگرچہ خود بھی ان سے سوجگہ سند لاتے اور اپنے مطلب کے وقت علمائے راسخین وائمۂ دین ٹھہراتے ہیں) نہ مانیں گے تو ان حضرات کو جنہیں اپنے زعمِ فاسد میں مطلقاً اپنا ہم مشرب اور ملتِ جدیدہ نجدیہ کا مقتدا وصاحبِ مذہب بنا رکھا ہے کیا کہیں گے؟! اور جو انہیں بھی (العیاذ باللہ)

---

(۱) ''رسالہ ذبیحہ''۔

ائمۂ سابقین وعلمائے متقدمین کی طرح بدعتِ ضلالت کا مرتکب ومجوِّز، اور شرع سے محض جاہل، یا حق سے دیدہ ودانستہ معرض، خواہ حق پوش ناحق کوش قرار دیں گے، تو کس کے ہوکر رہیں گے؟! اور کس کا نام لیا کریں گے؟!

انیسویں دلیل: صاحبِ "ہدایہ" مسئلہ تلبیہ میں لکھتے ہیں: ولو زاد فيها جاز خلافاً للشافعي ـرحمه الله تعالى ـ في رواية الربيع عنه، فهو اعتبره بالأذان والتشهّد من حيث أنّه ذكر منظوم، ولنا أنّ أجلّاء الصحابة كابن مسعود وابن عمر وأبي هريرة ـرضي الله تعالى عنهم ـ زادوا على المأثور؛ ولأنّ المقصود الثناء وإظهار العبودية، فلا يمنع من الزيادة عليه [1]۔

دیکھو! ان امامِ اجل نے مطابقتِ مقصود کو باوصف اس کے کہ صیغِ مخصوصہ محدودہ میں اصل توقیف ہے، دلیل جواز ٹھہرایا، اور صحابۂ کرام نے امرِ مسنون محدود پر کچھ مضمون زیادہ فرمایا؛ کہ مقصود تلبیہ سے ثناء واظہارِ عبودیت ہے، تو زیادت میں کچھ حرج نہیں، بلکہ اَولیٰ ہے، اسی طرح مقصود عملِ مولد سے تعظیمِ نبوی واظہارِ عقیدت ونیاز مندی ہے، اور اُس کے لیے شرع میں کوئی ہیئت بھی خاص نہ کی، نہ محدود فرمایا، تو جو ہیئت کہ تعظیمِ خدا ورسول واظہارِ عقیدت پر دلالت کرے، خصوصاً جسے علمانے قرناً فقرناً قبول کیا، ضرور مستحسن وعمدہ ہے۔

بیسویں دلیل: مجلسِ مولدِ اقدس مجلسِ وعظ ونصیحت ہے؛ کہ فضائل

---

(۱) "الهداية"، كتاب الحجّ، باب الإحرام، الجزء الأوّل، صـ١٦٥۔

واخلاق وشمائل ومعجزات ودیگر کمالاتِ حضرتِ سید الکائنات علیہ افضل الصلوات واکمل التحیات اُس میں بیان ہوتے ہیں، سامعین کے قلب میں عظمت ومحبتِ جنابِ رسالت متمکن ہوتی ہے، اور یہ امر سب معاملاتِ دینی کا اصلِ اصول ہے؛ کہ جب تک رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم سے عقیدتِ کاملہ نہ ہوگی خدا کے کلام واخبار واحکام پر کس طرح اطمینانِ کامل ویقینِ واثق حاصل ہوگا؟! اور جسے حضور سے سچی محبت اور پوری عقیدت نہیں، وہ شریعت کی باتوں پر کب عمل کرے گا؟! اور اُن کی عظمت ورفعت کیا سمجھے گا؟!

ولہذا خود مالکِ حقیقی جلّ وعلا نے حضور کے فضائل وکمالات ومناصبِ رفیعہ ومناقبِ جلیلہ اور اس قسم کے حالات اِجمالاً وتفصیلاً ہر طرح بیان فرمائے، اور حضور نے بارہا اُمت کو سنائے، تاکہ لوگ حضور کے منصبِ عظیم ومرتبۂ فخیم سے واقف ہوکر حضور کی محبت وطاعت میں مستعد وسرگرم رہیں، اور حضور کے ارشادات تہِ دل سے قبول، اور اَوامر ونواہی پر عمل کریں، جس کے سبب دارَین کی خوبی، بلکہ مالکِ حقیقی کی محبوبی ومغفرتِ کاملہ ہاتھ آتی ہے؛ کہ کریمہ: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾(۱) اس مضمون سے خبر دیتی ہے۔

بلکہ بنظرِ انصاف فائدہ مولِد کا مجلسِ وعظ سے بمراتب زیادہ ہے، تجربہ تام سے ثابت کہ جو لوگ گھروں میں درود وسلام سے غافل رہتے ہیں، بلکہ اکثر اوقات

---

(۱) پ۳، آل عمران: ۳۱۔

اپنے معاصی وفضولیات میں ضائع کرتے ہیں، اس مجلس میں حاضر ہو کر تحفۂ درود وسلام بکثرت عرض کرتے ہیں، اور اکثر امرا واہلِ دنیا (کہ صحبتِ علما ومجالسِ تذکیر سے متنفر اور بغرورِ جاہ وثروت خواہ اُن جلسوں کو خلافِ مزاج ومراد سمجھ کر بے رغبت ہیں) اس تقریب میں آتے ہیں، اور دینی باتیں سن جاتے ہیں، اس نظر سے بھی ترتیبِ مجلس اور تداعی واجتماع میں اہتمامِ بلیغ عین مصلحت وموجبِ ثواب بے نہایت ہے؛ لأنّ الداعي إلى الخير كفاعله۔

اور اس زمانہ پُر آشوب وفساد میں پادری اور کرسٹان کوچہ وبازار میں ندا کرتے، اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت، واخلاقِ کریمہ، وعادات شریفہ پر طرح طرح کے بہتان، اور اس قسم کے خرافات وہذیان بکتے پھرتے ہیں۔ مسلمانوں کو لازم کہ ہر تقریب میں اور ہر جگہ حضور پرنور کے ذکرِ مبارک کا جلسہ کریں، اور اُن کے رَد کو معجزات وکمالات (جو نبوتِ والا کی دلیل ہیں) اور اخلاقِ کاملہ وعاداتِ فاضلہ (جن سے مخالفوں کی تکذیب اور اُن کے بیان کا بطلان آفتابِ نصف النہار کی طرح ظاہر ہوتا ہے) بیان میں لائیں، خصوصاً احوالِ ولادت وارہاصات کہ وقتِ تولّد شریف خواہ اس کے قریب، اور ایامِ رضاعت وصغرِ سن میں ظاہر ہوئے، جن میں کوئی بے دین کسی طرح کا احتمال از قسم سحر وکہانت وغیرہ اصلاً نہیں کرسکتا، اور حضور کی رسالت ومحبوبیت پر بالبداہۃ دلالت کرتی ہیں، نہایت تفصیل وشرح وبسط کے ساتھ بیان کریں، تا کہ عوام اہلِ اسلام مخالفانِ دین کے دامِ فریب سے محفوظ رہیں۔

اور اس مقام سے یہ شبہہ کہ: ”صحابہ خواہ تابعین سے یہ خصوصیت ثابت

نہیں'' بخوبی دفع ہوتا ہے؛ کہ اُس زمانے میں اس کی حاجت نہ تھی، کوئی مجمع، کوئی مجلس ایسے اذکار سے خود ہی خالی نہ ہوتا، اکثر اوقات حضور کے حالات وِردِ زبان، اور صغیر وکبیر ذکرِ والا میں مشغول بدِل وجان تھے، رفتہ رفتہ لوگ حبِ دنیا وطلبِ مال وجاہ میں مصروف، اور اِس طرف سے غافل، اور اُمورِ دین سے جاہل ہوتے گئے، جب علمائے کرام نے یہ حال دیکھا، ایسے اُمورِ خیر ومفید کو رواج دیا، اور اِس زمانے میں تو یہ عمل مبارک اور اس کے اَمثال حدِ ضرورت کو پہنچے۔

باوجود اس کے جو لوگ اس کی ممانعت کرتے ہیں وہ قصداً خواہ نادانی سے اسلام کے حفظ ونگہبان کو منع، اور پادریوں کی اِعانت اور کھلی حمایت کرتے ہیں۔ وہی انصاف سے کہیں! کہ ان دنوں گھر بیٹھے کون ایسے اَذکار میں مشغول ہوتا ہے؟! اور جس جگہ دس آدمی جمع ہوتے ہیں ایکٹ، گزٹ، چٹھی سرکلر، ناچ گانے، باجے تماشے، اَشعارِ زلف وخال، اور فواحش کے حسن وجمال کا چرچا ہوتا ہے یا حضورِ والا کے معجزات ومعراج وہجرت اور اسلام کی ابتدا، وترقی، وشان، وشوکت اور اس قسم کے احوال کا تذکرہ رہتا ہے؟!

اگر انعقادِ مجلس تمہارے کہنے سے چھوڑ دیا جائے، یہاں تک کہ لوگ ان احوال کے کبھی کبھی سننے سے بھی محروم رہیں، اور پادری لوگ گلی کوچے اپنا کام کرتے پھریں، تو انجام اس کا کیا ہو؟! اور کتنے عامی اور دنیا دار لا مذہب خواہ نصرانی ہو جائیں؟! پُر ظاہر کہ تصدیقِ رسالت دوسرا جزوِ ایمان کا ہے، اور جزوِ اوّل کہ توحید سے عبارت ہے اس تصدیق پر موقوف، وتصدیقِ رسالت اصلِ اصول تمام بھلائیوں اور خوبیوں کی ہے، اور جڑ کا استحکام نہایت اہم ہوتا ہے، اور وہ عقولِ عامہ واذہانِ عوام

میں معجزہ کے طریق سے ہوسکتا ہے، خصوصاً وہ خوارق جو وقتِ ولادت اور اُس کے قریب ظاہر ہوئے؛ کہ اُن میں نہ احتمالِ سحر، نہ بناوٹ اور تصنع کا گمان، نہ طلسم وشعبدہ کی گنجائش، اور ان باتوں پر عوام کو اطلاع اور اُن کا یاد ومحفوظ رہنا، اور دل میں تمکّن واستقرار بدُون اس کے نہایت دشوار؛ کہ مجالس میں ان باتوں کا چرچا ہوتا رہے تو مسلمانوں پر قریب بواجب ہے کہ واسطے دفع اِس شر کے مجلسِ مولِد اور اُس کے اَمثال کی نہایت کثرت کریں، اور خواص وعوام کو اس جلسہ میں ذکرِ مبارک سنانے، اور مخالفینِ دین کے فریب ومغالطہ پر مطلع کرنے اور جتانے کے لیے، اور جس طرح وہ بار بار اپنی خرافات کو اِعادہ کرتے ہیں، اسی طرح اِس مشک کی خوشبو بار بار مہکانے کے واسطے جمع کریں، اور اس کام میں اہتمامِ بلیغ عمل میں لائیں، اور تعیینِ وقت اجتماعِ اخوان میں زیادہ مداخلت رکھتا ہے۔

اور نیز حدیثِ بخاری سے (کہ دوسری دلیل میں گزری) ثابت کہ خود جنابِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکان ووقت وعظ کے لیے مقرر فرمایا، اور جمع ہونے کا حکم دیا[۱]، اور ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پنجشنبہ واسطے وعظ وتذکیر کے مقرر کرلیا تھا[۲]، کہ یہ دونوں روایات بخاری شریف میں موجود، اور تعیینِ بیان قبل ازشروع وَلَو اِجمالاً ضروری، اور اُسے لوگوں پر ظاہر کرنا کہ یہ وعظ کہوں گا، یا یہ

---

(۱) "صحيح البخاري"، كتاب الاعتصام بالكتاب والسنّة، باب تعليم النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم...إلخ، ر: ۷۳۱۰، صـ۱۲۵۸۔

(۲) "صحيح البخاري"، كتاب العلم، باب مَن جعل لأهل العلم...إلخ، ر: ۷۰، صـ۱۷۔

بیان کروں گا ایک سچی بات ہے۔

پھر اگر کسی نے اُسے مولِد یا مجلسِ مولِد کے نام سے شہرت دی تو کیا اُس کی حقیقت بدل گئی؟! اور وہ مجلسِ وعظ و نصیحت نہ رہی؟! اور جو اُمور کہ اس نام سے جائز تھے کس وجہ سے مجرّد اس تعبیر سے حرام و مکروہ ہوگئے؟! اور مخالفین اس کے انعقاد واہتمام میں نہایت توجہ رکھتے ہیں، تو اس مجلس سے کہ حقیقت اس کی وہی ہے، صرف نامِ مولِد کی وجہ اور جنابِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت سے ایسے کیوں بیزار ہوگئے؟!، نعوذ باللّٰہ من قسوۃ القلوب وإحاطۃ الذنوب، مَن یھد اللّٰہ فلا مضلّ لہ، ومَن یضلل اللّٰہ فما لہ من ھاد ۔

اکیسویں دلیل: براہینِ سابقہ سے حُسن سب اُمور کا جن پر مجلسِ مولِد مشتمل بخوبی ظاہر ہوا، اور قاعدۂ ثانیہ رسالہ ''اُصول الرشاد'' میں اس امر کو کہ مجموع امورِ مستحسنہ مستحسن رہتا ہے عقلاً اور نقلاً ثابت کر دیا، اور یہ اعتراض کہ: ''وجود اُس کا قرونِ ثلاثہ میں نہ تھا'' مواضع متعددہ اور طرح طرح کی تقریروں خصوصاً جوابِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے (کہ در بابِ جمعِ قرآن ''بخاری شریف'' میں منقول ہے، اور اُس پر اتفاقِ صحابہ ہوگیا ایسے طریق سے جس میں کسی ذی عقل با انصاف کو دَم مارنے کی مجال نہیں) دفع ہوا۔

لیکن یہ سب محض تبرّع اور مانعین پر ہمارا احسان ہے، ورنہ اصل اِباحت ہے، جسے ہم نے رسالۂ مذکورہ کے قاعدۂ ثالثہ میں ثابت کیا ہے، اور یہ امر نہایت ظاہر کہ ذکرِ حضرتِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، وصدقہ، ودرود، وتلاوتِ قرآن وغیرہا

اُمور جس ہیئت وکیفیت کے ساتھ جائز قرار پائیں گے، تو باعتبار(۱) اپنے حُسنِ ذاتی واصلی کے خواہ مخواہ مستحسن ہی ٹھہریں گے، اور جواز ضمنِ استحباب ہی میں متحقق ہوگا، اور یہاں سے ظاہر ہوا کہ اصلِ جواز واستحسان کا ثبوت ہمارے ذمہ نہیں، بلکہ بقاعدۂ مناظرہ عدمِ جواز وکراہت کا ثبوت مانعین پر واجب، مانعین ایک دلیل بھی جو بقاعدۂ مناظرہ صحیح ہو پیش نہیں کرتے، بلکہ بنائے بحث بالکل مغالطات واَوہام وخیالات پر ہے، اب اُس کی کیفیت ملاحظہ کیجیے! اور ان صاحبوں کے جوہرِ قابلیت ودیانت کی داد دیجیے!۔

---

(۱) مع ہذا ہر مباح کہ بہ نیتِ محمود کیا جائے مستحب ومحمود ہو جاتا ہے؛ لقوله صلّى الله تعالى عليه وسلّم: ((إنّما الأعمال بالنيّات وإنّما لكلّ امرئ ما نوى)) ["صحيح البخاري"، كتاب بدء الوحي، باب كيف كان بدء الوحي...إلخ، ر: ۱، صـ۱] یہ مسئلہ بدیہیاتِ شرعِ مطہر سے ہے۔ ''اَشباہ'' میں ہے: أمّا المباحات فإنّها تختلف صفتها باعتبار ما قصدت لأجله، فإذا قصد بها التقوى على الطاعات والتوصّل إليها، كانت عبادةً كالأكل والنوم واكتساب المال والوطء ["الأشباه والنظائر"، الفنّ الأوّل في القواعد الكلية، القاعدة الأولى، لا ثوابَ إلّا بالنية، صـ۱۸]۔ ''ردّالمحتار'' مسئلۂ عقیقہ میں ہے: على أنّه وإن قلنا: إنّها مباحة، لكن بقصد الشكر تصير قربةً، فإنّ النيّة تصير العادات عبادات والمباحات طاعات ["ردّ المحتار"، كتاب الأضحيّة، ۵/۲۰۸ ، تحت قول "الدر": وإن كان شريك الستّة نصرانياً...إلخ]۔

حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ۔

دوسرا باب مغالطاتِ مخالفین کے حل ودفع میں

ہر چند اکثر مغالطات واَوہام وخیالاتِ منکرین بفضل حضرتِ ربّ العالمین وطفیلِ جنابِ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہٖ اجمعین ضمنِ تقریرِ دلائل میں مُندفع ہوئے، مگر بنظر تسکینِ قلوبِ ناظرین اُن کے عمدہ شبہات سے (جن پر بڑا ناز ہے) استقلالاً بھی تعرّض مناسب، اور بقیہ مغالطات کو رَد کردینا واجب، واللّٰہ الموفّق، وبہ نستعین، نعم المولی ونعم المعین ۔

پہلا مغالطہ(۱): ''مجلسِ مولِد بدعت ہے، اور ہر بدعت ضلالت، اور اَدنیٰ

---

(۱) واضح ہو کہ اکبر متکلمینِ طائفہ بشیر صاحب قنوجی کو ''غایۃ الکلام'' میں ذکرِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے (معاذ اللہ) باطل کرنے کی ہوس اُچھلی، تو پیشِ عوام متکلّمی کی شرمِ مُلّائی کا نام رکھنے کو کچھ دلیلیں لکھنے کی بھی سوجھی؛ کہ دعویٰ بے دلیل محض خوار وذلیل، لہٰذا کچھ کا سبق پرانے سیانے نواب صاحب بھوپالی سے سیکھا پڑھا، ایک آدھ مغالطہ اپنے جی سے گڑھا، پھر ایک ہی بات کو صرف طرزِ عبارت بدل کر جداگانہ دلیل قرار دیا، یوں بہزار خرابی آٹھ دلیل کا بھرت بنالیا، اور براہِ ہوشیاری ابتدا میں خود اُس کا اقرار بھی کیا، فرماتے ہیں: ''برائے ممنوعیت این عمل ادلہ بسیار ند بعض بنظرِ اختصار ندگوئی شوند، لیکن در تکثیرِ ادلہ صرف لحاظ تکثیرِ عنوان بیاست والاّ بالمآل رد بعض جانب بعض آسان ست''۔ یہ حماقت تو ملاحظہ ہو کہ بنظرِ اختصار اِبطالِ مجلسِ مبارک کی بہت دلیلوں سے صرف بعض لکھتے ہیں، اور اُن بعض میں بغرضِ تکثیر صرف طرزِ بیان بدل کر ایک ایک دلیل کو دو دو بار گنتے ہیں، ان دونوں غرضوں کا تناقض تو دیکھیے! صاف ظاہر ہوا کہ ''بہت'' محض جھوٹ کہہ دیا، اوّل قلیل گڑھ پائے، اور نظرِ عوام میں گنتی بڑھانے کو یہ روپ دکھائے، خیر اس کتابِ مستطاب میں یکم سے ششم تک جو چھ مغالطے ذکر فرمائے، یہ سب قنوجی صاحب کی صرف دلیلِ اوّل کے ہیں، جن کا ردِ بلیغ متن میں ارشاد ہوا۔ =

= وانا اقول وباللہ التوفیق: یہاں منکر مکابر کی صغرا شکنی کو معارضہ بالقلب بہت خوبی سے ممکن، ''غایۃ الکلام'' قنوجی صاحب کی ساری تقریرِ پریشان بعینہٖ لے لیجئے، صرف لفظِ عمل کو منع سے بدل دیجیے، اُنہیں کی دلیلِ ذلیل اُنہیں پر تیرِ بازگشت بنے گی۔ اب شدّتِ تعصب جواب پر لائے گی، اور اُس کے ساتھ ہی خود اپنی دلیل کی بیہودگی کھل جائے گی، کہ جس بات سے جانبِ عمل میں دیدہ ودانستہ چشم پوشی کر کے بے ثبوتی کا ادّعا ہوا تھا، جانبِ منع میں اُسی کا دامن تھامنا پڑا، اور اب جو آنکھ کھول کر دیکھا تو سویرا ہے۔ وہ تقریر یوں ہے: ''منع از جمع واجتماعِ مسلمین برائے ذکر وتذکیرِ حالاتِ کریمہ حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم از ولادت ورضاعت وبعثت وہجرت ومعراج ومعجزات وسائرِ احوالِ برکات آیات بدعت ست، وہر بدعت ضلالت، وادنائے ضلالت کراہت، صغریٰ یعنی بدعت بودن این منع پس صادق ست برائے آنکہ این منع محدث ست بعدِ قرونِ ثلاثہ باتفاقِ فریقین وغیر ثابت ست از ادلۂ شرع، یعنی کتاب وسنت وقیاس واجماع ست وما یلحق بہا، اما عدم ثبوت از کتاب وسنت خود ظاہر ست، واما از اجماع وقیاس برائے آنکہ دلیلِ اجماع وقیاسِ مجتہدین ست، واین منع از مجتہدین مسلّم الاجتہاد منقول نیست، چہ جائے اجماع، واما از تعامل پس بسہ وجہ: اوّلاً: این منع مختلف فیہ است، پس تعامل صریح غلط، دوم: در بلادِ کثیرہ نام ونشانے ازین منع نیست، وتعاملِ بعض بلاد تا آنکہ مستمر از صدرِ اوّل نبود حجتِ شرعیہ نیست، سوم: حجیتِ تعامل در معاملات ست، نہ در منع از عبادات، واما از استحسان پس نیز بسہ وجہ: اوّل: دلیلِ استحسانِ مجتہدین ست آن درین منع مفقود، دوم: مرجعِ استحسان اثر یا اجماع یا قیاسِ خفی یا ضرورت باشد وہمہ این چیزہا درین منع معدوم، سوم: حجتِ استحسانے ست کہ مقابلِ قیاسِ جلی باشد ودرین جا مقابلِ استحسان این منع قیاسِ جلی نیست وہر محدث بدونِ دلیلِ شرعی بدعت باشد، واما کبریٰ یعنی ضلالت بودن ہر بدعت بدین معنیٰ پس باتفاق ست''۔

اگر کہیے: قرآن وحدیث میں اس منع کی تصریح نہ آنا اس وجہ سے ہے کہ یہ عمل اُس زمانے میں نہ تھا، اگر ہوتا منع فرمادیا جاتا۔=

= اقول: اوّلاً: یہ وجہ عدمِ تصریحِ منع کی موجب نہیں، بہت باتوں سے منع فرمایا گیا جو اُس وقت موجود نہ تھیں، بلکہ بعض اب تک وجود میں نہ آئیں، مثلاً قدریہ کے بارے میں ارشاد ہوا: ((لا تعودوهم وإن ماتوا فلا تشهدوهم))، ''اُن کی عیادت نہ کرنا، مریں تو جنازے پر نہ جانا''، رواه أبو داود عن ابن عمر رضي الله تعالى عنهما ["سنن أبي داود"، كتاب السنّة، باب في القدر، ر: ٤٦٩١، صـ٦٦٢]، ابنِ ماجہ نے بڑھایا: ((لا تسلّموا عليهم)) ["سنن ابن ماجه"، مقدّمة المؤلّف، باب في القدر، ر: ٩٢، صـ٢٦]، ''انہیں سلام نہ کرنا''۔

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں روافض کی نسبت ہے: ((لا تجالسوهم، ولا تشاربوهم، ولا تؤاكلوهم، ولا تناكحوهم))، ''اُن کے پاس نہ بیٹھنا، اُن کے ساتھ کھانا پینا شادی بیاہت نہ کرنا''، رواه العقيلي ["الضعفاء الكبير"، للعقيلي، ترجمة: أحمد بن عمران، ١/ ١٢٦]، ابنِ حِبّان نے زائد کیا: ((لا تصلّوا عليهم، ولا تصلّوا معهم)) ["كتاب المجروحين من المحدّثين والضعفاء والمتروكين"، بشر بن عبدالله القصير، الجزء الأوّل، صـ١٨٧]، ''اُن کے جنازے کی نماز نہ پڑھنا، اُن کے ساتھ نماز نہ پڑھنا''۔ ظاہر ہے کہ قدریہ و روافض عہدِ رسالت، بلکہ صدرِ خلافتِ مرتضوی تک کہیں نشان نہ تھا۔

''صحیحین'' میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((يوشك الفرات أن يحسر عن كنز من ذهب، فمن حضر فلا يأخذ منه شيئاً)) ["صحيح البخاري"، كتاب الفتن، باب خروج النار، ر: ٧١١٩، صـ١٢٢٦، و"صحيح مسلم"، كتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة...إلخ، ر: ٧٢٧٥، صـ١٢٥٣]، ''قریب ہے کہ نہرِ فرات ایک کان سونے کی ظاہر کرے، جو وہ وقت پائے اُسے حکم ہے کہ اُس میں سے کچھ نہ لے''۔ اس قسم کی احادیث فتن و اشراط وغیرہا میں بکثرت ملیں گی۔=

= **ثانیاً:** تم نے وہ کہا، ہم یوں کہتے ہیں کہ: قرآن وحدیث میں اس عملِ مبارک کے ندب واستحسان کی تصریح نہ آنا اس وجہ سے ہے کہ یہ عمل اُس زمانے میں نہ تھا، اگر ہوتا مستحب فرما دیا جاتا۔ اب اگر نرے زبانی دعوے پر قناعت ہو تو وجہ کیا کہ تمہاری مان لی جائے اور تمہارے خصم کا دعویٰ مسموع نہ ہو؟ اور اگر خدا انصاف دے تو سب این وآن سے گزر کر نفسِ عمل کی حالت پر نظر واجب ہوگی، اور اب بے تکلف میدان ہمارے ہاتھ ہے، وہ دیکھو! قواعدِ شرعیہ کے شیر گونج رہے ہیں کہ: یہ عملِ مبارک مقاصدِ شرع سے مطابق، مرادِ شارع کا موافق، محموداتِ قرآن وحدیث کا مجمع، محبوباتِ خدا ورسول کا منبع ہے، تو بے شک شرعِ مطہر سے خلعتِ قبول پانے کا مستحق ہے، نہ کہ (معاذ اللہ) تازیانہ ردّ وغضب کا۔ جسے محبوبِ ربّ العالمین جلّ جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچی محبت ہے اُس کی ایمانی شہادت تو یہی کہے گی، اور مرضِ قلب کا علاج ہمارے پاس نہیں۔

ثالثاً: عجب مخمصے میں ہو! منع کی بنا تو اسی زعم پر رکھے تھے کہ "یہ فعل اُس زمانے میں نہ تھا، اگر ہوتا تو ممنوع نہ ہوتا"، اب اسی پر قرآن وحدیث میں ممانعت نہ آنا مبنی کرتے ہو کہ اگر اُس زمانے میں ہوتا تو منع فرما دیا جاتا، کچھ بھی ٹھکانے کی کہیے گا!

رابعاً: یہی سوال کافی ہے کہ یہ عملِ مبارک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے کیا جاتا تو حضور منع فرماتے یا جائز رکھتے؟ بر تقدیرِ ثانی اُس کے جواز میں کیا شبہ رہا جس پر صاحبِ شرع مطلع ہوتے تو جائز رکھتے؟! اُسے جو منع کرے اپنا سر کھائے، بر تقدیرِ اوّل زمانے میں ہونے نہ ہونے کا خرخشہ اُٹھ گیا، اسی پر دلیل درکار ہے کہ اگر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پاتے منع فرماتے، وہی شناعت اس عمل میں دلائلِ شرع سے ثابت کر دو! نزاع ختم ہے، اور جب ہرگز قدرت نہ پاؤ، اور بے شک نہ پاؤ گے! تو اللہ ورسول پر اِفترا سے باز آؤ! ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [پ ۷، المائدۃ: ۹۱]۔

اگر کہیے: یہی کیا ضرور ہے کہ خاص فعل کا نام ہی لے کر قرآن وحدیث میں ممانعت =

مرتبہ ضلالت کا کراہت''۔ یہ مغالطہ خواص وعوامِ وہابیہ کی زبان پر تکیہ کلام کی طرح جاری رہتا ہے، اور متکلم قنوجی نے اُسے نہایت طمطراق سے ''غایۃ الکلام'' میں لکھا ہے۔ حل اُس کا یہ ہے کہ بدعت سے اگر مخالف ومزاحمِ سنّت مراد، تو صغریٰ ممنوع اور جو معنیٰ دوم یعنی ما لم یکن في عهد رسول اللّٰه صلّی اللّٰه تعالی علیه وسلم مقصود، تو کلیتِ کبریٰ بتقریرِ مقدمہ ٔ رسالہ ٔ ہذا مدفوع، اور جو صغریٰ میں اوّل اور کبریٰ میں ثانی ملحوظ، تو اَوسط غیر مکرّر، اور دلیل کھلا قیاسِ مغالطہ ہے، جس طرح تصویرِ فرس پر فرس کو حمل کرنے، اور اس مقدمہ کے ساتھ کلّ فرس صاهل کو ملانے سے یہ نتیجہ نکالیں کہ: تصویرِ فرس صاہل ہے، اسی طرح یہ مغالطہ ان حضرات کی جانب سے اکثر موارِدِ نزاع میں پیش ہوتا ہے کہ بدعت کو حدِ اَوسط اور صغریٰ کو باعتبارِ معنیٰ دوم، اور

= لکھی ہو، بلکہ عموماتِ منع کے تحت میں داخل ہے، لہٰذا اُس کا منع کتاب وسنت سے ثابت۔

اقول: اب ٹھکانے سے آگئے، یہی تو تمہیں پہلے سے نہ سوجھی، یا سوجھی اور قصداً چشمِ انصاف بند کر لی تھی، یہی کیا ضرور ہے کہ خاص اس فعل کا نام ہی لے کر قرآن وحدیث میں اجازت آتی، بلکہ عموماتِ اجازت واستحباب کے تحت میں داخل ہے، لہٰذا اُس کا استحسان کتاب وسنت سے ثابت، اب بیاناتِ سابقہ اور ائمہ ٔ دین کے براہینِ شاہقہ ملاحظہ کیجیے اور اپنے اس لکھے کو رویئے کہ ''اما عدمِ ثبوت آن از کتاب وسنت خود ظاہر ست''۔ رہے عموماتِ منع وہ وہی احادیثِ منعِ بدعت ہیں، اُن کا بیانِ شافی اور آپ کے ہذیانات کا ردِ کافی مقدمہ کتابِ مستطاب وارشاداتِ عالیہ ''اصول الرشاد'' سے أبین من الأمس وأظهر من الشمس ہے، ہر ذی انصاف سمجھ چکا کہ مجلسِ مبارک ہرگز بدعتِ مذمومہ کا فرد نہیں، تو بعونہٖ تعالیٰ آپ کا ہاتھ یکدست تہی، اور کتاب وسنت کی نصرت وحمایت بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے ہی ساتھ رہی، وللہ الحمد۔

حضرت عالمِ اہلسنّت وجماعت دامت فیوضہم۔

کبریٰ کو بنظر معنیٔ اوّل صحیح وحق قرار دے کر عوام کو بہکاتے ہیں۔

ایسا ہی فریب اَور الفاظ میں بھی کرتے ہیں، گویا عامۃ الودود ٹھہرالیا ہے، اور متکلم قنوجی کا یہ کلام کہ: ''عملِ مولِد قرونِ ثلاثہ کے بعد حادث ہوا، اور کسی دلیلِ شرع سے ثابت نہیں، تو بدعت ہے''، اور بدعت بایں معنی باتفاقِ فریقین ضلالت، قطع نظر اس سے کہ حاصل اس معنیٰ کا احد المعنیین کی طرف راجع، اور آپ نے مِن حیث لا یدری ہمارے مدّعا کا اعتراف(۱) کیا۔

دوسرا مغالطہ ہے ذات شریف نے جو حاصل قرار دیا ہے کسے مسلّم؟ اور نہ ہماری اصطلاح میں اُس کا کچھ پتا، تو ہم باعتبار اُس کے ہر بدعت کو ضلالت کب کہیں گے؟! اور اس امر میں مستدِل کے ساتھ کس طرح اتفاق کریں گے؟! اور جو ہمارا فریق ابنِ حجر مکی وملاّ علی قاری وغیرہما علما میں (جن کی عبارات سے آخر مقدّمہ ''غایۃ الکلام'' میں استناد کیا) منحصر ٹھہرایا ہے، تو یہ تیسرا مغالطہ ہے، سوا اس کے حضراتِ ممدوحین خاص مجلسِ مولِد اور دوسرے اُمور کو کہ قرونِ ثلاثہ میں بہیئتِ کذائی نہ تھے، نہ مجتہدین نے اُن کی تصریح فرمائی، نہ کتاب وسنت واہلِ اِجماع نے اس ہیئت وخصوصیت کے ساتھ صریح اجازت دی، مستحسن کہتے ہیں، تو وہ اِنعدامِ اصل ومستند سے وہی معنیٰ جن سے مولِد وغیرہ اُمورِ متنازع فیہا پاک ومحفوظ ہیں مراد لیتے ہیں، اور فی الواقع اگر عدمِ ثبوت سے عدمِ تصریحِ ہیئت وخصوصیتِ کذائی مراد تو قائلینِ تقسیم سے کوئی ایسے اُمور کو مطلقاً ضلالت نہیں کہتا، دعویٔ اتفاق دروغ گوئی

---

(۱) کما تقدّم التنبیہ علیہ فتذکّر۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ العالی۔

وبررو کے قبیل سے ہے۔

اور جو عدمِ ثبوت مطلقاً مقصود، تو ہم نے مجلسِ مولِد کو قرآن وحدیث وتعامل وغیرہ دلائلِ شرعیہ سے ثابت کردیا، باوصف اس کے کوئی مسلمان ذی عقل اُسے ضلالت کہہ سکتا ہے؟! اسی طرح متکلم صاحب نے مسئلہ تعامل میں جو گفتگو کی ہے، رسالہ ''اصول الرشاد'' کے قاعدۂ ششم سے ظاہر کہ محض نافہمی اور بے سمجھی پر مبنی ہے۔

اور یہ تقریر ذات شریف کی: ''واما عدمِ ثبوت آن از اِجماع وقیاس پس برائے آنکہ اِجماع وقیاس کہ دلیل ست اِجماع وقیاسِ مجتہدین ست'' چوتھا مغالطہ ہے، جس کا حل بھی ہمارے اُسی رسالے پر محمول، اور اس مختصر میں بھی ضمنِ دلائل میں جابجا تنبیہ کردی ہے۔

اور تحریر شریف ''مرجعِ استحسان کہ حجتِ شرعیہ است اثر یا اِجماع یا قیاسِ خفی یا ضرورت باشد، وہمہ این چیزہا درین عمل معدوم اند'' محض غلط اور پانچواں مغالطہ ہے، خدا جانے اثر وغیرہ آپ نے کس چیز کا نام ٹھہرایا ہے! اثر ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود، اِجماعِ سکوتی بھی ثابت، ائمۂ سابقین ولاحقین نے اپنے قیاسات بتصریح بیان فرمائے، ضرورت بھی بیسویں دلیل میں بخوبی ثابت کردی، سوا اس کے موافقتِ قوم بھی امورِ جائزہ خصوصاً مستحسنہ میں ایک طرح کی ضرورت، اور منع کرنا موجبِ وحشت اور فتحِ بابِ غیبت وتہمت ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ''اِحیاء العلوم'' میں فرماتے ہیں: فالموافقة في هذه الأمور من حسن الصحبة والعشرة؛ إذ المخالفة موحشة، ولكلّ قوم رسم، ولا بدّ من مخالفة النّاس

بأخلاقهم، كما ورد في الخبر...إلخ (۱)۔

اورحوالہ "تلویح" کا چھٹا مغالطہ ہے، یہ عبارت: قد سبق أنّ الاستحسان دليل يقابل قياساً جلياً سواء كان أثراً...إلخ، وجوبِ تحقیق قیاسِ جلی پر خاص اُس مادّہ میں نص نہیں، اور نہ استقرا کسی ناقص (خصوصاً تم جیسے) کا مثبتِ کلیت، سوا اس کے دلائلِ مخالفین اور فاکہانی وغیرہ مستندینِ مانعین کے اُن کے نزدیک قیاسِ شرعی ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو جلی ہونا اُن کا ظاہر، اور قیاسِ جلی خاص اس مادّہ میں اُن کے اقرار سے محقق، اگرچہ واقع میں بوجہِ فقدانِ ملکۂ اجتہاد اعتبار سے ساقط، بلکہ فی نفسہٖ غلط ہیں۔ دوسری صورت میں مثبتِ مدّ عا اور مفید ہیں یا نہیں؟ پچھلی شِق پر مانعینِ سابقین ولاحقین کی سب سعی برباد ورایگاں، اور خاص یہ دلیل بھی لغو ہوگئی، اور جو باوصف اس کے کہ قیاسِ شرعی سے خارج اور مستدِل منصبِ اجتہاد سے عاری اِفادۂ مطلب کرتے ہیں، اور یہ لوگ دلائلِ شرعیہ سے اِثباتِ مدّ عا کی گنجائش رکھتے ہیں، تو یہ گنجائش مختص بمانعینِ مولِد ہے یا مجوِّزین کو بھی حاصل؟ پچھلی صورت میں اعتراضِ مانعین کہ: "تم اور تمہارے مستندین مجتہد نہیں تو تمہارے اور حافظ امام ابنِ حجر عسقلانی وامام جلال الدین سیوطی کے استنباط بے کار ہیں" هباءً منثوراً ہوگیا، اور پچھلی تقدیر پر تحکم وزبردستی اور اپنی ناانصافی اور ہٹ دھرمی کا کھلا اقرار ہولیا۔

ساتواں مغالطہ (۲): جسے اِنھی بزرگوار نے اس عبارت سے لکھا ہے: "این

---

(۱) "الإحياء"، كتاب آداب السماع والوجد، الباب الثاني: آثار السماع...إلخ، المقام الثالث من السماع، ۲ / ۳۳۱۔

(۲) یہ "غایۃ الکلام" کی دلیلِ دوم ہے۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ العالی۔

عمل از آن اعمال ہست کہ عملِ حضرت (۱) وصحابہ وتابعین وتبع تابعین بہ آن باوجود ہمہ مقتضیات وعدمِ موانع آں یافتہ نشدہ ومنقول از ایشان نگردیدہ، وعامہ علما وفقہا بامتناع وکراہت ہچو اعمال تصریح فرمودہ اند کتبِ دینیہ از روایاتِ این قسم مالا مال اند"۔

اقول وبحول اللہ اُصول ، اوّلاً: مستدِل نے اس جگہ برخلاف اپنے ائمۂ مذہب اور خود اپنی تصریحِ سابق کے عصرِ تبع تابعین کو بھی معتبر ٹھہرایا، اور قرون کو ثلاثہ سے اربعہ بنایا، اُس پر طرّہ یہ کہ تحقّقِ جملہ دواعی اور عدمِ موانع کی قیدیں بڑھائیں، تبع تابعین کے حال پر عنایت کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی، لیکن قیدِ دواعی بغرض انطباقِ عباراتِ کتبِ فقہ جن میں حرص وغیرہ اُمور کی تصریح ہے زیادہ فرمائی، کاش! اس قید کو ہر جگہ معتبر رکھتے تو بہت موارِدِ نزاع طے ہوجاتے، جس طرح خود یہ مسئلہ مجلسِ مبارک بحمد اللہ تعالیٰ ان کی اسی قید کی بدولت طے ہوگیا۔

تحقّقِ دواعی وعدم جملہ موانع کا ثبوت دینا ذمۂ مستدِل ہے، پہلے سب دواعی اور تمام موانع عملِ مولِد باعتبار اُس زمانے کے مشخّص ومحدود کیجیے، پھر تحقّقِ مقتضیات اور فرداً فرداً اِنعدام جملہ موانع کا ثبوت دیجیے! یا ایسی دلیلوں کا کہ یہ فعل بدعت ہے، اور صحابہ وتابعین سے منقول نہ ہوا، یا قرونِ اربعہ میں نہ پایا گیا، اور ان عباراتِ کتبِ فقہ کا جن میں اِن اُمور سے احتجاج واقع ہوا ہے نام نہ لیجیے! آپ صاحبوں کے کہنے سے مانع کسی خاص امر میں منحصر نہ ہوجائے گا، جس طرح رئیس المانعین نے شیوعِ ملتِ اسلام کو ارتفاعِ مانع ٹھہرایا، اور یہ نہ سمجھا کہ اُن کے خصم

---

(۱) اقول: صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدظلہٗ۔

اَور (۱) موانع بھی بیان کرتے ہیں، بعد اعترافِ اعتبارِ قیدِ تحققِ دواعی، وانعدامِ موانع بدُونِ اِثباتِ اِرتفاعِ جمیع اس دلیل اور اِس کی اَمثال سے کچھ نتیجہ نہ نکلے گا۔

ثانیاً: اکثر روایات (کہ کبریٰ کے اِثبات میں ذکر کیں) خود تحقیقِ مستدِل کے مخالف؛ کہ صرف ترکِ حضرتِ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ پر کراہت کا حکم دیا ہے، اِس تقدیر پر معمولاتِ صحابہ وتابعین بھی مکروہ ٹھہریں گے۔

ثالثاً: بعض دواعی مقتضیات کہ اس زمانے میں موجود، قرونِ ثلاثہ میں نہ تھے، جن کی تفصیل بیسویں دلیل میں مذکور، اور اکثر اُمور جن کا ذکر مقدمہ میں ہے، اُس وقت ترک کے باعث ہوئے، باایںہمہ دعویٰ وجودِ مقتضیات وعدم جملہ موانع کب صحیح ہے؟!

رابعاً: اکثر مسائل جن کی کراہت کتبِ فقہ سے اس جگہ نقل کی، بعض مجتہدین اُنہیں جائز، یا مباح کہتے ہیں، تو مستدِل کے طور پر سنت سے ملحق ہیں، گو یہ فقہا مکروہ کہیں۔

خامساً: عملِ مولِد کو حج ونماز کے مسائل پر قیاس کرنا صحیح نہیں، اُن کے ہیآت وواقعات توقیفی ہیں، اُن کا حکمِ عام مطلق نامخصوص ونامحدود وارد نہ ہوا، حتّٰی کہ بعض کے نزدیک اُن کے متعلقات بالکل سماع پر موقوف ہیں، نہ قیاس کو اُن میں دخل، نہ کسی طرح تغییر خواہ کمی زیادتی جائز، اگر فقہا اس بنا پر بوجہ عدمِ نقل وعدمِ ماثوریت مکروہ کہیں تو ایسے امر کی کراہت جو عموم واِطلاقِ شرع کے تحت میں داخل،

(۱) حاشیہ ہذا بر صفحہ ۱۲۷ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ احمد رضا اپنے نسخے کے مطابق جس صفحہ کا ذکر فرما رہے ہیں اس تک ہماری رسائی ممکن نہ ہو سکی علیمی

اور ایسی چیز کے اَفراد سے ہے جسے شرع نے عموم واِطلاق پر چھوڑا، اور محدود بحدود ہیآتِ مخصوصہ نہ کیا، اور وہ ہر طرح مقصودِ شارع کے موافق، اور رونقِ اسلام وترقی محبت وطاعتِ سید الانام علیہ الصلاۃ والسلام کا باعث ہے، خصوصاً جبکہ طریقۂ نصیحتِ بعض عوامِ زمانہ اُس میں منحصر، اور اس زمانے میں اُس کی ضرورت روشن وظاہر ہو، مجرّد عدمِ نقلِ قرونِ ثلاثہ سے کب ثابت کرسکتے ہیں؟! ع

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

بلکہ خود یہی فقہا اُن بعض اُمور کی نسبت جن کی کراہت کی تصریح ہے نظر بمصلحتِ زمانہ یہ حکم دیتے ہیں، وأمّا العوام فلا يمنعون من تكبير وتنفّل أصلاً؛ لقلّة رغبتهم في الخيرات، كما في "الدرّ المختار" [۱] معزياً إلى "البحر الرائق" [۲]۔

سادساً: مانحن فیہ میں نقل موجود، اور عدمِ نقل مفقود، علما سلفاً وخلفاً عمومات واطلاقاتِ کتاب وسنت سے افراد وخصوصیات پر استدلال کرتے ہیں، اور ایسے اُمور میں تنصیصِ مجتہدین ضروری نہیں سمجھتے، نہ اسے خاص بأہلِ اجتہاد جانتے ہیں، بلکہ اِطلاق وعمومِ منصوصاتِ مجتہدین سے بھی استناد جاری، اور مقصودِ دینی سے مطابقت، اور حصولِ مطالبِ شرعیہ میں مداخلت بھی دلیلِ ندب واِباحت ہے، کما مرّ۔

بالجملہ یہ دلیل متکلم قنوجی کی محض غلط اور سراسر نافہمی پر مبنی ہے، اور اس تقریر

---

(۱) "الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، باب العيدين، ۱ / ۱۱٤ ملتقطاً۔

(۲) "البحر الرائق"، كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ۲ / ۲۸۰۔

سے ظاہر کہ تردیدِ رئیس المانعین کی بھی اس سند کے بیان میں کہ: ''یہ عمل فعلِ اصحابِ کِبار واہلِ بیتِ اطہار سے باوجود غلبۂ محبت وثورانِ تعشّق منقول نہ ہوا، آیا ماہِ ربیع الاوّل اُس زمانے میں نہ تھا؟! یا ذکرِ ولادت ومَحامدِ نبویّہ تخصیصِ ماہ ویوم بہیئتِ کذائیہ دین سے شمار نہ کرتے؟! یا اس کے ثواب واجر سے ناواقف تھے؟!''۔

اوّل وثالث باطل، تو ثانی متعیّن، وفیہ المطلوب۔ اور اسی طرح تقریرِ دلیلِ چہاردہمِ نوابی؛ کہ بعینہٖ اسی دلیل کو دوسری طرح رنگ کر نمائش کے لیے دلیلِ مستقل قرار دیا ہے، جس کی عبارت یہ ہے: ''این فعل در صدرِ اوّل واقع نہ شد ودر عدمِ وقوع چند احتمال ست، یا احتیاج بآن نبود، یا مانع یافتہ شد، یا علم برآن حاصل نشد، یا در امتثالِ آن تقاعد ومسامحت رفت، یا مکروہ ونامشروع دانستند'' نری تلمیع وسخن سازی ہے، علاوہ بریں تخصیص والتزام ماہ ربیع الاوّل کا اِلزام محض غلط، اور یہ تقریر تمام محدَثاتِ قرنِ تابعین، واستنباطاتِ مجتہدین، ومستحسناتِ محققین، ومستندینِ مانعین سے منقوض ہوتی ہے۔

خیر کچھ نہ دیکھیں، جناب مجدّد صاحب کی طرف سے تو جواب دیں کہ ذکرِ خلفائے راشدین بمنزلۂ شعائرِ دین ٹھہرا کر التزام کی تاکید وترک پر اعتراض (۱)

---

(۱) جلد دوم، مکتوب پانزدہم: شنیدہ شد کہ خطیبِ آن مقام درخطبۂ عید قربان ذکرِ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ترک کردہ واسامی متبرّکۂ ایشان نخواندہ وبسہو خود اعتذار نا کردہ بہ تمرّد پیش آمدہ وگفتہ کہ چہ شد اگر اسامی خلفائے راشدین مذکور نشدہ، ونیز شنیدہ کہ اہالی آن مقام درین باب بشدّت وغلظت بآن خطیبِ بے انصاف پیش نیامد ندع وائے نہ یکبار کہ صد بار وائے ذکرِ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اگرچہ از شرائطِ خطبہ نیست لیکن از شعائرِ اہلِ سنت =

شدید فرماتے ہیں، آیا خطبہ اُس زمانے میں نہ تھا؟! یا وہ اُس فعل کی خوبی اور ترک کی برائی سے ناواقف تھے؟! یا اُسے بلا اذنِ شارع تشریع من عند أنفسھم سمجھ کر مکروہ جانتے؟! شِقَّینِ اوّلین باطل، تو ثالث متعین، ورنہ ممکن نہ تھا کہ باوجود علم، وحرصِ عمل، وحسنِ عقیدت، وکمالِ محبتِ خلفائے راشدین یہ فعل زمانۂ صحابہ میں جاری نہ ہو جاتا!۔

اور جو اعمال واذکار ''قولِ جمیل'' شاہ ولی اللہ صاحب، و''صراطِ مستقیم''

= است ترک نہ کند آنرا بعمد وتمرّ دمگر کسیکہ دلش مریض وباطنش خبیث ست، اگر فرض کنیم کہ بعصّب وعناد ترک نکروہ باشد وعیدِ ((مَن تشبّه بقوم فهو منهم)) ["سنن أبي داود"، كتاب اللباس، باب في لبس الشهرة، ر: ٤٠٣١، صـ٥٦٩] راچہ جواب خواہد گفت واز مظانِ تہم کہ ((اتّقوا مواضع التهم)) ["كشف الخفاء"، حرف الهمزة مع التاء المثناة، ر: ٨٨، ٥٨/١] چگونہ خلاص خواہد گشت، دور نیست کہ آن بحقیقت کہ بکشمیر منسوب است این خبث را از مبتدعانِ کشمیر اخذ کردہ باشد، این قسمِ گلِ بد از ابتدائے اسلام تا این وقت معلوم نیست، کہ در ہندوستان شگفتہ باشد، نزدیک است کہ ازین معاملہ تمام شہر متّہم گردو بلکہ اعتماد از ہندوستان مرتفع شود، سلطانِ وقت از اہلِ سنت وحنفی ست، در زمانِ او این چنین بدعت نہایت جرأت است بلکہ فی الحقیقت منازعہ باسلطان وخروج است از اِطاعتِ أُولي الامر عجب کہ مخادیم آن مقام درین واقعہ مُساہلہ فرمایند، قال اللہ تعالیٰ: ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ [پ٦، المائدة: ٧٩] ، درین طور واقعات تغافل ورزیدن مبتدعان را دلیر ساختن است ورخنہ در دین کردن اھ ملخصاً ["مكتوبات"، المجلّد الثاني، حصّه ششم، دفتر دوم، مكتوب پانزدهم، صـ٤٠-٤٢]۔ ذرا اس مکتوب کے تیور دیکھیے! اور اپنی ''بدعت بدعت'' ''ضلالت ضلالت'' اہتمام التزام کے نصیبوں کو رو دیجئے!۔ حضرت عالمِ اہلسنّت دامت برکاتہم۔

اسماعیل دہلوی میں مذکور، اگر دین میں مفید ہوتے، اور بوجہِ عدمِ اذنِ شرع کے مکروہ نہ ٹھہرتے، تو ترک اُن کا صحابۂ کرام وتابعین اَعلام سے واقع نہ ہوتا، فما هو جوابكم، فهو جوابنا۔

آٹھواں مغالطہ(۱): جسے متکلم قنوجی نے اس عبارت سے لکھا: ''ذکرِ رسول اللہ(۲) از قبیل عبادت ست، وغالب در ہیئتِ عبادات توقیف ست، وانچہ دران اصل توقیف ست بدُون بیانِ شارع مکروہ بود، پس این عمل کہ عبادت از ذکرِ رسول اللہ باین ہیئت وتخصیصات مبتدعہ است مکروہ باشد، بحسبِ این ہیآت وتخصیصات''۔

اقول بتوفیق اللہ تعالیٰ وتوقیفہ: اوّلاً: کلیتِ کبریٰ مفقود، تو شکلِ مستدِل عقیم ہے۔

ثانیاً: دعویٰ غلبۂ توقیف بھی مردود، یہ امر ہیئتِ بعض عبادات سے جواز جانبِ شرع محدود و متعین ہیں، مخصوص ذکر، وشکر، وفکر، ودرود، واحسان، وحسنِ خلق، وتصدّق، ورفق، ونصیحت، وخشوع، وخضوع، واِعانتِ مسلمین، وصلابت فی الدین وغیرہا کے لیے شرع میں کوئی خاص ہیئت ووقت وطریق مقرر نہیں، بلکہ اصل اُنہیں رعایتِ اصل مقصود ہے۔

ولہذا اکثر ائمۂ دین وعلمائے راسخین ماورائے عباداتِ محدودہ متعینہ مِن جهة الشرع میں جس ہیئت وطریق کو مقصودِ شرع سے مطابق پاتے ہیں، بلا لحاظ

---

(۱) یہ ''غایۃ الکلام'' کی دلیلِ سوم ہے۔

(۲) اقول: صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

بیانِ شارع، بلکہ بعد علمِ عدمِ بیان بھی پسند فرماتے ہیں، اور مستندینِ مانعین بھی ایسے اُمور کو صفائے قلب وحصولِ برکات ووصولِ قرب کا وسیلہ، اور سلوک میں مفید سمجھ کر اُن کی ترکیبیں لکھتے ہیں، اور باوجود عدمِ ورودِ اُن تراکیب وہیآت کو (کہ مستدِل کے طور پر محدَثات وبدعات ہیں) مریدوں اور متوسلوں کو تعلیم کرتے ہیں۔

اذکار واَشغال وطرقِ اعمالِ طریقۂ نقشبندیہ خصوصاً مجدّدیہ کی نسبت مانعین سے سوال ہے، بدُونِ بیانِ شارع کس طرح جائز ٹھہرے؟! اور جو اُنہیں بھی بدعت وضلالت اور بوجہِ عدمِ بیانِ شارع مکروہ ومعصیت قرار دیں، اور ''قولِ جمیل'' و''ظفرِ جلیل'' سے دست بردار ہو جائیں، تو کیا مولائے طائفہ بانیٔ ملتِ حائفہ کی ''صراطِ مستقیم'' کو بھی راہِ بدعت وطریقِ ضلالت ٹھہرا دیں گے؟!

ثالثاً: بعد تسلیم اس مقدمہ کے کہ: ''غالب توقیف ہے'' کلام اُس عبادت میں ہے جس کی خوبی تو شرع سے ثابت ہوئی، اور اُس کے لیے کوئی ہیئتِ خاصہ مقرر فرما کر اُس میں محدود ومنحصر نہ کردی، ولہٰذا صحابۂ کرام وائمۂ عظام ومشایخ وعلمائے دین ایسی عبادت کو جس طرح اور جس ہیئت کے ساتھ چاہتے بلالحاظِ خصوصِ موارد بجا لاتے، اور دوسرے اُن کے افعال کو پسند کرتے، مکروہ وممنوع نہ ٹھہراتے۔

رابعاً: توقیف کے غلبہ وکثرت سے اُس کی اَصالت بایں معنیٰ لازم نہیں آتی کہ جب تک ہیئت وخصوصیت ہر عبادت کی شرع میں بتصریح ثابت نہ ہو، وہ عبادت جس ہیئت سے کی جائے مکروہ وضلالت ٹھہرے؛ کہ اس تقیید پر کل عمومات واِطلاقات، بلکہ کل احکامِ شرعیہ (کہ طلبِ عبادت میں وارد ہیں) مجمل اور تعمیل اُن کی بیانِ شرع پر موقوف رہے گی، پھر اُن کی کسی ہیئت وخصوصیت کا پتا شرع سے مل گیا، تو

حملِ مطلق کا اُس مقیّد پر واجب، اور حکمِ اِطلاق کا باطل وذاہب، ورنہ وہ مجملات متشابہات اور حسِ شرعی اُن کا بے کار، بلکہ اُن کی طلب طلبِ محال کے قبیل سے ٹھہرے گی، اور سکوت بیان سے عندالحاجت لازم آئے گا، إلى غير ذلك من المفاسد۔

اور یہاں سے ظاہر کہ اسماعیلیہ جو بلفظ زيادة على الدين أو المأثور أو المسنون ولزومِ نسخ معترض ہوتے ہیں، زیادت (۱) ونسخِ شرعی کے معنیٰ نہیں سمجھتے،

---

(۱) اوّلاً: کسی امرِ مستقل کا زائد کرنا اصلاً زیادت مجوث عنہا سے علاقہ نہیں رکھتا، ''مسلّم'' و''فواتح'' میں ہے: زيادة عبادة مستقلّة ليست نسخاً للمزيد عليه، وإن كانت من جنسه؛ فإنّه لا يرفع شيئاً من المزيد عليه، وهو ضروري أولى". ["فواتح الرحموت شرح مسلّم الثبوت"، الأصل الأوّل: الكتاب، باب النسخ، صـ۳۸۲] ''تلویح'' میں ہے: إنّما النزاع في غير المستقلّ. ["التلويح"، الركن الثاني في السنّة، باب البيان، فصل في بيان التبديل وهو النسخ، مسألة لا ينسخ المتواتر بالآحاد، ۸۵/۲] تو مجلس مبارک وغیرہ امورِ متنازع فیہا کہ مستقل اعمال ہیں، کونسی عباداتِ مخصوصہ کا تتمہ وتکملہ بنائے گئے کہ زیادت لازم آئے؟! ولكنّ الوهابيّة قوم يجهلون۔

ثانیاً: بطورِ استحباب، بلکہ وجوب بھی زیادت ہرگز نسخ وزیادتِ مجوث عنہا نہیں، وہ صرف اُس حالت میں ہے کہ کوئی فرض یعنی رکن یا شرط بڑھائیں کہ بے اُس کے اصل کو بے کار بتائیں، ''تنقیح'' میں ہے: الزيادة على النصّ إمّا بزيادة جزء كركعة على ركعتين، أو شرط كالأيمان في الكفّارة اهـ ملخّصاً ["التنقيح"، الركن الثاني في السنّة، باب البيان، فصل في بيان التبديل وهو النسخ، مسألة لا ينسخ المتواتر بالآحاد، ۸۵/۲] ''تلویح'' میں ہے: الزيادة بطريق الوجوب لا يرفع أجزاء الأصل، فلا يكون نسخاً، فلا يمتنع بخلاف الزيادة بطريق الفرضية بمعنى عدم الصحّة بدونها، فإنّها =

= ترفع حكم الكتاب. ["التلويح"، الركن الثاني في السنّة، باب البيان، فصل في بيان التبديل وهو النسخ، مسألة لا ينسخ المتواتر بالآحاد، ۲/۹۱ بتصرّف] ''فتح القدیر'' میں ہے:الزيادة إنّما يلزم على تقدير الافتراض دون الوجوب.["فتح القدير"، كتاب الطهارات، ۱/۲۱ ملخّصاً] تو مجلسِ مبارک وغیرہ کا صرف مستحسن ماننا کیونکر نسخ ہونے لگا؟! اس جہالت کی کوئی حد ہے؟! اعلیٰ حضرت تاج المحققین قدّس سرّہ نے ان دونوں جوابوں کی طرف ان دونوں لفظوں میں اشارہ فرمایا کہ:''مجرّد استحسان امورِ مستقلہ''،فللّٰه درّه قدّس سرّه وأتمّ نوره آمین!۔

ثالثاً: زیادت کہ نسخ ہوتی ہے، اُس کی وجہ یہ کہ مطلق شرعی اپنے اِطلاق پر نہیں رہتا، بعض صور میں محصور ہوا جاتا ہے،''مسلم الثبوت'' میں ہے: إمّا زيادة جزء أو شرط هل هو نسخ؟ فالحنفية نعم! والشافعية والحنابلة لا! لنا أنّ المطلق دلّ على الأجزاء مطلقاً؛ لأنّه كالعام بدلاً، والتقييد ينافيه، فيرفع حكماً شرعياً. ["مسلّم الثبوت"، الأصل الأوّل: الكتاب، باب النسخ، صـ۳۸۲] اب خدارا انصاف! ذکر وشکر وتعظیمِ خدا ورسول جن کے احکام مطلق وارد ہوئے، اُنہیں صرف صورِ واردہ میں محصور ومقصور اور ماورا کو محظور ومہجور ٹھہرا کر تم ہی کتاب اللہ کو نسخ کیے دیتے ہو! اور عاملانِ کتاب اللہ پر الزام رکھتے ہو!۔

رابعاً: اگر یہ زیادت ہو تو جس قدر اعمالِ صالحہ احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں سب باطل، اور (معاذ اللہ) کتاب اللہ کے مُبطِل ہوں جب تک حدیثِ متواتر یا مشہور نہ ہو؛ کہ حنفیہ تو خبرِ واحد سے بھی زیادت کو نسخ مانتے ہیں،''مسلّم'' میں ہے:ولهذا امتنع الزيادة عندنا بخبر الواحد على القاطع كالكتاب. ["مسلّم الثبوت"، الأصل الأوّل :الكتاب، باب النسخ، صـ۳۸۳]۔

خامساً: یہیں سے ظاہر ہوا کہ تعریفِ بدعت میں جو کوششیں کبرائے طائفہ خصوصاً متکلم قنوجی نے کیں، اور جو باتیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قولاً یا فعلاً وَلَو آحاداً، بلکہ صحابہ، بلکہ =

= تابعین، بلکہ قیاساتِ مجتہدین سے ثابت ہوں، سب مقبول وداخلِ سنت مانیں، محض باطل ولا طائل تھیں، زیادت فی الدین نہ حدیثِ آحاد سے ممکن، نہ صحابی یا تابعی کے قول، نہ کسی مجتہد کے قیاس سے، تو بظاہر مجلسِ مبارک پر اعتراض کیا؟ اور حقیقۃً سوا معدود احکامِ قطعیہ کے تمام شریعتِ مطہرہ کا دروازہ بند کردیا ﴿وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [پ۱۹، الشعراء: ۲۲۷]۔

سادساً: لبیک وتشہد واستلامِ ارکانِ کعبہ میں زیادات کہ امیر المؤمنین فاروقِ اعظم، وعبداللہ بن مسعود، وعبداللہ بن عمر، وامامِ حسن، وامامِ حسین، وامیر معاویہ، وعبداللہ بن زبیر، وجابر بن عبداللہ، وانس بن مالک وغیرہم اجلّہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہیں، ان کا کیا جواب ہوگا؟ تمہاری ضلالت پر یہ حضرات بھی (معاذ اللہ) ناسخانِ شریعت واصحابِ ضلالت قرار پائیں گے!

لبیک وتشہد میں زیادت کی حدیثیں عنقریب آتی ہیں، اور ''صحیح بخاری شریف'' میں ہے:عن عمرو بن دينار عن أبي الشعثاء أنّه قال: ومن يتقي شيئاً من البيت وكان معاوية ـرضي اللّٰه تعالى عنه ـ يستلم الأركان الأربعة، فقال له ابن عبّاس رضي اللّٰه تعالى عنهما: إنّه [للحموي والمستملّي كما في نسخة: "لا يستلم" بفتح المثناة "هذَين الركنَين" بالنصب على المفعولية، والضمير في "أنّه" عائد على النّبي صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم، وكذا فاعل "لا يستلم" ضمير يعود عليه صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم اهـ "إرشاد الساري" ["إرشاد الساري شرح صحيح البخاري"، كتاب الحجّ، باب مَن لم يستلم إلّا الركنين اليمانين، ر: ١٦٠٨، ١٤٧/٤]، وروى الترمذي ["جامع الترمذي"، كتاب الحجّ، باب ما جاء في استلام الحجر...إلخ، ر: ٨٥٨، صـ٢١٣] والحاكم من طريق عبداللّٰه بن عثمان بن خثيم عن أبي الطفيل، قال: كنتُ مع ابن عبّاس ومعاوية رضي اللّٰه تعالى عنهم، فكان معاوية لا يمرّ بركن إلّا =

= استمله، فقال ابن عبّاس: إنّ رسول الله ـ صلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ لا يستلم إلّا الحجر واليماني، فقال معاوية: ليس شيء من البيت مهجوراً ـ منه دام ظلّهم العالي] صلّى الله تعالى عليه وسلّم لا يستلم هذَين الركنَين، فقال: ليس شيء من البيت مهجوراً، وكان ابن الزبير ـ رضى الله تعالى عنهما ـ يستلمهنّ كلّهنّ حدّثنا أبو الوليد، ثنا ليث عن ابن شهاب عن سالم بن عبدالله عن أبيه ـ رضي الله تعالى عنهما ـ قال: لم أر النّبي ﷺ يستلم من البيت إلّا الركنَين اليمانيّين ["صحيح البخاري"، كتاب الحجّ، باب مَن لم يستلم إلّا الركنين اليمانين، ر: ١٦٠٨، ١٦٠٩، صـ ٢٦١]۔

دیکھو! حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کے صرف دو رکنِ جنوبی کو مس فرماتے، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چاروں رکن کو مس کیا، جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان دو رکنِ شامی کو مس نہ فرماتے تھے، جواب فرمایا: کعبہ کا کوئی حصہ چھوڑ دینے کا نہیں، عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سکوت فرمایا، اسی طرح عبداللہ بن زبیر چاروں رُکن کو مس فرماتے، یہی گفتگو اُنہیں بھی عبداللہ بن عباس سے پیش آئی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین، رواه الشافعي في "مسنده" عن محمد بن كعب ["مسند الشافعي"، كتاب المناسك، ر: ٥٩٣، صـ ٢٤٠]۔

''عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری'' میں ہے: يستفاد من هذا الحديث مذهبان: الأوّل: مَن يستلم الأركان كلّها وهو مذهب معاوية وعبدالله بن الزبير وجابر بن زيد وعروة بن الزبير وسويد بن غفلة، وقال ابن المنذر: وهو مذهب جابر بن عبدالله والحسن والحسين وأنس بن مالك رضي الله تعالى عنهم ["عمدة القاري"، كتاب الحجّ، باب مَن لم يستلم إلّا الركنين اليمانين، تحت ر: ١٦٠٩، ١٨٥/٧، ١٨٦] =

مجرّد استحسان اُمورِ مستقلّہ سے (کہ عمومِ مندوباتِ شرع میں داخل اور کسی محدودِ شرعی کے منافی ومزاحم نہ ہوں) صرف بجہت عدمِ نقلِ ہیئت وخصوصیتِ خاصہ زیادت ورفع ونسخ لازم آئے، تو صحابہ کرام کی طرف سے اَمثالِ مسئلۂ تلبیہ وغیرہا میں کیا جواب دیا جائے گا؟! یا (العیاذ باللہ) اُنہیں رافعِ سنت ومخالف شریعت کہا جائے گا؟!

خامساً: جس طرح شرع شریف نے بعض عبادات کو بعض ہیآت وخصوصیات کے ساتھ مقیّد ومحدود کر دیا ہے کہ اُنہیں ہیآت سے ادا ہوتی ہیں، تغییر وتبدیل وزیادت ونقص اُن میں روا نہیں، اسی طرح بعض کو مطلق وعام رکھا ہے، کسی ہیئت، ووقت، وحال، وکیفیت، وکمیت، وفرد دُون فرد کے ساتھ محدود ومقیّد نہیں کیا ہے، اُنہیں جس طرح ادا کریں گے (بشرطیکہ اُس خاص شکل کی ممانعت شرع میں نہ ہو) امتثالِ امر حاصل ہوگا، ایسی جگہ شرع کا اِطلاق ہی بتا رہا ہے کہ اُس نے اِجمالاً سب صورتوں کی اجازت دی ہے، اگر بعض میں حصر مقصود ہوتا، مطلق نہ چھوڑا جاتا تو جس طرح کیا جائے گا توقیف ہی پر عمل ہوگا۔

اور جو بعض ہیآت وخصوصیات وافراد وحالات کو بلا دلیلِ شرع (صرف اس قیاس سے کہ شرع میں تصریح اس ہیئت کی نہیں) مانع ہوتا ہے، وہی مسئلہ توقیف کا خلاف اور تحریمِ ما أحل اللہ کرتا ہے، کیا تحریم من عند نفسہٖ خدا پر اِفترا نہیں؟! یا ارشادِ ہدایت بنیاد: ﴿لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا

= **سابعاً:** عنقریب متعدد مسائل مذکور ہوں گے جن سے ثابت کہ: علما نے خود اذکارِ نماز میں غیر مروی الفاظ کی زیادت روا رکھی، ولکنّ الوهابية قوم لا يعقلون، والله المستعان على ما يصفون۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ العالی۔

حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ (۱) قرآن مجید میں پڑھا نہیں؟! اس تقریر پر قضیۂ توقیف کلیہ ہے؛ کہ ہر عبادت کی ہیئت شرع کے بتانے پر موقوف ہے، اپنی رائے کو دخل دینا بے جا ہے، جسے ایک خاص صورت پر محدود و مقصور فرمادیا وہ اُسی کے ساتھ ادا کی جائے، اور جسے باعتبار ہیئت کے مطلق چھوڑا، کسی خاص ہیئت سے محدود اور اُس میں منحصر نہ کیا اُسے مطلق رکھا جائے، تجاوز پہلی صورت میں اور دعویٔ انحصار دوسرے مادّہ میں مخالف حکمِ توقیف ہے۔

یہاں سے شمس واَمس کی طرح ظاہر ہو گیا کہ مسئلہ توقیف ان حضرات کو کچھ نفع نہیں بخشتا، بلکہ ما نحن فیہ میں اُنہیں مضر، اور ہمیں مفید ہے، ذکرِ اقدس حضرتِ رسالت علیہ افضل الصلاۃ والتحیۃ کا حُسن شرع سے بر سبیلِ اِطلاق ثابت، اور شارع نے اُسے کسی صورت کے ساتھ مقید اور اُس میں منحصر نہیں کیا، بلکہ مقصود اُس سے تعظیم واِجلال وادب واکرام ومحبت وعقیدتِ سیدِ اَنام علیہ الصلاۃ والسلام ہے، جس پر مدارِ اسلام ہے، تو جب تک شرع سے کسی خاص صورت کی نہی ثابت نہ ہو حکم مطلقاً (۲) جواز واستحباب ہے۔

---

(۱) پ ١٤، النحل: ١١٦۔

(۲) تذییلِ جلیل: الحمد للہ اعلیٰ حضرت تاج المحققین قدس سرّہ العزیز نے منکرین کے واہمۂ توقیف کو اُس اعلیٰ توفیق سے رد فرمایا جس نے حق کو شمس واَمس سے روشن تر کر دکھایا، فقیر غفرلہ المولی القدیر باستعانتِ روحِ منیر بعض فوائد عوائد اَور زائد کرے، فاقول وباللہ التوفیق: عبادات میں وہ اُمور جن کی طرف عقل کو اہتدا نہیں، مثل تعیینِ اوقات، وعددِ رکعات، وترتیبِ افعال، ووَحدتِ رکوع، وتعددِ سجدات، وتحدیدِ نصاب، ومصرفِ زکوٰۃ، ووقت ومکانِ وقوف ومطاف، =

= وعددِ اشواطِ سعی وطواف وغیرہا قطعاً توقیفی ہیں، یوہیں وہ اوضاع وہیآت کہ شارع نے ایسے اُمور میں محدود ومعیّن فرمائے، اور مجملاتِ کتاب کے بیان واقع ہوئے، جن کی تعیین کی طرف اَمثال: ((صلّوا كما رأيتموني أصلّي)) ["صحيح البخاري"، كتاب الأذان، باب الأذان للمسافرين...إلخ، ر: ٦٣١، صـ ١٠٤] نے اشارہ فرمایا۔

اسی طرح وہ اذکار وافعالِ مخصوصہ کہ اوقاتِ خاصہ پر غایات ومقاصدِ معیّنہ کے لیے علی وجہ التعیین مقرر ہوئے، اور مکلفین اُن کی طرف مطلقات وعمومات سے دعوت نہ کیے گئے، جیسے تکبیرِ تحریمہ، وتحلیلِ نماز، وتشہد، واذان، واقامت وغیرہا، یہی وہ اشیا ہیں جنہیں توقیفی کہا جاتا ہے، ان کے سوا باقی تمام اُمور جن میں نصاً ودلالۃً شرعِ مطہر سے تحدید، وحظر، وتوقیف، وحجر ثابت نہیں، اگرچہ وہ انہیں توقیفیات سے علاقہ رکھتے ہوں، اُن میں بھی توقیف پر توقف نہیں، اگرچہ بوجہ تعلق توقیفی وقوف اَولی ہو، ولہذا دعائے قعدۂ اخیرہ صرف الفاظِ واردہ پر مقصور نہیں، ہر شخص جو چاہے دعا کرسکتا ہے، بعد اس کے کہ کلامِ ناس سے مشابہ نہ ہو۔

اسی طرح عیدَین وغیرہا کے خطبے خصوصاً خطبۂ جمعہ کہ شرطِ صحتِ نماز ہے، ان میں بھی الفاظِ مرویہ پر اقتصار نہیں، یہ صورت چہارم اعنی متعلقات، بلکہ بعض افرادِ صورتِ سوم بھی اَنظارِ مجتہدین کے جولان گاہ ہیں، بعض نے اُن میں کسی کو قسمِ اوّل سے خیال فرمایا، اور وقوف لازم ٹھہرایا، اور بعض نے قسمِ دوم سے سمجھا، اور رخصت کا حکم بتایا، ورنہ نہ قسمِ اوّل میں اِرسال واِطلاق معقول، نہ دوم میں، جہاں شرع نے اِطلاق کو کام فرمایا، تحدید وتقیید مقبول، ہاں! کسی سنتِ ثابتہ کو اُٹھا دینا، کوئی نیا امرِ مزاحم ومراغمِ سنت پیدا کرنا کسی حال رَوا نہیں۔ ذکر وشکر وتعظیمِ خدا ورسول جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے شک اجل عبادات سے ہیں، مگر شرعِ مطہر نے ہرگز انہیں کسی وقت وہیئتِ خاص پر مقیّد ومحصور نہ فرمادیا، بلکہ اُن کی طرف اِطلاقات وعمومات سے بلایا، اور اُن میں مرادِ شرع تنویع، وتکثیر، وتوسیع، وتوفیر ہی ہے، نہ تقلیل وتحدید وتضییق وتقیید، تو اُنہیں بند ومحدود کرنا ہی مقصودِ شرع کے خلاف، اور مرادِ شارع سے تضاد واختلاف ہے، ولکنّ =

= الوهابيّة قوم يفرّقون۔

اب میں خاص عباداتِ توقیفیہ کے متعلقات سے چند مسائل شمار کروں کہ علمانے وفاقاً، یا اُسی مجالِ اَنظار کے طور پر خود اُن میں کہاں تک وسعتیں دیں، اور خود متعلقاتِ توقیفیات کو توقیفی نہ مانا، جس سے بحمد اللہ تعالیٰ ان حضرات کے ادّعائے توقیف کا بھی بھرم کھلے، اور ہر جگہ مجرّد عدمِ ورود پر ''بدعت بدعت''، ''ضلالت ضلالت'' بَرا اُٹھنے کا بھی در با جائے، وباللہ التوفیق۔

مسئلۂ اُولیٰ: یہی مسئلۂ تلبیہ جس کا ذکر متن میں ارشاد ہوا، ''صحیحین'' میں ہے: عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تلبیہ روایت کرتے اور فرماتے: هذه تلبية رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم، یہ لبیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے، لا يزيد على هؤلاء الكلمات. ["صحيح بخاري"، كتاب اللباس، باب التلبيد، ر: ٥٩١٥، صـ١٠٣٨، و"صحيح مسلم"، كتاب الحجّ، باب التلبية وصفتها ووقتها، ر: ٢٨١٢ و٢٨١٤، صـ٤٨٩]، حضور ان کلمات پر کچھ زیادہ نہ فرماتے۔ ''صحیح مسلم'' میں ہے: پھر ابنِ عمر خود اُس پر بہت کلمات بڑھاتے ["صحيح مسلم"، كتاب الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، ر: ٢٨١١، صـ٤٨٩]۔ اُسی ["صحيح مسلم"، كتاب الحج، باب التلبية وصفتها ووقتها، ر:٢٨١٤، صـ٤٨٩] میں ہے: امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تلبیہ کہہ کر اَور کلمات اضافہ کرتے۔ ''مسندِ اسحاق بن راہویہ'' میں ہے: عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ لبیک میں یہ لفظ بڑھاتے: لبّيك عدد التراب. [انظر: "السنن الكبرى"، كتاب الحجّ، باب من فصل بين الصلاتين بتطوّع...إلخ، ١٢١/٥ بتصرّف]۔

مسئلۂ ثانیہ: ''سننِ ابی داود'' میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے التحیات کے الفاظ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، اور فرماتے ہیں: زدت فيها =

= "وبركاته" ["سنن أبي داود"، كتاب الصّلاة، باب التشهّد، ر: ۹۷۱، صـ ۱٤۷، ۱٤۸]، اس میں "وبركاته" کا لفظ میں نے بڑھادیا ہے۔ جب "أشهد أن لا إله إلاّ اللّٰه" پر پہنچتے فرماتے: زدت فيها "وحده لا شريك له" ["سنن أبي داود"، كتاب الصّلاة، باب التشهّد، ر: ۹۷۱، صـ ۱٤۸] یہاں "وحده لا شريك له" میں نے زائد کیا ہے۔ یہ ابنِ عمرو ہیں جن کا اتباعِ سنت میں شغفِ تام شہرۂ عام ہے، یہاں تک کہ اگر سفر میں حضور پُر نور سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کسی منزل میں نزول فرمایا، انہیں اُترنا ضرور، اگرچہ ضرورت نہ ہو، حتّٰی کہ جہاں اُتر کر حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیشاب فرمایا، اُنہیں وہاں اس انداز پر بیٹھ جانا اگرچہ حاجت نہ ہو، ان کی وہ روایات تو منکِر صاحبوں کو سوجھیں جن میں اُنہوں نے اِفادۂ مسئلہ و اِزالۂ وہمِ سنّیت کے لیے کچھ ارشاد فرمایا، جیسے ترمذی کی حدیث کہ ایک شخص نے چھینک پر الحمد للّٰه والسّلام على رسول اللّٰه کہا، فرمایا: میں بھی کہتا ہوں: الحمد للّٰه والسّلام على رسول اللّٰه، مگر چھینک پر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں نہ سکھایا، بلکہ ((الحمد للّٰه على كلّ حال)) ["جامع الترمذي"، أبواب الأدب، باب ما يقول العاطس...إلخ، ر: ۲۷۳۸، صـ ٦۲۰] تعلیم فرمایا، اور اِنہیں کی یہ حدیثیں نہ سوجھیں جن سے آنکھیں کھلتیں۔

مسئلۂ ثالثہ: ''حلبہ شرحِ منیہ'' ["الحلبة"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۲/ق۸۸ بتصرّف] و ''بحر الرائق'' میں ہے: لو قيل: "بحمدك" بلا حرف العطف، كان جائزاً صواباً، كما روي عن أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالى؛ لأنّه لا يخل بالمقصود ["البحر الرائق"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصلاة، فصل إذا أراد...إلخ، ۱/٥٤۰ بتغيّر]، اگر "سبحانك اللّٰهم وبحمدك" میں حرفِ عطف نہ پڑھے، جائز وحق ہے، جیسا کہ حضرت امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہوا؛ کہ اس سے مقصود میں کچھ خلل نہیں آتا۔=

= مسئلۂ رابعہ: علما نے تصریح فرمائی کہ: "سبحانك اللّٰهم" ثنائے نماز میں "وجلّ ثناؤك" مروی نہ ہوا، مگر کہے تو حرج نہیں؛ کہ آخر ثنا ہے، وہ گھٹاتا تھا، یہ بڑھاتا ہے۔ ''منیہ'' میں ہے: إن زاد "جلّ ثناؤك" لا يمنع، وإن سكت لا يؤمر به۔ ["منية المصلّي"، كتاب الصّلاة، فصل في صفة الصّلاة، صـ۱۷۶] ''حلبہ'' میں ہے: كذا ذكره الحلوائي عن مشايخنا، فلا جرم أنّ في "الكافي": ولم يذكر "وجلّ ثناؤك"؛ لأنّه لم ينقل في المشاهير، قالوا: ولو سكت عنه لم يؤمر به، ولو قال: لم يمنع منه ["الكافي"، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ۱/ق۶۵] انتهى۔ أقول: كونه لا يؤمر به ظاهر؛ لأنّه لم يذكر في خصوص هذا الثناء في الصّلاة، ومن وقف عند المروي في مثله لا يؤمر بالزيادة عليه بما لم يرد فيه، وأمّا كونه لا يمنع؛ فلأنّه ثناء حسن على اللّٰه تعالى، ليس في ذكره ما يخل في الصّلاة اهـ مختصراً ["الحلبة"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۲/ق۸۹]۔

مسئلۂ خامسہ: فرض کی پچھلی رکعتوں میں سورت ملانا سنت سے ثابت نہیں، علما فرماتے ہیں: ملالے گا تو حرج نہیں۔ ''درِّ مختار'' میں ہے: اكتفى المفترض فيما بعد الأوليَين بالفاتحة؛ فإنّها سنّة على الظاهر، ولو زاد لا بأس به ["الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۳/۳۶۹] ''ردّ المحتار'' میں ہے: أي: لو ضمّ إليها سورة لا بأس به؛ لأنّ القراء ة في الأخريَين مشروعة من غير تقدير، والاقتصار على الفاتحة مسنون، لا واجب، فكان الضمّ خلاف الأولى، وذلك لا ينافي المشروعيّة والإباحة...إلخ ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: مهمّ في عقد الأصابع عند التشهّد، ۳/۳۶۹، ۳۷۰]۔

مسئلۂ سادسہ: امام ابو یوسف نے سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے عرض کی: کیا فرضوں میں رکوع سے سر اُٹھا کر "اللّٰهم اغفرلي" کہے؟ حضرت امام الائمہ نے اس پر اتنا بھی نہ فرمایا کہ نہ کہے، نہ کہ (معاذ اللہ) وہابی صاحبوں کی طرح یہ ہولناک دعوے کہ بدعت ہے، =

= ضلالت ہے، حرمت ہے، ممانعت ہے، ایمانِ ''تقویۃ الایمان'' پر اصلِ ایمان میں کھنڈت ہے، بلکہ صرف اسی قدر فرمایا کہ: "ربّنا لك الحمد" کہے، اور خاموش رہے، جس سے ظاہر ہوگیا کہ یہاں ذکر مسنون اس قدر ہے، ائمہ فرماتے ہیں کہ یہ امام کا حُسنِ ادب ہے کہ استغفار سے منع نہ فرمایا؛ کہ اُس سے منع کرنا قبیح ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں: بلکہ اُس میں جواز کی طرف اشارہ ہے؛ کہ ناجائز ہوتا تو منع فرماتے ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، ۳۴۹/۳]۔ ''جامعِ صغیر'' میں ہے: قال أبو يوسف: سألت أبا حنيفة عن الرجل يرفع رأسه من الركوع في الفريضة، أيقول: "اللّٰهم اغفرلي"؟ قال: يقول: "ربّنا لك الحمد"، ويسكت ["الجامع الصغير"، كتاب الصّلاة، باب في تكبير الركوع والسجود، صـ۸۸]۔ ''حلیہ'' میں ہے: قال قاضي خان وغيره: أطرف أبو حنيفة في العبارة حيث لم يقل: لا؛ لأنّ النهي عن الاستغفار قبيح، لكن بين ما يستحبّ له أن يقول ["الحلبة"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۲/ق ۱۱۱ بتغيّر]۔ ''ردّالمحتار'' میں ہے: قد أحسن في الجواب؛ إذ لم ينه عن الاستغفار۔ "نهر" ["النهر الفائق"، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، ۲۱۸/۱] أقول: بل فيه إشارة إلى أنّه غير مكروه؛ إذ لو كان مكروهاً لنهى عنه، كما ينهى عن القراء ة في الركوع والسجود، وعدم كونه مسنوناً لا ينافي الجواز كالتسمية بين الفاتحة والسورة...إلخ ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في إطالة الركوع للجائي، ۳۴۹/۳ بتصرّف]۔

مسئلۂ سابعہ: ''صحیحین'' ["صحيح مسلم"، كتاب الصّلاة، باب الصّلاة على النّبي صلّى اللّٰه عليه وآله وسلّم، ر:۹۱۱، صـ۱۷۳، و"صحيح البخاري"، كتاب أحاديث الأنبياء، [باب ۱۰]، ر: ۳۳۶۹، صـ۵٦٤]، وغیرہما جملہ کتب رضی اللہ عنہ جامع = =

الترمذي"، أبواب الوتر، باب ما جاء في صفة الصلاة على النبيﷺ، ر: ٤٨٣، صـ١٢٨، و"سنن أبي داود"، كتاب الصلاة، باب الصلاة على النبيﷺ بعد التشهّد، ر: ٩٧٦، صـ١٤٨، و"سنن النسائي"، كتاب السهو، باب كيف الصلاة على النبيﷺ، ر: ١٢٨٢، الجزء الثالث، صـ٤٧، و"سنن ابن ماجة"، كتاب إقامة الصلاة والسنّة فيها، باب الصلاة على النبيﷺ، ر: ٩٠٣، صـ٥٦ انہیں میں ہے: جب حضور سے عرض کی گئی: يارسول اللّٰہ! كيف نصلّي عليك؟ یا رسول اللہ! حضور پر درود کس طرح بھیجیں؟ ارشاد ہوا: ((قولوا: اللّٰهم صلّي على محمّد)) "یوں کہو: اللّٰهمّ صلّي على محمّد"۔ یہ خاص سوالِ طریقہ پر تعلیم ہے، اور اصلاً کسی روایت میں سیّدنا کا لفظ نہیں، بایں ہمہ علما تصریح فرماتے ہیں کہ نامِ پاک کے ساتھ سیّدنا رحمہم اللہ "الدلائل" میں شیخ الدلائل سے ہے: ایک ترکی قرأتِ "دلائل" میں نامِ اقدس کے ساتھ "سیّدنا" نہ کہتا، شیخ نے نصیحت کی اُس نے کہا: کتاب میں کہاں ہے؟ میں کتاب کے خلاف نہ کہوں گا، رات کو ترکی نے امیر المؤمنین عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ اُس کے پیٹ پر خنجر رکھ دیا، اور فرماتے ہیں: تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "سیدنا" نہ کہے گا حالانکہ حضور سید العالمین ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! ترکی تائب ہوا۔ منہ دامت برکاتہم بڑھانا چاہیے کہ عینِ ادب اور افضل و مستحب ہے۔

"درِ مختار" پھر "فتح اللہ المعین حواشی الکنز" للعلامۃ السید ابی السعود الازہری میں ہے: ندب السيادة؛ لأنّ زيادة الأخبار بالواقع عين سلوك الأدب، فهو أفضل من تركه ["الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ٣/٣٧٦]۔ محشّینِ کرام ساداتِ ثلاثہ ابراہیم حلبی و احمد طحطاوی و محمد شامی فرماتے ہیں: یوہیں نامِ پاک ابراہیم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ "سیّدنا" زیادہ کرے۔ اوّلین نے فرمایا: ظاهر الشرح طلبها في نبيّنا وأبيه الخليل لاشتراكهما فيها، ولا يخفى أنّ هذه الزيادة مستحبّة ["تحفة =

= الأخيار"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، صـ٦٨ ملخّصاً، و"حاشية الطحطاوي"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۲۲٦/۱ ملتقطاً]، ثالث نے فرمایا: التحیات کا حکم یہاں جاری نہیں؛ فإنّ الصّلاة زائدة على التشهّد، ليست منه، نعم، ينبغي على هذا عدم ذكرها في "أشهد أنّ محمّداً عبده ورسوله"، وأنّه يأتي بها مع إبراهيم عليه الصّلاة والسّلام ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب في جواز الترحّم على النّبي ﷺ ابتداء، ۳۷۸/۳]۔

علامہ احمد بن محمد بن عطاء اللہ تاج الدین اسکندرانی نے ''مفتاح الفلاح'' میں اس زیادت کے ترک کی سخت ممانعت کی اور فرمایا: جو اس عبادت کا التزام رکھے گا اُس پر اُس کا راز ظاہر ہوگا۔ ''مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات'' میں ہے: الصحيح جواز الإتيان بلفظ السيّد والمولى ونحوهما ممّا يقتضي التشريف والتوقير والتعظيم في الصّلاة على سيّدنا محمّد صلّى الله تعالى عليه وسلّم، وإيثار ذلك على تركه، ويقال في الصّلاة وغيرها إلّا حيث تعبّد بلفظ ما روي فيقتصر على ما تعبّد به، أو في الرواية فيؤتى بها على وجهها، وقال البرزلي: ولا خلاف أنّ كلّ ما تقتضي التشريف والتوقير والتعظيم في حقّه -عليه الصّلاة والسّلام- أنّه يقال بألفاظ مختلفة حتّى بلغها ابن العربي مئة فأكثر، وقال صاحب "مفتاح الفلاح": وإيّاك أن تترك لفظ السيادة؛ ففيه سرّ يظهر لمَن لازم هذه العبادة ["مطالع المسرّات"، فصل في كيفية الصّلاة على النّبي صلّى الله عليه وسلّم، صـ۱۷۰]۔

مسئلۂ ثامنہ: علما فرماتے ہیں: درودِ نماز میں "إنّك حميد مجيد" سے پہلے لفظ "ربّنا" کسی حدیث میں نہ آیا، مگر زیادہ کرے تو حرج نہیں؛ کہ آخر ذکرِ خداوند ودعا ہے۔ ''منیہ'' و''غنیہ'' میں ہے: (لا يقول) بعد قوله: (في العالمين ربّنا إنّك حميد مجيد)؛ لعدم وروده في الأحاديث (و لو قال:) ذلك (لا بأس به)، أي: لا يكره؛ إذ هو زيادة نداء للّٰه =

= تعالى، ولا ضررَ له، ولا تغيير فيه للمعنى، وإن كان الأولى تركه لعدم الورود۔

["غنية المتملّي"، صفة الصّلاة، صـ۳۳٦]۔

مسئلۂ تاسعہ: امرِ روایت کس قدر محلِ شدت احتیاط ہے، اُس میں کسی ایسی چیز کی زیادت جس کا اصل میں پتا نہیں اصلاً روا نہیں، مگر تعظیمِ خدا ورسول و بندگانِ مقبول جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم وہ عظیم شے ہے کہ ائمۂ دین نے تصریح فرمائی: نامِ اقدس حضرت عزّت عزّ جلالہٗ کے ساتھ عزّ وجل، نامِ پاک حضور پُر نور صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ کے ساتھ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اسمائے طیبہ اہلِ بیتِ کرام وصحابۂ عظام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وامثال ذلک ضرور پڑھے، اگرچہ روایت میں نہ ہو، نقل کتبِ حدیث وغیرہ میں ضرور بڑھا دے، اگرچہ اصل میں نہ ہو، نامِ پاک کے ساتھ پورا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکھے (نہ سفیہوں، جاہلوں، محروموں، کسل مندوں کی طرح ؐ یا عم یا صلعم یا صللم وغیرہ مہملاتِ الٓم غلّم) اور فرماتے ہیں: جو اس سے غافل رہا خیرِ عظیم وفضلِ جسیم سے محروم ہوا، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

امامِ اجل ابو زکریا نووی رحمہ اللہ تعالیٰ مقدمہ ''شرح صحیح مسلم'' میں فرماتے ہیں:

يستحبّ لكاتب الحديث إذا مرّ بذكر الله -عزّ وجلّ- أن يكتب عزّ وجلّ، أو تعالى، أو سبحانه وتعالى، أو تبارك وتعالى، أو جلّ ذكره، أو تبارك اسمه، أو جلّت عظمته، أو ما أشبه ذلك، وكذلك يكتب عند ذكر النّبي -صلّى الله تعالى عليه وسلّم- صلّى الله تعالى عليه وسلّم بكمالها، لا رامزاً إليهما، ولا مقتصراً على أحدهما، وكذلك يقول في الصحابي: رضي الله تعالى عنه، وإن كان صحابيًا ابن صحابي قال: رضي الله تعالى عنهما، وكذلك يترضّى ويترحّم على سائر العلماء والأخيار، ويكتب كلّ هذا وإن لم يكن مكتوباً في الأصل الذي ينقل منه، فإنّ هذا ليس روايته، وإنّما هو دعاء وينبغي للقارئ أن يقرأ كلّ ما ذكرناه وإن لم يكن مذكوراً في الأصل الذي =

= يقرأ منه، ولا يسأم مَن تكرّر ذلك، ومَن أغفل هذا حرم خيراً عظيماً، وفوّت فضلاً جسيماً. ["شرح صحيح مسلم"، مقدّمة، فصل، الجزء الأوّل، صـ۳۹]۔

مسئلۂ عاشرہ: منافعِ خاصہ کے لیے اذکارِ مخصوصہ جو ارشاد ہوئے اُن میں تغییر تبدیل کی گنجائش نہیں کہ وہ برکات اُنھیں الفاظِ کریمہ ونظمِ معیّن سے وابستہ ہیں، ولہٰذا جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک دعا تعلیم فرمائی کہ سوتے وقت باوضو دَہنی کروٹ پر لیٹ کر پڑھیں، پھر بات نہ کریں، اور فرمایا: ((فإن متّ من ليلتك متّ وأنت على الفطرة))، ''اس رات مرو گے تو اسلام پر مرو گے''، اُس کے آخر میں یہ کلمات تھے: ((آمنت بكتابك الذي أنزلتَ، وبنبيّك الذي أرسلتَ)) براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یاد کرنے کو حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حضور میں اُس کا اِعادہ کیا بجائے ((بنبيّك الذي أرسلتَ)) زبان سے "برسولك الذي أرسلتَ" نکلا، حضور نے فوراً روک دیا، اور فرمایا: یوں کہہ: ((بنبيّك الذي أرسلتَ)) ["صحيح مسلم"، كتاب الذكر و الدعاء، باب الدعاء عند النوم، ر: ٦٨٨٢، صـ١١٧٧، ١١٧٨]۔

امام نووی ''شرح صحیح مسلم'' میں زیرِ حدیث مذکور فرماتے ہیں: اختار المارذي وغيره أنّ سبب الإنكار أنّ هذا ذكر ودعاء، فينبغي فيه الاقتصار على اللفظ الوارد بحروفه، وقد يتعلّق الجزاء بتلك الحروف، ولعلّه أوحي إليه ـصلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ بهذه الكلمات، فيتعيّن أداؤها بحروفها، وهذا القول حسن ["شرح صحيح مسلم"، كتاب الذكر و الدعاء، باب الدعاء عند النوم، تحت ر: ٦٨٨٢، الجزء السابع العشر، صـ۳۳]۔

بالجملہ ائمہ فرماتے ہیں: جن ادعیۂ قضائے حاجت وغیرہا میں سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نام پاک لے کر ندا آئی ہو جیسے حدیثِ صحیح: ((يا محمّد! إنّي أتوجّه بك إلى ربّي)) ["المستدرَك"، كتاب الدعاء والتكبير، ر: ۱۹۳۰، ۷۳۶/۲]، یارسول اللہ! میں حضور =

= کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف توجہ کرتا ہوں۔ وہاں چاہیے کہ نامِ پاک کی جگہ یا رسول اللّٰہ! یا نبیّ اللّٰہ! وغیرہ صفاتِ کریمہ والقابِ عظیمہ کے ساتھ حضور کو ندا کرے؛ کہ نامِ پاک لے کر پکارنا بحکمِ قرآنِ عظیم منع ہے[پ۱۸، النور: ٦٣] ۔

امام ابنِ حجر فرماتے ہیں: بلکہ یہ تبدیل واجب ولازم ہے ["الجوهر المنظّم"، الفصل السابع فيما ينبغي فعله في المسجد النبوي، صـ٥٣، ٥٤ بتصرّف]۔ امام قسطلانی ''مواہبِ لدنیہ'' میں فرماتے ہیں: قال الشيخ زين الدين المراغي وغيره: والأولى أن ينادي: يارسول الله! وإن كانت الرواية ((يا محمدا)) انتهى، وقد نبّهت على ذلك مع مزيد بيان في كتاب "لوامع الأنوار في الأدعيّة والأذكار" ["المواهب اللدنية"، المقصد العاشر، الفصل الثاني في زيارة قبره الشريف...إلخ، ١٢/٢٠٠، ٢٠١]۔

علامہ شہاب خفاجی ''نسیم الریاض شرحِ شفائے قاضی عیاض'' میں زیرِ حدیث: ابن أبي فديك مَن وقف عند قبر النّبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم، وقال هذه الآية: ﴿إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ﴾ ...الآية [پ٢٢، الأحزاب: ٥٦]، ثمّ قال: صلّى الله عليك يامحمّد! سبعين مرّة ناداه ملك: صلّى الله عليك يا فلان!، ولم تسقط له حاجة ۔ ''درِ منظّم'' سے نقل فرماتے ہیں: لا دليل فيه لجواز ندائه ـصلّى الله تعالى عليه وسلّمـ باسمه، فقد صرّح أئمّتنا بحرمة ذلك؛ لما في النداء بالاسم من ترك التعظيم؛ إذ مثله يقع من بعضنا لبعض قال أئمّتنا: وإنّما ينادي بنحو يا نبي الله! يا رسول الله!، فقول الزين المراغي رحمه الله تعالى: الأولى لمَن عمل بالأثر أن يقول: يا رسول الله!، وهم بل الصواب أنّ ذلك واجب، لا أولى، انتهى اهـ باختصار ["نسيم الرياض"، القسم الثاني فيما يجب على الأنام من حقوقه صلّى الله تعالى عليه وسلّم، ١٠٣/٥]۔ =

= بات یہ ہے کہ یہ باتیں وہ سمجھتے ہیں جو اللہ ورسول کی ثناء وتعظیم کی قدر جانتے ہیں، وہابیہ کہ اس دولت سے محروم ہیں ناچار محبوباتِ شرع کو اپنے مذہب ناپاک کی طرح بدعت مانتے ہیں۔

فائدہ: امام محقق علی الاطلاق محمد بن الھمام نے ''فتح'' میں تلبیہ وتشہد کے فرق میں کہ اوّل پر زیادت جائز، دوم پر ناجائز ارشاد فرمایا: بخلاف التشهّد؛ لأنّه في حرمة الصّلاة، والصّلاة يتقيّد فيها بالوارد؛ لأنّها لم تجعل شرعاً كحالة عدمها، ولذا قلنا: يكره تكراره بعينه، حتّى إذا كان التشهّد الثاني قلنا: لا تكره الزيادة بالمأثور؛ [أقول: احترز به عمّا يشبه كلام النّاس، وأراد ما لم يرد في هذه الخصوص، وإلّا لم تكن زيادة كما لا يخفى۔ منه دام فيوضه] لأنّه أطلق فيه من قِبل الشارع نظراً إلى فراغ أعمالها ["فتح القدير" ، كتاب الحج، باب الإحرام، ۲/۳٤۳]۔

دیکھیے! کیسی صریح تصریح ہے کہ توقیف صرف اُن افعال سے مخصوص جو وسطِ نماز میں واقع ہیں، یہاں تک کہ تشہدِ ثانی پر زیادت جائز، اگرچہ ابھی سلام نہ پھیرا؛ کہ اب اعمالِ نماز ختم ہو گئے۔

وہابیہ کی جہالت کہ مطلق ذکر و تعظیمِ خدا اور رسول جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مقیّد بتوقیف کیے دیتے ہیں، اور بڑھ کر سنیے! علامہ اکمل الدین بابرتی ''عنایہ شرح ہدایہ'' مبحثِ مذکور میں فرماتے ہیں: الجواب عن التشهّد والأذان أنّ التشهّد في تعليمه زيادة التأكيد، قال ابن مسعود رضي الله تعالى عنه: كان رسول الله ـ صلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ يعلّمنا التشهّد كما يعلّمنا السورة من القرآن، فالزيادة تخلّ به بخلاف التلبية؛ لأنّها للثناء من غير تأكيد في تعليم نظمه، فلا تخلّ بها الزيادة، والأذان للإعلام، وقد صار معروفاً بهذه الكلمات، فلا يبقى إعلاماً بغيرها۔

["العناية"، كتاب الحجّ، باب الإحرام، ۲/۳٤۲]۔ =

نواں مغالطہ جسے متکلم قنوجی اس عبارت سے لکھتے ہیں: ''چون علما از ابتدائے ایجادِ این عمل تا ایندم مختلف اند در بدعت ومباح بودنش پس این عمل متردّد بین البدعۃ والمباح باشد، وعلما تصریح کردہ اند کہ چون امر متردّد شود در بدعت وسنت واجب الترک بود، پس چہ جائے آنکہ متردّد شود در بدعت ومباح وما ھو واجب الترک فادناہ مکروہ''۔

اقول: ایک بات بھی صحیح نہیں، نہ زمانۂ ایجاد مولِد میں کسی عالم سے انکار ثابت، بلکہ جس زمانے میں علماء ومشائخ نے اس فعل کو پسند کیا، اور اُس میں شریک ہوئے، فاکہانی وغیرہ مانعین پیدا بھی نہ ہوئے تھے، اور بعد اتفاق کے انکار فاکہانی وغیرہ کا قابلِ اِلتفات نہیں، اور نہ ایک دو شخص کے خلاف سے اختلاف متحقق ہو، ورنہ کمتر کوئی مسئلہ اختلاف سے محفوظ رہے گا، اور ہزاروں افعال جن کے استحسان واِباحت پر مانعین بھی متفق ہیں متردّد فیہا واجب الترک ٹھہریں گے، اور بے شمار اشیا

= ان امامِ اجل نے تو آپ کے ادّعائے اَصالتِ توقیف کا جھگڑا ہی کاٹ دیا، وہ صراحۃً ارشاد فرماتے ہیں کہ اذان وتشہد پر زیادت جو ناروا ہوئی اس کی وجہ یہ ہے کہ دلیلِ شرعی اُن کی تحدید پر قائم ہے، تشہد نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو اُس اہتمام سے سکھایا جس طرح قرآنِ مجید کی سورت، تو معلوم ہوا بعینہٖ یہ نظم منظور ہے، اور اذان اِعلامِ نماز کے لیے اِنھیں الفاظ سے معروف ہوگئی، اگر لفظ بدلے جائیں کم وبیش ہوں، تو کوئی اُسے اذان نہ سمجھے گا، اور مقصودِ اِعلام حاصل نہ ہوگا۔ یہ وجوہ ان میں باعثِ تحدید ہیں، تلبیہ میں اس قسم کی کوئی وجہ ثابت نہیں، اُس سے ثنائے الٰہی مقصود ہے، تو جس طرح ثنا حاصل ہوا ادا ہو جائے گی، اس سے صاف ثابت کہ اذکار ونحوہا میں اصل عدمِ توقیف ہے، جب تک توقیف پر دلیل نہ ہو ہرگز محدود نہ رکھیں گے، اب اپنی دلیلِ ذلیل کی خبریں کہیے۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ العالی۔

جو باتفاقِ فریقین حلال ہیں، مکروہ وحرام ہو جائیں گی، ایک قولِ شاذ مخالف (۱) جمہور،

(۱) ظلمِ قنوجی: مسلمانو! اس سخت تعصب کو دیکھو! اس اکبر متکلمینِ طائفہ کو اپنی کتاب ''تفہیم المسائل'' میں صاف اعتراف ہے کہ جمہور علما استحسان مجلسِ مبارک کے قائل ہیں، صرف بعض کو خلاف ہے، اگر چہ بکمال حیاداری وہاں اس زخم بہ ناشدنی پر یوں پٹی چڑھائی کہ ''مارا نظر بر قوت دلیل باید نہ بر کثرتِ اقوال'' ص ۱۷۔ جی آپ ایسے ہی تیرہویں صدی کے مجتہد زادے ہیں! آپ کو اتباعِ جمہور کیا ضرور؟!

ظلم دوم: اس سے بڑھ کر حیف وستم دیکھیے! مسئلہ استعانت باَولیائے کرام میں جو عبارت حضرت شیخ محقق دہلوی میں ایک جگہ یہ لفظ واقع ہوگیا: ''منکر شدہ اند انرا بسیارے از فقہا'' اُس پر حضرت اسی ''تفہیم'' میں کیا کیا اُچھلے ہیں کہ جماعتِ کثیر کا اتباع واجب ہے، لازم ہے، حدیثوں سے ثابت ہے کہ جو جمہور کا خلاف کرے گا جہنم میں جائے گا، اُس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی، ص ۶۱ و ۶۲ ''پُر ظاہر کہ کثرت مرجح ست چہ اتباع عامہ فقہا واجب ست قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ تعالی علیه وسلّم: ((اتّبعوا السواد الأعظم؛ فإنّه مَن شذّ شذّ في النّار)) ["مشكاة المصابيح"، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنّة، الفصل الثاني، ر: ۱۷٤، ۱/۹۷ بتغيّر]، وقال صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم: ((مَن فارق الجماعة شبراً، فقد خلع رقبة الإسلام من عنقه)) ["مشكاة المصابيح"، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنّة، الفصل الثالث، ر: ۱۸٥، ۱/۱۰۰]، شیخ عبد الحق در ترجمۂ مشکوۃ می نویسد اشارست بآنکہ معتبر اتباع اکثر وجمہور ست، پس صاف واضح شد کہ اتباع کثیر لازم، اھ ملخصاً'' ["أشعّة اللمعات"، كتاب الإيمان، باب الاعتصام بالكتاب والسنّة، الفصل الثالث، ۱/۱٥۷]۔

حالانکہ حضرت شیخ نے اس کتاب میں دوسری جگہ یعنی کتاب الجہاد میں یوں فرمایا تھا: ''منکر شدہ اند آنرا بعض فقہا'' ["أشعّة اللمعات"، كتاب الجهاد، باب حكم الإسراء، =

وہ بھی مضطرب ومخدوش بمقابلہ جماعت وسوادِ اعظمِ اُمت پیش کرنا، اور اُسے ذریعۂ تردّد ٹھہرانا، پھر اُس کا نام اختلاف رکھنا شیوہ اہل بدعت واَہوا کا ہے، بلکہ جب انکار انعدامِ اصل پر مبنی تھا، بعد ثبوتِ اصل کے کان لم یکن ہوگیا، اختلاف کہاں؟! اور مقابلہ کیا؟!

= الفصل الأوّل، ۳/۴۲۲] اور آخرِ کلام میں اُن کا پتا بھی صاف بتادیا تھا کہ وہ منکرین اس زمانے کے نو پیدا شدہ کٹھ ملا ہیں، نہ کہ (معاذ اللہ) سلفِ صالح کے ائمۂ ہدیٰ، حیث قال: ''کلام درین مقام بجد اطناب وتطویل کشید برزعمِ منکران کہ در قرب این زمان فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد واستعانت را از اولیائے خدا...الخ'' ["أشعة اللمعات"، کتاب الجهاد، باب حکم الإسراء، الفصل الأوّل، ۳/ ۴۲۳] اور اُن کا ردِ بلیغ فرمایا، اور اُنہیں منکر ومتعصب ونامعتقدِ اولیا بتایا، یہاں جو مجلسِ مبارک کی باری آئی اب نہ اتباعِ جمہور واکثر کا وجوب یاد رہا! نہ جہنم میں جانے کا اندیشہ آیا! نہ اسلام کی رسی گردن سے نکال دینے کا کچھ غم کھایا! شرم! شرم! شرم!

ظلمِ سوم: وہاں حیا کا پارا گرمی تعصب سے اوّل نمبر پر ہے، ص ۲۶ پر ''قولِ معتمد'' مجہول ونامعتمد کے نام سے یہ عبارت گڑھ دی: قد اتّفق علماء المذاهب الأربعة بذمّ العمل، چاروں مذہب کے علما (معاذ اللہ) اس عملِ مبارک کی مذمت پر متفق ہیں ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّآ إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾! [پ۲، البقرة: ۱۵۶] اب وہ خلاف واختلاف سب بالائے طاق! بنا بنایا سب کا اتفاق! بھلا بہادر ہو تو اتنا تو ہو! غرض کہ دین اپنے گھر کا ہے، جب جیسی چاہی بنالی! مسلمانو دیکھا! اپنا مذہب پالنے کے لیے ان کے بڑے بڑوں کی یہ کوتک ہیں، والعیاذ باللہ ربّ العالمین۔

ع مذہب معلوم واہل مذہب معلوم — حضرت عالمِ اہلسنّت مدظلہٗ۔

اور بعض علما کی طرف نسبت ممانعت کی محض غلط، بعض کا مطلب مانعینِ عصر مطلق نہ سمجھے، بعض کا وجود عالم میں ثابت نہ کر سکے، اور ''قولِ معتمد'' جیسی غیر معتمد کتاب سے استناد بمقابلہ ''سیرتِ شامی'' اور اسی طرح ''شرعۃ الٰہیہ'' و''ذخیرۃ السالکین'' وغیرہ کا بمقابلہ اس ثبوتِ کامل کے نام لینا نری جرأت ویباکی ہے، اور اس عملِ مبارک کو باوصف اس کے کہ جملہ قائلینِ استحباب واستحسان کی تصریح کرتے رہے، اُن کے طور پر صرف مباح ٹھہرانا اِفتراء پردازی ہے۔

اور حوالہ ابن الہمام (۱) اِثباتِ قاعدہ کے لیے کھلی کارسازی ہے، وہی

---

(۱) اقول وباللہ التوفیق: صورتِ اختلاف کو اس قاعدۂ تردد میں داخل ٹھہرانا، اور بوجہِ اختلاف ترکِ فعل واجب بتانا، جو اس نجدیٔ قنوج نے اپنے جی سے گڑھا، اور اُس کا اِفتراء امام ابن الہمام پر جڑا، امام علام رحمہ اللہ تعالیٰ صراحۃً اس مزعومِ ملوم کا رد فرماتے، اور صاف ارشاد فرماتے ہیں کہ اختلاف کا یہ اثر ماننا محض بے اصل وخلافِ اِجماع ہے، اختلاف کے باعث قضیۂ دلیلِ راجح متروک نہیں ہوسکتا۔ ''فتح القدیر'' میں ہے: هذا الكلام ينبو عن القواعد، فإنّ الإجماع على وجوب العمل بالراجح من الدليلَين، وترك المرجوح وكونه له مخالف، ولا إجماع لا يوجب، بل لا يجوّز النزول عن مقتضاه، وإلاّ فكلّ خلافية من المسائل كذلك اهـ باختصار ["فتح القدير"، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها، ۵/ ۲۲۵]۔ اگر کہیے یہ تو اختلاف مجتہدین میں ہے، اور مجلسِ مبارک میں قولِ جواز مجتہد سے نہیں۔

اقول اوّلاً: قولِ منع کب کسی مجتہد سے ہے؟ جب مجتہدین کا اختلاف وجوبِ ترک کا اثر نہیں ڈالتا، تو غیر مجتہد کا خلاف کیا چیز ہے؟!

ثانیاً: یہ مستدِلّین اِن دلائل کے استدلال کے صالح ہیں یا نہیں؟ اگر ہاں تو فرق رائیگاں، ورنہ اختلاف ہی کہاں؟! اور سرے سے جنائے مغالطہ ہی باطل وبے نشان!۔=

امام (۱) ابن الہمام (۲) الفاظِ تلبیہ پر قدرِ ماثور سے زیادتی جائز، اور تشہد کا اُس پر قیاس غیر صحیح ومع الفارق ٹھہراتے ہیں، اور باب زیارت شریف میں جو لکھتے ہیں، متکلم صاحب بہادر اسے بہیئتِ مخصوصہ سنت (۳) سے ثابت کر دیں! یا اپنی نافہمی یا مغالطہ پردازی کا اقرار کریں! بلکہ وہ تو وہاں صاف یہ قاعدہ باندھتے ہیں: " کلّ ما

= حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ العالی۔

(۱) یعنی باآنکہ مسئلہ تلبیہ میں اختلافِ ائمہ ہے، کما مرّ عن "الهداية" ["الهداية"، كتاب الحجّ، باب الإحرام، الجزء الأوّل، ص۱٦٥] مگر امام ابن الہمام نے اُسے واجب الترک نہ بتایا، بلکہ جواز ہی کو ثابت ومدلل فرمایا["فتح القدير"، كتاب الحجّ، باب الإحرام، ۳٤۳/۲] تو اُن کی طرف سے اس مرادِ مخترع کی نسبت محض اِفترا۔

اقول: یہ ایک مثال تھی، ورنہ امام ممدوح صاف فرما چکے کہ ہر مسئلہ خلافیہ کا یہی حال ہے، مختلف فیہ ہونے کا یہ اثر اصلاً نہیں کہ خواہی نخواہی واجب الترک کر دیں۔

حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ۔

(۲) "فتح القدير"، كتاب الحجّ، باب الإحرام، ۲ /۳٤۲، ۳٤۳ ملخصاً۔

(۳) یعنی جب ثبوت خصوص نہیں تو وہی دلائلِ منکرین جو مسئلہ مجلسِ مبارک میں اُنہیں باعثِ اختلاف ہوئیں، یہاں بھی جاری ہو کر اُسی اختلاف کا شگوفہ کھلتا، اور وجوبِ ترک کا حکم ملتا، جسے امام ہمام کا یہ مبارک کلام کیسا ردِ بلیغ فرما رہا ہے! اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو وہ دلائل محض بیہودہ وباطل اور التفات کے ناقابل ہیں، جو منکرین کو انکارِ مجلسِ مبارک پر حامل ہیں، تو مقصود اعلیٰ وجہ پر حاصل، ورنہ یہ اختلاف پر ایجابِ ترک کا مغالطۂ فاسدہ زائل۔

حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ۔

كان أدخل في الأدب و الإجلال كان حسنا "[1]، جو بات جس قدر ادب وتعظیم میں زیادہ دخل رکھے بہتر ہے۔

''شرحِ لباب''[2] وغیرہ[3] میں بھی علما اسی قاعدہ نفیسہ کی تصریح فرماتے ہیں، امام ممدوح[4] نے مسئلہ رفعِ سبّابہ میں بہت مشایخ سے نفی اُس کی نقل فرمائی، باوصف اس کے ترک کو اَولیٰ بھی نہ ٹھہرایا، وجوب کیسا؟! مسحِ[5] رقبہ ونمازِ چاشت

(۱) "الفتح" كتاب الحج، باب الهدي، مسائل منثورة، ۳ / ۹٤۔

(۲) "المسلك المتقسّط في المنسك المتوسّط شرح لباب المناسك"، باب زيارة سيّد المرسلين، فصل، صـ ٥٠٥۔

(۳) "الفتاوى الهندية"، كتاب المناسك، الباب السابع عشر في النذر بالحجّ، مطلب زيارة النّبي صلّى الله عليه وسلّم، ۱/ ۲٦٥۔

(۴) "فتح القدير"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، ۱/ ۲۷۲۔

(۵) **اقول:** کلمات بلغن قاموس البحر اعلیٰ حضرت تاج المحققین قدس اللہ سرّہ الامین نے ان کلماتِ معدودہ سے دریا کوزے میں بھرا ہے، مغالطۂ قنوجی کے رد میں اوّلاً اُس کے تین کذب واِفترا ثابت فرمائے: مجلسِ مبارک میں بجائے خلاف اختلاف بتانا ایک اِفترا، روزِ شیوع سے مختلف فیہ کہنا دوسرا اِفترا، امام ابن الہمام کی مراد وہ مزعوم واضح الفساد بتانا تیسرا اِفترا، اُن بڑے دروغوں میں ایک ننھا سا جھوٹا وہ بھی تھا کہ مجلسِ مبارک ماننے والوں کا مذہب صرف اِباحت کہا، اِفترائے سوم کا ثبوت مسئلہ تلبیہ، ومسئلہ آداب زیارتِ کریمہ، ومسئلہ رفعِ سبّابہ میں تحقیقاتِ امام ابن الہمام سے ارشاد ہوا، اور چوتھا ثبوت اَعم واَشمل فقیر غفرلہ القدیر نے گزارش کیا۔

اب ردِ اصل مغالطہ کی طرف چلیے جس کا حاصل یہ قیاس سراپا وسواس کہ مجلسِ مبارک =

کے بدعت وسنت ہونے میں اختلاف ہے، پھر کیا علما اِنہیں واجب الترک بتاتے رہیں؟! فقہا صدہا جگہ بعد نقلِ اختلاف فعل کو جائز ومباح ٹھہراتے ہیں، بلکہ (۱) علما

= ہمیشہ سے بدعت واِباحت میں مختلف فیہ ہے، اور ایسی شے واجب الترک ہے، تو (معاذ اللہ) مجلسِ مبارک واجب الترک ہے، اعلیٰ حضرت نوّر اللہ مرقدہ نے انہیں معدود سطروں میں اس مغالطۂ غالطہ کے دس رَد ارشاد فرمائے: ردِاوّل: یہاں ہرگز اختلاف نہیں، صرف خلاف ہے، جس کا ثبوت فقیر نے خود اُنہیں بزرگوار کی ''تفہیم'' سے تفہیم کردیا۔

ردِّدوم: وہ جو کچھ ہے ہمیشہ سے زِنہار نہیں، بعد کو حادث ہوا، اور بعد اتفاقِ سابق اختلاف لاحق محض بفتحِ ''حا'' ہے، یہ دونوں رد متعلق بصغریٰ تھے، کہ ردِ افتراءات کے ضمن میں اس گزرے، باقی اُن کے کبریٰ پر وارد ہیں، جن میں ردِّ سوم یہ ارشادِ والا ہے کہ ''مسح رقبہ ونمازِ چاشت'' ...الخ تقریر اُس کی واضح وظاہر ہے، اور حاصل اُس کا منع قاہر؛ کہ یہ دو اور ان کے سوا صدہا مسائل اُس کے لیے سندِ باہر، خواہ اُسے نفسِ مقدمہ سے متعلق کیجیے، یا اُس کی دلیل وتمسّک بقول فقہاء سے، اب تقریر یہ ہوگی کہ فقہاء کی مراد ہونا بداہۃً ممنوع، اور ہنگامِ اِظہار سند اِن مسائلِ کثیرہ سے مردود ومدفوع۔

اقول: بوجہِ اختلاف بدعت واِباحت میں تردد کے سبب وجوبِ ترک کا یہی منشاء ہے کہ جب جواز ومنع میں تردد ہوا، جانبِ منع کو غلبہ ہے، جس پر خود عبارتِ منقولہ قنوجی شاہد کہ: لأنّ ترك البدعة لازم، وأداء السنّة غير لازم، تو کچھ اختلاف بلفظ بدعت وسنت، یا بدعت واِباحت ہی کی تخصیص نہیں، بلکہ جہاں جواز وعدم میں اختلاف پڑا اور فقہاء نے وجوبِ ترک نہ مانا، وہ سب مسائل اس مرادِ مخترع کے بطلان پر شاہدِ عادل، ان کلمات شریفہ میں کہ ''فقہاء صدہا جگہ'' ...الخ اسی نکتہ لطیفہ کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عالمِ اہلسنّت دام فیضہ۔

(۱) **اقول** وباللہ التوفیق: یہ ردِ چہارم ہے، اور اس کی تقریر دو وجہ پر ہے: بروجہِ کلی، وبشہادتِ جزئیاتِ فقہی۔=

= وجہِ کلی یہ کہ علمائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم "جامع الرموز" مسئلہ صلاۃ الجنازہ فی المسجد میں قولِ ماتن: لو وضع الميّت خارجه اختلف المشايخ ["النقاية"، كتاب الصلاة، فصل في الجنائز، ۲۸۵/۱] کے متعلق لکھا: في العدول عن الخلاف تنبيه على أنّ لكلّ من طائفتَين دليلاً؛ فإنّه قول بلا دليل، بخلاف الاختلاف، فصلح للعمل مَن ذهب إليه كلّ منهما ["جامع الرموز"، كتاب الصّلاة، فصل في الجنائز، ۲۸۵/۱، ۲۸۶] اس میں بھی تصریح ہے کہ اختلاف باعثِ رخصت واجازت ہے، نہ کہ مستلزم ایجابِ ترک۔ منہ دامت برکاتہم العالیہ تصریح فرماتے ہیں کہ مسئلہ مختلف فیہا منکرِ شرعی ومعصیتِ دینی نہیں، نہ کہ (معاذ اللہ) اُسے ضلالت کہنا، جیسا کہ دابِ وہابیت ہے، کہ صریح جہالت وضلالت ہے۔ اگر علماء بوجہِ اختلاف متردّد فیہ ٹھہرا کر واجب الترک مان لیتے، تو منکر ومعصیت نہ سمجھنے کے کیا معنیٰ تھے؟! یہی امام ابن الہمام "فتح القدیر" مسئلہ صلاة الجنازة في المسجد میں فرماتے ہیں: الإنكار الذي يجب عدم السكوت معه هو المنكر، العاصي مَن قام به، لا الفصول المجتهد فيها۔ ["فتح القدير"، كتاب الصّلاة، باب الجنائز، فصل في الصّلاة على الميّت، ۹۱/۲]۔

امام علامہ عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرّہ القدسی "حدیقۂ ندیہ" فصلِ ثانی، بابِ اوّل میں زیرِ قولِ ماتن رحمہ اللہ تعالیٰ: "إذا أنكر عليهم بعض أمورهم المخالف للشرع الشريف" ["الطريقة المحمدية"، الباب الأوّل، الفصل الثاني في أقسام البدع، ۱۵۷/۱] فرماتے ہیں: المراد لما هو المجمع عليه بين المجتهدين كالزنا، وشرب الخمر، والسرقة، وترك الصّلاة، وما أشبه ذلك، وأمّا ما لم يكن كذلك، فليس بمنكرٍ، قال الإمام الغزالي في "الإحياء" في شروط المنكر ["الإحياء"، كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب الثاني في أركان الأمر بالمعروف وشروطه...إلخ، ۲ /۳۵۳ بتصرّف]: أن يكون كونه منكراً معلوماً بغير =

= اجتهاد، فكلّ ما هو في محلّ الاجتهاد، فلا حسبة فيه، فليس للحنفي أن ينكِر على الشافعي أكله الضبّ والضبع، ومتروك التسمية، ولا للشافعي أن ينكِر على الحنفي شربه النبيذ الذي ليس بمسكر إلى آخر ما بسطه من الكلام في هذا المقام ["الحديقة الندية"، الباب الأوّل، الفصل الثاني في أقسام البدع، ١/١٥٧]۔

اُسی میں ہے: إنّما المنكر ما وقع الإجماع على حرمته والنهي عنه ["الحديقة الندية"، الباب الأوّل، الفصل الثاني في أقسام البدع، ١/١٥٧]۔ اُسی میں ہے:لا ينبغي أن ينهي الواعظ عمّا قال به إمام من أئمّة المسلمين، بل ينبغي أن يقع النهي عمّا أجمع الأئمّة كلّهم على تحريمه، والنهي عنه كالزنا، والربا، والرياء، والطعن في أولياء اللّٰه تعالى بالجهل في معاني كلامهم، وإنكار كراماتهم بعد الموت، واعتقاد أنّ ولايتهم انقطعت بموتهم، ونهي النّاس عن التبرّك بهم إلى غير ذلك من القبائح اهـ مختصراً ["الحديقة الندية"، الباب الأوّل، الفصل الثاني في أقسام البدع، ١/١٥٧]۔

یہ جمیل کلام تو اس جلیل امام حکیمِ ملّت، ناصحِ اُمت قدّس سرّہ نے طائفۂ تالفۂ وہابیت کی پیدائش سے پہلے براہِ کرامتِ خاص اُسی پر ردّ وملامت کے لیے تحریر فرمایا، ارشاد کرتے ہیں کہ مختلف فیہ مسائل میں ممانعت نہ چاہیے، منع کے لائق صرف وہ باتیں ہیں جن کی حرمت پر اِجماع ہے، جیسے زنا، وربا، وریا، اور اولیاء اللہ کا کلام نہ سمجھ کر اُن پر طعن کرنا، اور بعدِ وصال اُن کی کرامت کا منکر ہونا، اور یہ سمجھنا کہ انتقال سے اُن کی ولایت بھی جاتی رہی، اور لوگوں کو اُن کے مزاراتِ کریمہ سے برکت حاصل کرنے سے منع کرنا، یہ وہ بد باتیں ہیں جن کے حرام ہونے پر تمام اُمت کا اِجماع ہے۔ کچھ سمجھے! خاک نہ سمجھے! اور نہ کبھی سمجھو! حدیث آچکی ہے: رضی اللہ عنہ: یہ حدیث ''بخاری شریف'' کی ہے، اور حسبِ ارشادِ علماء، مصدّقِ وہابیہ شیخنا وبرکتنا علامہ سیدی احمد زینی دحلان مفتی ورئیس علمائے مکہ معظمہ قدّس سرّہ الشریف اپنی کتاب مستطاب "الدرر السنيّة في =

= الردّ علی الوهابیّة" ["الدرر السنیّة في الردّ علی الوهابیة"، أخبار النّبي بابن عبدالوهّاب وأتباعه، صـ۱۲۹- ۱۳۲ ملتقطاً] میں فرماتے ہیں: علامہ سید علوی بن احمد بن حسن بن قطبِ زمانہ سید عبداللہ حدّاد باعلوی قدّست أسرارہم نے ابنِ عبدالوہاب نجدی کے رَد میں ایک کتابِ جلیل تالیف فرمائی مسمّٰی بہ "جلاء الظلام في الردّ علی النجدي الذي أضلّ العوام"، وہ فرماتے ہیں: میں جب طائف کو مزار شریف حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما کی زیارت کے لیے حاضر ہوا، وہاں علامہ شیخ طاہر سنبل حنفی سے ملاقات ہوئی، اُنہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے ایک کتاب اس طائفہ وہابیہ کے رَد میں تالیف کی ہے، "الانتصار للأولیاء الأبرار" اُس کا نام ہے، پھر فرمایا: لعلّ اللّٰہ ینفع به مَن لم تدخل بدعة النجدي قلبه، وأمّا مَن دخلت في قلبه، فلا یرجی فلاحه؛ لحدیث البخاري: ((یمرقون من الدین، ثمّ لا یعودون فیه)) ["صحیح البخاري"، کتاب التوحید، باب قراءة الفاجر والمنافق...إلخ، ر:۷۵۶۲، صـ۱۳۰۵ ملتقطاً] اُمید ہے کہ اللہ تعالٰی اس کتاب سے اُسے نفع بخشے جس کے دل میں نجدی کی بدعت داخل نہ ہوئی، اور وہ کہ جس کے دل میں گھر کرگئی، اُس کی فلاح کی کچھ اُمید نہیں، ''صحیح بخاری شریف'' کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ دین سے نکل جائیں گے پھر اُس میں واپس نہ آئیں گے''۔ منہ مدّ ظلہ العالی لا یعودون وہابیہ دین سے نکل جائیں گے، اور پھر واپس نہ آئیں گے، مقدمۂ کتاب مستطاب میں ''شرحِ مقاصد'' سے گزرا: خلافاً للمبطلین، حتّی ربما جعلوا الاختلاف في الفروع أیضاً بدعةً وضلالةً ["شرح المقاصد"، المبحث الثامن، حکم المؤمن والکافر والفاسق، الجزء الخامس، صـ۲۳۲]، یعنی اہلِ باطل فرعی مسائل مختلف فیہا میں بھی بدعت وضلالت کا حکم لگادیتے ہیں۔ ''تحفۂ اثنا عشریہ شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی'' میں ہے: ''ہر کہ باوجود اینہمہ قولِ جازم نماید بیباک و بے احتیاط است، وہمین است شان محتاطین از علمائے راسخین کہ در اجتہادیات مختلف فیہا جزم باحد الطرفین نمی کنند'' =

=["تحفه اثنا عشرية"، باب هفتم در امامت، ص۔۲۲۹ ملتقطاً]

قنوجی صاحب اب تو آپ کو سوجھا کہ مختلف فیہ ہونے کا کیا اثر ہوتا ہے! وہ جو تمہاری مراد ومدار دلیلِ فساد کا دمار نکالتا ہے، منکرین کو کلماتِ علما پر اطلاع ہوتی، اور خدا توفیق دیتا تو بالفرض اگر مجلسِ مبارک مختلف فیہ بھی ہوتی، منکر ہو کر تفریق وتحفیر کے فتنے نہ جگاتے! ایک طرف جزم کر کے بے باک وبے احتیاط کے لقب نہ پاتے، ضلالت بتا کر خود اپنے لیے قعرِ ضلالت میں مقر نہ بناتے، ولكنّ الوهابيّة قوم لا يعقلون۔

شہادتِ جزئیات: وہ مسائلِ فقہیہ جن میں علما نے باوصفِ ذکر اختلاف، بلکہ ترجیح خلاف نہ چاہا، بلکہ منع کرنے سے منع فرمایا، جس نے صراحۃً وہابیہ کو مقصودِ شرع سے ناواقف، بلکہ مصالحِ شرع کا بدخواہ ومخالف بتایا، یہ مسائلِ کثیرہ ہیں، یہاں بنظرِ اختصار بعض پر اقتصار۔

مسئلہ اُولیٰ وثانیہ: یہی دو مسئلہ دعا بجماعت بعدِ ختمِ قرآن، ودعا بعدِ ختم بماہِ رمضان کہ متن میں مذکور، جن پر فتاویٰ امامِ اجل میں باوصف خلاف متقدمین منع سے منع مسطور۔ "خزانۃ الفتاوی" ["خزانة الفتاوى"، كتاب الكراهية، فصل في العبادت والدعاء وما يتعلّق بهما، ق۔۱۳٤ بتصرّف] پھر "فتاویٰ عالمگیریہ" میں ہے: الدعاء عند ختم القرآن في شهر رمضان مكروه، لكن هذا شيء لا يفتى به ["الفتاوى الهندية"، كتاب الحظر والإباحة، الباب الرابع في الصّلاة...إلخ، ٥/٣١٨] ماہِ مبارک میں ختمِ قرآن کے وقت دعا مکروہ ہے، مگر یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر فتویٰ نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ ثالثہ: عید الفطر میں جہرِ تکبیر مختلف فیہ ہے، علمائے کرام اُس کا بدعت وخلاف حکمِ آیت ہونا بیان کر کے تقریر فرماتے ہیں کہ: عامہ کو اس سے منع کرنا نہ چاہیے۔ امام محقق ابن الہمام "فتح القدیر" ["فتح القدير"، كتاب الصّلاة، باب صلاة العيد، ٢/٤١ ملتقطاً] میں فرماتے ہیں: الخلاف في الجهر بالتكبير في الفطر لا في أصله؛ لأنّه داخل في عموم ذكر اللّٰه تعالى، فعندهما يجهر به كالأضحى، وعنده لا يجهر، وفي "الخلاصة" =

= ["الخلاصة"، كتاب الصلاة، الفصل الرابع والعشرون في صلاة العيدين، الجزء الأوّل، صـ٢١٣ ملخّصاً] ما يفيد أنّ الخلاف في أصل التكبير، وليس بشيء؛ إذ لا يمنع من ذكر اللّٰه بسائر الألفاظ في شيء من الأوقات، بل من إيقاعه على وجه البدعة، فقال أبو حنيفة رضي اللّٰه تعالى عنه: رفع الصوت بالذكر بدعة يخالف الأمر من قوله تعالى: ﴿وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ [پ۹، الأعراف: ٢٠٥]۔

اس تمام کلام کے بعد فرمایا: وقال أبو جعفر: لا ينبغي أن تمنع العامّة من ذلك؛ لقلّة رغبتهم في الخيرات ["فتح القدير"، كتاب الصّلاة، باب صلاة العيد، ٤١/٢] اور اسے مقرر رکھا، اور ''غنیہ'' میں اس قدر اور زائد کیا: وبه نأخذ ["الغنية"، صلاة العيد، صـ٥٦٧]، ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ بلکہ اُس میں تو وہ سب کلام لکھ کر تصریح فرمائی کہ نزاع صرف افضلیت میں ہے، ورنہ جہر اصلاً مکروہ بھی نہیں، حيث قال: والذي ينبغي أن يكون الخلاف في استحباب الجهر وعدمه، لا في كراهة وعدمها، فعندهما يستحبّ، وعنده الإخفاء أفضل ["الغنية"، صلاة العيد، صـ٥٦٧] اور خود ''صغیری'' میں اس پر جزم کیا: الخلاف في الأفضليّة، أمّا الكراهة فمنتفية عن الطرفين ["حلبي صغير"، فصل في صلاة العيد، صـ٣٢٢] ''ردالمحتار'' میں اسے نقل کر کے مقرر رکھا، یہی مضمون کہ عامہ کو اس سے منع نہ کیا جائے ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: كلمة "لا بأس" قد تستعمل...إلخ، ١٥١/٥]، ''تبیین الحقائق'' ["تبيين الحقائق"، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، الجزء الأوّل، صـ٢٢٤]، و''درر الحکام'' ["درر الحكّام في شرح غرر الأحكام"، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ١/ ١٤٢]، و''بحر الرائق'' ["البحر الرائق"، كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ٢/ ٢٨٩]، و''مجمع الانہر'' ["مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر"، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، =

= ۱/ ۲٥٦]، و''درِّ مختار'' [''الدرّ المختار''، کتاب الصلاۃ، باب العیدین، ٥ / ١٥١] وغیرہا[''حاشیة الشلبي علی التبیین''، کتاب الصلاۃ، باب العیدین، الجزء الأوّل، صـ٢٢٤] کتبِ کثیرہ میں ہے۔

مسئلہ رابعہ: عشرۂ ذی الحجہ میں سرِ بازار عام لوگوں کا بآوازِ بلند تکبیر کہتے پھرنا کہ مقدّمۂ کتابِ مستطاب میں ''درِّ مختار'' [''الدرّ المختار''، کتاب الصلاۃ، باب العیدین، ٥ /١٥١]، و''بحر الرائق'' [''البحر الرائق''، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ العیدین، ٢/ ٢٨٩]، و''مجتبیٰ'' وغیرہا سے گزرا، ''بحر'' [''البحر الرائق''، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ العیدین، ٢ /٢٨٩] میں اُسے ''ظہیریہ'' [''الفتاوی الظهیریة''، کتاب الصلاۃ، الباب السادس في الجمعة والعیدین...إلخ، الفصل الثاني في صلاۃ العید، ١ /ق٣٩] سے بھی نقل کیا، اور ''مجتبیٰ'' سے لائے: لا تمنع العامّة عنه، وبه نأخذ [''البحر الرائق''، کتاب الصّلاۃ، باب صلاۃ العیدین، ٢ /٢٨٩] عام لوگ اس سے منع نہ کیے جائیں، ہم اسی پر فتویٰ دیتے ہیں۔ ''رحمانیہ'' میں ''ذخیرہ'' سے ہے: به أخذ الفقیه أبو اللیث، اسی کو امام ابو اللیث نے اختیار فرمایا۔

مسئلۂ خامسہ: ''عالمگیریہ'' میں ''محیط'' [''المحیط البرهاني''، کتاب الاستحسان والکراهیة، الفصل الثاني والثلاثون في المتفرّقات، ٦ /١٦١ بتصرّف] سے ہے: قال الفقیه أبو جعفر: وسمعت شیخي أبا بکر یقول: سئل إبراهیم عن تکبیر أیّام التشریق علی الأسواق والجهر بها؟ قال: ذلك تکبیر الحوکة، وقال أبو یوسف رحمه الله تعالی: إنّه یجوز۔ قال الفقیه: وأنا لا أمنعهم عن ذلك [''الفتاوی الهندیة''، کتاب الحظر والإباحة، الباب الرابع في الصّلاۃ...إلخ، ٥/ ٣١٩]، یعنی امام فقیہ ابو جعفر نے فرمایا: میں نے اپنے استاذ امام ابو بکر سے سنا کہ فرماتے تھے: امامِ اجل ابراہیم سے بازاروں میں ذی الحجہ کی گیارہویں، بارہویں، تیرہویں تاریخ بآوازِ بلند تکبیر کہنے کا مسئلہ =

= پوچھا گیا؟، فرمایا: یہ جولاہوں کی تکبیر ہے، امام ابو یوسف نے فرمایا: جائز ہے۔ فقیہ ممدوح نے فرمایا: میں اُنہیں اس سے منع نہ کروں گا۔

مسئلہ سادسہ: جمہور علما روزِ عید قبلِ نماز مطلقاً اور بعدِ نماز عیدگاہ و مسجد میں نوافل پڑھنے کو مکروہ و بدعت بتاتے ہیں، با اینہمہ فرماتے ہیں: عوام کو اس سے منع نہ کیا جائے، کبھی پڑھیں اور کہیں پڑھیں، ''درِ مختار'' میں ''بحر الرائق'' ["البحر"، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين، ۲۸۰/۲ بتصرّف] سے ہے: لا يتنفّل قبلها مطلقاً، وكذا بعدها في مصلاّها؛ فإنّه مكروه عند العامّة، وهذا للخواص، أمّا العوام، فلا يمنعون من تكبير ولا تنفّل أصلاً؛ لقلّة رغبتهم في الخيرات ["الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، باب العيدين، ۱۱۱/۵-۱۱۸] اھ بالالتقاط۔ ''عنایہ شرحِ ہدایہ'' میں ہے: روي أنّ علياً خرج إلى المصلّى فرأى قوماً يصلّون، فقال: ما هذه الصّلاة التي لم نكن نعرفها على عهد رسول الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم؟! فقيل له: ألا تنهاهم؟، فقال: أكره أن أكون الذي ينهى عبداً إذا صلّى ["العناية في شرح الهداية"، كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ۴۲/۲]، یعنی مروی ہے کہ مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ عیدگاہ کو تشریف لے گئے، لوگوں کو نفل پڑھتے دیکھا، فرمایا: یہ کیا نماز ہے جو زمانۂ رسالت میں معروف نہ تھی؟! کسی نے کہا: آپ اُنہیں منع کیوں نہیں فرما دیتے؟ ارشاد فرمایا: مجھے گوارا نہیں کہ میں وہ بنوں جو منع کرتا ہے بندے کو جب وہ نماز پڑھے۔ اسی طرح ''تفسیرِ کبیر'' ["التفسير الكبير"، العلق، تحت الآية: ۱۰، ۱۱، ۲۲/۱۱] میں ہے۔

اقول: یہ حدیث اجلّۂ ائمۂ محدّثین امام اسحاق بن راہویہ و امام بزّار نے اپنی ''مسانید''، اور زاہر نے ''تحفۂ عید الفطر'' میں علاء بن بدر سے روایت کی: قال: خرج علي ـ رضي الله تعالى عنه ـ في يوم عيد، فرأى ناساً يصلّون، فقال: يآيها النّاس قد شهدنا نبي الله ـ صلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ في مثل هذا اليوم، فلم يكن أحد يصلّي قبل =

= العيد أو قبل النّبي صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلّم، فقال رجل: يا أمير المؤمنين! ألا أنهى النّاس أن يصلّوا قبل خروج الإمام، فقال: لا أريد أن أنهي عبداً إذا صلّى، ولكن نحدّثهم بما شهدنا من النّبي صلّى اللّٰه تعالى عليه وسلم، یعنی مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ نے روزِ عید لوگوں کو نفل پڑھتے دیکھ کر فرمایا: ہم نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایسے ہی دن میں دیکھا نمازِ عید سے پہلے یا فرمایا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پہلے کوئی شخص کوئی نماز نہ پڑھتا تھا، کسی نے کہا: یا امیر المؤمنین! کیا میں لوگوں کو نمازِ عید سے پہلے نماز پڑھنے سے منع کروں! فرمایا: میں نہیں چاہتا کہ بندے کو نماز پڑھنے سے منع کروں، ہم تو اُن سے یہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہم نے یہ دیکھا۔

خدارا انصاف! اس حدیثِ جلیل مسند ومروی ائمہ محدّثین کے مقابل متکلم قنوجی کا ایک فقہی کتاب ''مجمع'' کی حکایتِ بے سند سے استناد کرنا کہ مولیٰ علی نے منع فرمایا، پھر براہِ جہالت حکایت معضلہ کو بلفظِ تخریج واِخراج ذکر کرنا ان بزرگوار کا معمولی محاورہ ہے: أخرج ابن نجيم في "البحر"، أخرج في "الاختيار"، أخرج في "المجمع" ، اب کل کو کوئی اجہل اُٹھ کر ان حضرت کی ساختہ حکایات کو لکھ دے گا: "أخرج القنوجي في "التفهيم"، أخرج النواعق، أخرج في "الغايط"، ولا حول ولا قوّة إلّا باللّٰه العليّ العظيم یہ تعبیر کرنا کہ منها ما أخرجه ابن الساعاتي في "المجمع": أنّ رجلاً يوم العيد أراد أن يصلّي قبل صلاة العيد فنهاه علي رضي اللّٰه تعالى عنه... إلخ کیسا ظلمِ صریح وجہلِ قبیح ہے! ملا جی کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اِخراج یا تخریج اپنی سند کے ساتھ حدیث روایت کرنے کو کہتے ہیں کہ "حدّثنا فلان عن فلان" نہ بے سند کوئی حکایت لکھ دینے کو، ولكنّ الوهابيّة لا يعلمون ۔

مسئلہ سابعہ وثامنہ: حکیمِ ملت، ناصحِ اُمت عارف باللہ امام نابلسی قدّس سرّہ القدسی ''حدیقۂ ندیہ'' میں فرماتے ہیں: من هذا القبيل نهي النّاس عن صلاة الرغائب بالجماعة، وصلاة ليلة القدر ونحو ذلك، وإن صرّح العلماء بالكراهة بالجماعة =

= فيها لا يفتى بذلك للعوام؛ لئلاّ تقلّ رغبتهم في الخيرات ["الحديقة الندية"، الثامن والأربعون من الأخلاق الستّين المذمومة الفتنة، ٢ /١٥٠]، یعنی اسی قبیل سے ہے نمازِ رغائب ونمازِ شبِ قدر باجماعت اور اس کے مثل اور باتوں سے منع کرنا، اگرچہ علما نے ان میں جماعت کو مکروہ بتایا، مگر عام لوگوں کو منع کا فتویٰ نہ دیں؛ کہ نیکیوں میں اُن کی رغبت نہ گھٹے۔ اسی طرح ''درِ مختار'' ["الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، باب العيدين، ٥ /١١٨] میں ہامشِ ''بحر'' سے ماثور، اور اُس پر اُسی حدیث مولیٰ علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہ سے استدلال مذکور۔

مسئلۂ تاسعہ: اُسی میں فرمایا: ومن هذا القبيل نهي النّاس عن حضور مجالس الذكر بالجهر، وإنشاد أشعار الصالحين، وإن صرّح فقهاء الحنفية بكراهة الجهر بالذكر ["الحديقة الندية"، الثامن والأربعون من الأخلاق الستين المذمومة الفتنة، ٢/١٥٠]، یعنی اسی طرح ذکرِ جہر اور نیکوں کے اشعار پڑھے جانے کی مجلسوں سے منع نہ کیا جائے، اگرچہ فقہائے حنفیہ ذکرِ جہر کو مکروہ کہیں۔ حتّٰی کہ خود امام بزازی کردری ''وجیز'' [ذكره في كتاب الاستحسان ["البزازية"، كتاب الاستحسان، ٦ /٣٧٨ (هامش "الهندية")] منه دامت فیوضہ] میں فتاویٰ سے ناقل: إنّ الذكر بالجهر لو في المسجد لا يمنع؛ احترازاً عن الدخول تحت قوله تعالى: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ أَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ﴾ [پ١، البقرة: ١١٤] ، ذکرِ جہر کہ مسجد میں ہو منع نہ کیا جائے؛ کہ کہیں اس آیت کے وعید میں داخل ہونا لازم نہ آئے: ''اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں میں اُس کا نام لینے سے روکے''۔ اُسی میں ''اجوبۂ امام زاہد خوارزمی'' سے ہے: إنّه بدعة، ولا نحيز، ولا نمنع ["البزازية"، كتاب الاستحسان، ٦ /٣٧٩]۔ ذکرِ جہر بدعت ہے، اور ہم نہ تجویز کریں، نہ منع کریں۔ پھر فرمایا: حوّزه محبّ الذاكرين الله تعالى كثيراً ["البزازية"، كتاب الاستحسان، ٦/ ٣٧٩ بتصرّف]، اُس کی اجازت دی ذکرِ الٰہی بکثرت کرنے والوں کے محبّ نے۔ اسی طرح ''غمز عیون البصائر'' احکام المسجد ["غمز عيون البصائر"، القول في =

بحالِ اختلاف ایسے اُمور سے منع نہ کرنے کی تصریح فرماتے ہیں، في [۱]"فتاوی قاضي خان": تكلّموا في الدعاء عند ختم القرآن في شهر رمضان وختم القرآن بجماعة، واستحسنه المتأخّرون، فلا يمنع من ذلك [۲]۔

بلکہ [۳]..

= أحكام المسجد، ٤/٦١] میں ہے۔

مسئلہٴ عاشرہ: اُسی میں فرمایا: ومن هذا القبيل نهي العوام عن المصافحة بعد صلاة الصبح والعصر؛ فإنّ بعض المتأخّرين من الحنفيّة صرّح بالكراهة في ذلك ادّعاءً بأنّه بدعة...إلخ ["الحديقة الندية"، الثامن والأربعون من الأخلاق الستّين المذمومة الفتنة، ۲/۱۵۰]، یعنی اسی قبیل سے ہے نمازِ فجر وعصر کے بعد مصافحہ کرنے سے عوام کو منع کرنا کہ یہ بھی نہ چاہیے، اگرچہ بعض متاخرین حنفیہ نے اُسے بدعت بتا کر مکروہ لکھ دیا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ حضرت عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہٗ۔

(۱) ترجمہ: ''فتاویٰ قاضی خان'' میں ہے: رمضان مبارک میں ختمِ قرآن کے وقت دعا، یا ویسے ختم کے وقت مجتمع ہو کر دعا میں مشایخ کا اختلاف ہے، اور متاخرین نے اُسے حسن کہا، تو اس سے منع نہ کیا جائے گا۔

(۲) "الخانية"، كتاب الصّلاة، باب افتتاح الصلاة، فصل في قراء ة القرآن خطأ وفي الأحكام المتعلّقة بالقراء ة، مسائل كيفية القراء ة...إلخ، الجزء الأوّل، صـ ۸۰۔

(۳) یہ ردِّ پنجم اور سابق سے ترقی باہر ہے کہ سفیہ وجوبِ ترک کا ادّعا کرے، کلامِ علما سے اَولویتِ فعل ظاہر ہے۔ دیکھو! امامِ اجل قاضی خان نے (باآنکہ تصریح فرمائی کہ وہ سنت سے ثابت ہونا کجا مستحبّاتِ ثابتہ سے بھی نہیں) خود اختلافِ اقوال ہی کو اس کی علت قرار دیا کہ: بجالانا چاہیے۔ ''ردّ المحتار'' میں دربارۂ تکبیرِ عشرۂ ذی الحجہ قولِ امام ابو جعفر نقل کر کے لکھا: أفاد أنّ فعله =

''شرحِ نقایہ''(۱) میں امام قاضی خان (۲) سے نقل کیا ہے کہ اس مادّے میں ترک سے فعل اَولیٰ ہے، قال(۳): وأمّا مسح الرقبة فليس بأدب ولا سنّة، وقال بعضهم: هو سنّة، وعند اختلاف الأقاويل كان فعله أولى من تركه۔

بلکہ(۴) خود بدعت کہنے والوں نے صلاۃِ ضحیٰ کو مستحسن فرمایا،..............

= أولى ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: كلمة "لا بأس" قد تستعمل في المندوب، ۱۵۱/۵]، امام نے إفادہ فرمایا کہ: اُس کا کرنا بہتر ہے۔ ''حدیقۂ ندیہ'' میں دربارۂ صلاۃ الرغائب، وصلاۃ لیلۃ القدر بعد عبارتِ مذکورہ ونقلِ اختلافِ علما فرمایا: فإبقاء العوام راغبين في الصّلاة أولى من تنفيرهم منها ["الحديقة الندية"، الثامن والأربعون من الأخلاق الستين المذمومة الفتنة، ۲ / ۱۵۰]، یعنی جب مسئلہ مختلف فیہ ہے، تو عوام کی رغبت نماز میں باقی رکھنا اُنہیں نماز سے نفرت دلانے سے بہتر ہے۔

حضرت عالمِ اہلسنت مدّ ظلّہ۔

(۱) "جامع الرموز"، كتاب الطهارة، ۳۲/۱ ملخّصاً۔

(۲) "الخانية"، كتاب الطهارة، باب الوضو والغسل، الجزء الأوّل، صـ۱۸ بتغيّر۔

(۳) ترجمہ: گردن کا مسح نہ مستحب ہے، نہ سنت، اور بعض نے کہا: سنت ہے۔ جب اقوالِ علما مختلف ہیں تو اُس کا فعل اُس کے ترک سے اَولیٰ ہے۔

(۴) یہ ردِ ششم اور پنجم پر بھی مترقی ہے؛ کہ بنظرِ اختلاف دوسروں کا اُولویتِ فعل ماننا درکنار، خود بدعت کہنے والوں نے اَولویت مانی ہے، ''صحیح بخاری شریف'' میں مورّق عجلی سے ہے: اُنہوں نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا: أتصلّي الضحى؟ کیا آپ نمازِ چاشت پڑھتے ہیں؟ فرمایا: نہ، کہا: امیر المؤمنین عمر؟ فرمایا: نہ، کہا: صدیقِ اکبر؟ فرمایا: نہ، کہا: سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، فرمایا: لا أخاله ["صحيح البخاري"، كتاب التهجد، باب صلاة =

= الضحى في السفر، ر: ١١٧٥، صـ١٨٧] میرے خیال میں حضور بھی نہ پڑھتے تھے۔

سعید بن منصور بسندِ صحیح مجاہد سے راوی: میں اور عروہ بن زبیر مسجد میں گئے، ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حجرۂ ام المؤمنین صدّیقہ کے پاس تشریف فرماتے تھے، لوگ مسجد میں نمازِ چاشت پڑھ رہے تھے فسألناه عن صلاتهم، فقال: بدعة [انظر: "صحيح مسلم"، كتاب الحجّ، باب بيان عدد عمر النبي صلّى الله تعالى عليه وسلّم، ر: ٣٠٣٧، صـ٥٣١]، ہم نے اُس نماز کا حال دریافت کیا، فرمایا: بدعت ہے۔

ابنِ ابی شیبہ بسندِ صحیح حکم بن عبداللہ بن أعرج سے راوی: میں نے ابنِ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نمازِ چاشت کو پوچھا، فرمایا: بدعة، ونعمت البدعة ["المصنّف" لابن أبي شيبة، كتاب الصّلوات، مَن كان لا يصلّي الضحى، ر: ٧٧٧٥، ٢/١٧٢]، بدعت ہے، اور کیا اچھی بدعت ہے!۔

عبدالرزاق بسندِ صحیح بطریق سالم بن عبداللہ بن عمر راوی: اُن کے والدِ ماجد نے فرمایا: لقد قُتل عثمان وما أحد يسبّحها، وما أحدث النّاس شيئاً أحبّ إليّ منها ["المصنّف" لعبدالرزاق، كتاب الصّلاة، باب صلاة الضحى، ر: ٤٨٦٨، ٣/٧٨]، یعنی امیر المؤمنین عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت تک نمازِ چاشت کوئی نہ پڑھتا تھا، بعد کو لوگوں نے نکالی، اور بیشک وہ مجھے سب نو پیدا چیزوں میں عزیز تر ہے۔

متکلم قنوجی کا ظلم وجہل کہ بحوالہ ''اَحکام الاحکام'' یہ تو نقل کر دیا کہ: إنّ ابن عمر قال في صلاة الضحى: إنّها بدعة ["أحكام الأحكام"، أعداد ركعات الرواتب، ١/٢٨٣]، ابنِ عمر نے نمازِ چاشت کو بدعت کہا، بدعت بتانے کی بھی حدیث نہ نکال سکے، اور یہ صحیح حدیثیں جن میں اُنہوں نے بدعت مان کر اُس کی خوبی بیان فرمائی نظر نہ آئیں!

﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ [پ٢٤، المؤمن: ٣٥]۔ اسی طرح تمام آثار واقوال جن میں صحابہ وائمہ نے اشیاء کو بدعت بتا کر حُسن فرمایا ہے، اس کی شاہد =

بلکہ (۱) مرادِ اہلِ قاعدہ کی یہ ہے کہ جس مادّہ میں ادائے سنت بدُون ارتکابِ بدعت نہ ہو سکے، ترکِ سنت چاہیے؛ (۲) کہ اُس کا ادا کرنا لازم نہیں، اور بدعت سے اجتناب

=ہیں، وباللہ التوفیق۔ حضرت عالمِ اہلسنّت وجماعت دامت فیوضہم۔

(۱) یہ رد، ردِّ ہفتم ہے، اوپر ممنوع وشواہد تھے، یہ حل ہے تقریر اُس کی ظاہر۔

اقول: یا یہ معنٰی کہ دلائلِ شرعیہ کانٹے کی تول متعارض ہوں، اور ترجیح مفقود، خود لفظِ تردد میں اس کا اِشعار موجود، ورنہ مجرّد خلاف واختلاف کو موجبِ تردد جاننا بداہۃً مردود۔ مصنفِ ''غایۃ الکلام'' نے ''طریقۂ محمدیہ'' میں یہ عبارت تو دیکھی، (جس کے مصنف کا نام براہِ جہالت ہندی ساخت کا ببر علی گڑھا، حالانکہ ان کا نامِ نامی سیدی علامہ محمد رومی افندی برکلی ہے) مگر علمانے جو اس کا مطلب بیان فرمایا نظر نہ آیا! یا قصداً چھپایا! سیدی علامہ عبدالغنی نابلسی شرح میں فرماتے ہیں: (إذا تردّد)، أي: المكلّف (في شيء بين كونه سنّة) فيثاب على فعلها (وبدعة في الدين سيّئة فيعاقب بفعلها، وشكّ في ذلك ولم يظهر له دليل يرجّح عنده إحد الطرفين، (فتركه لازم) عليه، أي: واجب، اهـ مختصراً ["الحديقة الندية" الباب الأوّل، الفصل الثاني من أقسام البدع، ١٤٨/١]۔ حضرت عالمِ اہلسنّت۔

(۲) اقول وباللہ التوفیق: یہ ردِّ ہشتم کی طرف اِیمائے دقیق ہے، بجائے ''لازم'' لفظ ''چاہیے''، اور لفظِ ''مؤکّد'' کی اِقامت، اور مثال قلبِ حصیٰ کی طرف ہدایت اُس کی ہادی طریق ہے، توضیحِ مقام یہ کہ علما فرماتے ہیں: اگر موضعِ سجود میں کچھ خفیف کنکریاں ایسی پڑی ہیں کہ سجدہ ہو تو جائے گا، مگر بروجہِ مسنون ادا نہ ہو سکے گا، تو اگر چہ ایک ہاتھ میں اُن کے صاف کر دینے کی اجازت ہے، جس میں ہرگز کراہت نہیں، مگر بہتر ترک ہے، سجدہ بروجہِ مسنون سنت ہے، اور نماز میں کنکریاں ہٹانا بدعت، وہ سنت جب بغیر اس بدعت کے حاصل نہیں ہو سکتی، تو یہ صورت سنت وبدعت میں متردد ہوئی، اور ایسی جگہ ترکِ سنت اَولیٰ ہے؛ کہ ادائے سنت پر اجتنابِ بدعت ترجیح رکھتا ہے۔=

= ''درِ مختار'' میں ہے:(وقلب الحصى) للنهي (إلّا لسجوده) التامّ، فيرخص (مرّة)، وتركها أولى ["الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، ٤/١٤٤، ١٤٥] ۔ ''ردّ المحتار'' ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب: إذا تردّد الحكم...إلخ، ٤/١٤٥] و''طحطاوی علی الدرّ المختار'' ["حاشية الطحطاوي"، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة...إلخ، ١/٢٧١ ملخّصاً] میں ''بحرالرائق'' سے ہے: لأنّه إذا تردّد الحكم بين سنّة وبدعة، كان ترك السنّة راجحاً على فعل البدعة ["البحر الرائق"، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره فيها، ٢/٣٥ (أمّا وجدنا في نسختنا عكسه، ونصّه هكذا: أنّ الحكم إذا تردّد بين سُنّة وبدعة كان ترك البدعة راجحاً على فعل السُنّة...إلخ)] ۔

''حلیہ'' ["الحلبة"، كتاب الصلاة، فصل فيما يكره فعله في الصلاة وما لا يكره، ٢/ق٥٤] ''بحر'' ["البحر الرائق"، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، ٢/٣٥] میں ''بدائع'' سے ہے:التسوية مرّةً رخصة، والترك أولى ["البدائع"، كتاب الصلاة، فصل: وأمّا بيان ما يستحبّ فيها وما يكره، ١/ ٥٠٤، ٥٠٥ ملخّصاً] ''نہایہ'' ["النهاية في شرح الهداية"، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة، فصل فيما يكره، ١/١٧٤] و''خلاصہ'' ["الخلاصة"، كتاب الصلاة، الفصل الثاني في فرائض الصلاة وواجباتها وسننها، الجنس فيما يكره في الصلاة، الجزء الأوّل، صـ٥٧] و''حلیہ'' ["الحلبة"، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة، فصل فيما يكره فعله في الصلاة وما لا يكره، ٢ /ق١٥٤] و''شرنبلالیہ'' ["حاشية الشرنبلالي على الدرر"، كتاب الصلاة، باب ما يفسد الصلاة وما يكره، ١ /١٠٨] و''ہندیہ'' ["الهندية"، كتاب الصلاة، الباب السابع فيما يفسد الصلاة وما يكره فيها، الفصل الثاني فيما =

= يكره في الصلاة وما لا يكره، ١/ ١٠٦] و"شرحِ نقایہ برجندی" ["شرح النقاية"، كتاب الصلاة، فصل في ما يكره في الصلاة، الجزء الأوّل، صـ١٢٩ بتصرّف] و"بحر" میں ہے: الترك أحبّ إليّ ["البحر الرائق"، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، ٢/ ٣٥]۔ ان تمام تصریحاتِ جلیہ سے روشن وآشکار کہ فعل با آنکہ سنت وبدعت میں متردد ہے، ناجائز نہیں، بلکہ بالاتفاق اجازت ہے، اور اجازت بھی کیسی بلا کراہت ہے، ترک ہرگز واجب نہیں، ہاں! بہتر ہے فعل کی بہ نسبت زیادہ پسند ہے۔

امام نسفی نے "کافی شرح وافی" میں تصریح فرمائی: العبث ما لا غرض منه شرعاً فإنّما كره؛ لأنّه غير مفيد، وهذا مقيّد له ليتمكّن من وضع الجبهة والأنف على الأرض ["الكافي"، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، ١/ق٩٦ بتصرّف]۔ یہ تمام ارشاداتِ علامۂ عائے قنوجی کے صریح رَد ہیں، اور شک نہیں کہ راہِ سلوک ومرضی اِبدائے توفیق وتطبیق ہے، نہ اِبقائے تعارض وتنافی۔ "ردّ المحتار" میں ہے: التوفيق أولى من إبقاء التنافي ["ردّ المحتار"، كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية، فصل في القرض، مطلب: كلّ قرض جرّ نفعاً حرام إذا كان مشروطاً، ١٥/ ٢١٣ ملتقطاً]۔ اُسی میں ہے: حيث أمكن التوفيق كان أولى، ويكون الخلاف لفظيّاً، وكم له من نظير ["ردّ المحتار"، كتاب الطلاق، باب الحضانة، مطلب: شروط الحاضنة، ١٠/ ٤٤٢]۔ "عقود الدریہ" میں ہے: قال قاضي خان والمحبوبي: القول بالتوفيق هو الأصحّ، وقوّاه الشيخ شرف الدين الغزي بأنّ فيه إعمال الروايتين ["عقود الدرية"، كتاب الإجارة، ٢/ ١٠٣]۔

اب یا تو ان عباراتِ کثیرہ میں اَولیٰ کو بمعنیٰ واجب لیجیے، یا وہاں لازم کو بمعنیٰ اَولیٰ؛ کہ بارہا بہتر واَحسن کو بھی بالفاظِ تاکید تعبیر کرتے، حتّی کہ مستحب کو واجب تک کہتے ہیں۔ "درمختار" میں ہے: لا بأس به عقب العيد؛ لأنّ المسلمين توارثوه، فوجب اتّباعهم ["الدرّ =

= المختار"، كتاب الصّلاة، باب العيدين، ٥/ ١٥٠]، نمازِ عید کے بعد تکبیر کہنے میں کچھ حرج نہیں؛ کہ وہ مسلمانوں میں متوارث ہے، تو اُن کی پیروی واجب ہے۔ ''ردّ المحتار'' میں ہے: كلمة "لا بأس" قد تستعمل في المندوب، وكما في "البحر" ["البحر"، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها، فصل في كيفية القسمة، ٥ /١٥٥] ومنه هذا الموضع لقوله: فوجب اتّباعهم الظاهر أنّ المراد بالوجوب الثبوت، لا المصطلح عليه ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب العيدين، مطلب: كلمة "لا بأس" قد تستعمل...إلخ، ٥/ ١٥٠ ملتقطاً]۔

امام حاکم شہید نے فرمایا: الاحتراز عن اليمين الصادقة واجب ["الدرّ المختار"، كتاب الدعوى، ٤/ ٤٢٩ (نقلاً عن الشهيد)]، سچی قسم کھانے سے بچنا واجب ہے۔ ''بحر الرائق'' ["البحر"، كتاب الدعوى، باب التحالف، ٧ /٣٧١] و ''درِّ مختار'' کتاب الدعویٰ میں ہے: أي: ثابت بدليل جواز الحلف صادقاً ["الدرّ المختار"، كتاب الدعوى، ٤/ ٤٢٩]۔ ''طحطاوی علی الدرّ المختار'' آخر کتاب المساقاۃ میں ''منح الغفار شرح تنویر الابصار'' سے ہے: إذا أدرك الزرع يجب، أي: يندب مؤكّداً أن يكون الكيال على طهارة فيستقبل القبلة...إلخ ["حاشية الطحطاوي"، كتاب المساقاة، ٤/ ١٤٩] جب کھیت تیار ہو، واجب ہے کہ ماپنے والا باوضو قبلہ رُو بیٹھ کر ماپے، یعنی بتاکید مستحب ہے۔

مگر شقِ اوّل کی طرف راہ نہیں؛ کہ عباراتِ مذکورہ نفیِ وجوب میں نصِ صریح ہیں، وہ صاف فرماتے ہیں کہ فعل کی بھی اجازت ہے، اِس میں اصلاً کراہت نہیں۔ لا جرم! لازم ہوا کہ اس قاعدے میں لازم کو بمعنیٰ اَولیٰ لیجیے، یعنی جب فعل سنت و بدعت میں متردد ہو، تو ترک اَولیٰ ہے۔ اب کلماتِ علما متفق ہوجائیں گے، اور استدلالِ قنوجی کا پتا نہ رہے گا؛ کہ ترکِ اَولیٰ سے کراہتِ فعل بھی لازم نہیں آتی۔ ''بحر الرائق'' باب صلاۃ العید میں ہے: لا يلزم من ترك =

= المستحبّ ثبوت الكراهة؛ إذ لا بدّ لها من دليل خاص، فلذا كان المختار عدم كراهة الأكل قبل الصّلاة ["البحر الرائق"، كتاب الصّلاة، باب صلاة العيدين، ٢/ ٢٨٤] ''تحریرالاصول'' میں ہے: خلاف الأولى ما ليس فيه صيغة نهي كترك صلاة الضحى، بخلاف المكروه تنزيهاً ["تحرير الأصول"، المقالة الثانية في أحوال الموضوع، الباب الأوّل في الأحكام، الفصل الثالث المحكوم فيه وهو أقرب من المحكوم به...إلخ، مسألة اختلف في لفظ المأمور به في المندوب...إلخ، ٢ /١٩٢ ملخّصاً]۔

''ردّالمحتار'' میں ہے: خلاف الأولى قد لا يكون مكروهاً حيث لا دليل خاصّ كترك صلاة الضحى، وبه يظهر أنّ كون ترك المستحبّ راجعاً إلى خلاف الأولى، لا يلزم منه أن يكون مكروهاً إلّا بنهي خاصّ؛ لأنّ الكراهة حكم شرعي، فلا بدّ له من دليل ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب ما يفسد الصّلاة وما يكره فيها، مطلب في بيان السنّة والمستحبّ...إلخ، ٤/١٨٦، ١٨٧] ''درِمختار'' باب الجنائز میں ہے: لو مشى أمامها جاز، وفيه فضيلة أيضاً ["الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنائز، ٥/٣٣٢، ٣٣٣] ''ردّالمحتار'' میں ہے: أخذاً من قولهم: إنّ المشي خلفها أفضل عندنا ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في حمل الميّت، ٥/٣٣٣] ''حلبہ'' مسئلہ قراءۃ فی الاخریَین میں ہے: كون تارك السنّة مسيئاً يلزم عنه عدم صحّة أن يقال: الإتيان بها أفضل؛ لأنّ أفعل التفضيل الخالي عن التهكم لا بدّ فيه من مشاركة المفضّل للفاضل في معنى أفضل حقيقةً أو تقديراً بوجه ما، وهي منتفية هنا ["الحلبة" كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مسألة قراءة الأخريين، ٢/ق ١٢١ ملخّصاً] یہ تقریر بقدرِفہمِ مخالفین ہے، وتحقيق الكلام في هذا المقام، وتنقيح مرام العلماء الأعلام بتوفيق ربّنا الملك =

مؤکد، مثال اُس کی قلبِ حصٰی ہے؛ کہ منہی عنہ ہے، اور سجدہ بطریقِ مسنون بدُون اُس کے ممکن نہیں۔

بلکہ (۱) ....

= العلاّم فيما علّقناه على "ردّ المحتار"، والحمد لله العزيز الغفّار۔

حضرت عالمِ اہلسنّت مدّظلہ العالی۔

(۱) یہ ردِّ فہم اور بطلان مرادِ مزعوم قنوجی پر کلماتِ علما سے اقامتِ دلیل ہے، جس کا حاصل یہ کہ ''اگر بوجہِ اختلاف مجرّد شک واحتمالِ بدعت کے باعث وجوبِ ترک کا حکم ہو، تو جہاں ادائے سنت بے اشتمالِ بدعت نہ ہوسکنے پر یقین حاصل ہو، وہاں بدرجہ اَولیٰ سخت شدید حکمِ ترک لازم''۔ حالانکہ کلماتِ علما اس کے بطلان پر حاکم، وہ ایسے مواقعِ عدیدہ میں صراحۃً حکم فرماتے ہیں کہ: سنت ترک نہ کریں، جب باوصفِ تیقّن بشمولِ بدعت خود فعل ہی کا حکم دیا، تو محض تردد وشک کی بنا پر ترکِ سنت کو واجب بتانا جو قنوجی ملّا نے علمائے کرام کی طرف نسبت کیا، کیسا صریح اِفترا ہوا؟! ان مسائل کی مثالیں خود متنِ مبارک دفعِ مغالطہ پانزدہم میں اِفادہ فرمائے گا، اور قلوبِ منکِرین پر سب سے سخت تر یہ مسئلہ نفیسہ ہے جسے علامہ شامی نے ''ردّ المحتار'' میں امام ابنِ حجر مکی سے نقل کیا کہ: ''مزاراتِ اولیا کے حضور جہّال نے جو نامشروع باتیں شروع کردیں ہیں اُن کے باعث تبرک وزیارتِ مزاراتِ طہارت نہ چھوڑیں؛ کہ مزاراتِ کریمہ کی زیارت باعثِ قربِ الٰہی ہے، اور قربِ الٰہی کے افعال ایسی باتوں کے سبب متروک نہیں ہوتے'' ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في زيارة القبور، ٥/٣٦٦]، علامہ شامی اُس مسئلہ سے اِس کی تائید فرماتے ہیں کہ جنازے کے ساتھ عورتیں نوحہ وماتم کرتی ہوں تو اتباعِ جنازہ ترک نہ کریں ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب صلاة الجنائز، مطلب في حمل الميّت، ٥/٣٣٢]۔

اقول وباللہ التوفیق: جس طرح فعلِ منکر، منکر ہے، یوں ہی جہاں منکرات ہوں اور =

= قدرتِ انکار نہ ہو، بے ضرورتِ شرعیہ وہاں جانا بھی منکَر۔ امام حجۃ الاسلام غزالی ''اِحیاء العلوم'' ["إحياء العلوم"، كتاب الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، الباب الأوّل في وجوب الأمر بالمعروف...إلخ، ۲/ ۳۳۶] پھر علامہ نجم غزی ''حسن التنبیہ''، پھر سیدی علامہ نابلسی ''حدیقہ ندیہ'' میں ترغیب انکارِ منکَر کی حدیث:((لا ينبغي لامرئ شهد مقاماً فيه حقّ إلّا تكلّم به)) ["شعب الإيمان"، باب في الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر، ر: ۷۵۸۰، ٦/ ۲۵۷۷ بتصرّف]...الحديث نقل کرکے فرماتے ہیں: هذا الحديث يدلّ على أنّه لا يجوز دخول دور الظلمة والفسقة، ولا حضور المواضع التي يشاهد المنكر فيها، ولا يقدر على تغييره ["الحديقة الندية"، الصنف الثامن من الأصناف التسعة في آفات الرجل وذكر مفاسدها، ۲ /۵۱۵]، یعنی یہ حدیث ارشاد فرماتی ہے کہ ظالموں اور فاسقوں کے مکان، خواہ کسی ایسے مقام میں جانا جائز نہیں جہاں امرِ ناجائز دیکھے، اور انکار نہ کرسکے۔ نیز ''حسن التنبیہ'' و''حدیقہ ندیہ'' ["الحديقة الندية"، الصنف الثامن من الأصناف التسعة في آفات الرجل وذكر مفاسدها، ۲ /۵۱۵] میں قومِ نمرود کے قبائح سے گنا کہ موضعِ ظلم میں جمع ہوتے، قال اللہ تعالیٰ:﴿فَأْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى أَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ﴾ [پ۱۷، الأنبياء: ٦۱] ، پھر فرمایا: وفي معناه: مشاهدة كلّ منكر من غير إنكار لمَن يمكنه التغيّب عنه أو الإنكار ["الحديقة الندية"، الصنف الثامن من الأصناف التسعة في آفات الرجل وذكر مفاسدها، ۲ /۵۱۵]۔

تو اصل ارتکابِ بدعت اگرچہ جانبِ غیر سے ہو، بحالِ عجز عن الانکار (کہ وہی غالب ہے) حضور بے اشتمالِ محذور نامقدور، باایں ہمہ ائمۂ دین کی تصریحاتِ جلیہ ماضیہ وآتیہ کہ: ''اگر سنت مقترنِ بدعت ہو ترک نہ کی جائے'' کذبِ ادّعائے قنوجی پر شاہدِ جلی ہے۔

حضرت عالمِ اہلسنّت مدظلہٗ۔

علامہ شامی(۱) ''امام ابنِ حجر کے فتاویٰ'' سے نقل کرتے ہیں: ولا(۲) تترك لما يحصل عندها من منكرات ومفاسد كاختلاط الرجال بالنساء وغير ذلك؛ لأنّ القربات لا تترك لمثل ذلك، بل على الإنسان فعلها وإنكار البدع، بل وإزالتها إن أمكن (۳)۔ پھر اسے اُس مسئلے سے مؤید کرتے ہیں کہ جنازے کا اتباع نہ چھوڑا جائے، اگرچہ اُس کے ساتھ زنانِ نوحہ گر ہوں۔

غرض ایک دو کتاب میں کوئی بات دیکھ کر بے سمجھے بوجھے اپنے زعم میں مفید ٹھہرانا، اور اُنہیں کتابوں اور اُن کے غیر میں اُس اپنی فہمِ باطل کے ہزار مخالف ومعارض موجود ہوں، اُن سے آنکھ بند کر کے اُسے قاعدہ(۴) کلیہ ٹھہرا کر فقہا کی طرف

---

(۱) "ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب الجنائز، مطلب في زيارة القبور، ٥ /٣٦٦۔

(۲) ترجمہ: مزاراتِ اولیائے کرام کی زیارت اُن ناجائز باتوں اور فسادوں کی وجہ سے نہ چھوڑی جائے جو وہاں موجود ہوتی ہیں کہ جو باتیں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہونے کی ہیں وہ اُن وجوہ سے ترک نہیں کی جاتیں، بلکہ انسان پر اُن قربتوں کا کرنا لازم ہے اور بدعتوں پر انکار، بلکہ ہو سکے تو اُن کا زائل کرنا۔

(۳) "الفتاوى الكبرى الفقهيّة"، كتاب الصلاة، باب الجنائز، ٢ /٢٤ بتصرّف۔

(۴) یہ ردِّ وہم ہے کہ بعد اللتيا والتي بالفرض تردّد ووجوب سے وہی مراد سہی جو آپ کے زعم میں رہی، بے کلیتِ کبریٰ آپ تعدیۂ حکم کے مجاز نہیں، والہذا علمائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ قواعد وضوابط سے فتویٰ دینا حلال نہیں۔ ''غمز العیون'' میں ''فوائدِ زینیہ'' علامہ بحر صاحب ''بحر'' سے ہے: لا تجوز الفتوى بما تقتضيه الضوابط؛ لأنّها ليست كليّة، بل أغلبيّة خصوصاً، وهي لم تثبت عن الإمام، بل استخرجها المشايخ من كلامه ["غمز عيون =

= البصائر"، مقدّمة الكتاب، ۱/۳۷ بتغيّر] ،اُسی میں ہے:لا يحلّ الإفتاء من القواعد والضوابط، وإنّما على المفتي حكاية النقل الصريح، كما صرّحوا به ["غمز عيون البصائر"، القاعدة السادسة، ۱/۳۰۸]۔

نہ یہاں کلیتِ قضیہ مسلّم، بلکہ خود وہ قاعدہ کہ یہ قضیہ جس کی فرع ہے، یعنی درء المفاسد أهمّ من جلب المصالح۔ علما نے تصریح فرمائی کہ وہ کلیہ نہیں۔ ''اَشباہ'' میں ہے: نظير القاعدة الرابعة قاعدة خامسة، وهي درء المفاسد أولى من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة ومصلحة، قدّم دفع المفسدة غالباً ["الأشباه والنظائر"، الفنّ الأوّل: القواعد الكلية، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، صـ۹۹]۔ اُسی میں ہے: وقد تراعي المصلحة لغلبتها على المفسدة ["الأشباه"، الفنّ الأوّل: القواعد الكلية، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، صـ۱۰۰]۔ ''غمز العیون'' میں زیرِ قولِ متن: المرأة إذا وجب عليها الغسل ولم تجد سترة من الرجال تؤخّره، والرجل إذا لم يجد سترة من الرجال لا يؤخّره ويغتسل ["الأشباه"، الفنّ الأوّل: القواعد الكلية، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، صـ۱۰۰] فرمایا: قيل: ينبغي أن يرجّح النهي هاهنا على الأمر عملاً بالقاعدة المذكورة، فلا يرتكب المنهي عنه، وهو كشف العورة لأجل مأمور به، وهو الغسل، كما فعل في الاستنجاء، والجواب أنّ القاعدة أكثريّة لا كليّة ["غمز عيون البصائر"، الفنّ الأوّل: القواعد الكلية، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، ۱/۲۹۲]۔

بالجملہ حاصلِ کلام یہ ہے کہ نہ یہاں قدیم سے خلاف، نہ خلاف موجبِ اختلاف، نہ اختلاف موجبِ تردد، نہ تردّد موجبِ ترک، اور سب سے قطع نظر ہو تو یہ حکم ہرگز کلی نہیں، اور جزئیہ مفیدِ مدّعیٰ نہیں ۔هكذا ينبغي التحقيق، والله تعالى وليّ التوفيق۔

حضرت عالمِ اہلسنّت وجماعت دامت فیوضہم ۔

نسبت کرنا ایک ایسی جرأت ہے کہ اِنہیں صاحبوں کو زیب دیتی ہے۔

دسواں مغالطہ: ''جہاں این عمل را کالسنۃ بل کالواجب دانستہ اند، لہٰذا بر تارکینِ این عمل ملامت می کنند، وفقہا تصریح فرمودہ اند کہ ہر مباح کہ منجر بافسادِ عقیدۂ جہال باشد مکروہ بود، في "العالمكيرية" (۱) ما يفعل عقيب الصلاة مكروه؛ لأنّ الجهّال يعتقدونها سنّةً أو واجبةً، وكلّ مباح يؤدّي إليه فهو مكروه، هكذا في "الزاهدي" (۲)۔ یہ مغالطہ بھی متکلم قنوجی نے اس عبارت سے لکھا ہے۔

اقول: ایک مقدّمہ بھی ٹھیک نہیں، نہ عوام کالسنّۃ خواہ کالواجب سمجھتے ہیں، لاکھوں آدمی مجلسِ مبارک نہیں کرتے، اُنہیں کون برا کہتا ہے؟! یہ عوام بے چاروں پر کھلا اِفترا ہے۔ ہاں! مانعین کو جن کی زبان وقلم سے الفاظِ ناشائستہ (کہ خبثِ باطن وسوئے عقیدت پر قرائن واضحہ ہیں) سرزد ہوتے ہیں، یا قرائنِ حالیہ ومقالیہ سے خبیث طِیَنت وفسادِ عقیدت بجنابِ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیۃ ظاہر ہوتا ہے، اور خود مخالفتِ عامۂ اُمت خبثِ نفس وشرارت کی علامت ہے، برا جانتے ہیں اور اُنہیں وہابی نجدی فاسد العقیدہ کہتے ہیں، کالسنّۃ و کالواجب جانتے، اور سنت وواجب اعتقاد کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے کہ ہر بچہ بھی جانتا ہے۔

---

(۱) "الفتاوى الهندية"، كتاب الصّلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ۱/۱۳۶۔

(۲) "القنية"، كتاب الصلاة، باب في سجدة التلاوة والشكر، ق۲۱۔

تو عبارتِ ''عالمگیری'' اس مقام پر نقل کرنا نرا مغالطہ، اور بتصریحِ ''عالمگیری'' یہ حکم مباح کا ہے، اور فعلِ (۱) مولِد قربات سے ہے؛ کہ اوہام (۲) وافعالِ عوام سے متروک نہیں ہوتی۔ عبارتِ ''ردّالمحتار'' وامام ابنِ حجر ابھی گزری، اور

---

(۱) اقول: یعنی بخلاف سجدۂ مذکور؛ کہ نہ سجدۂ سہو ہے، نہ سجدۂ تلاوت، نہ سجدۂ شکر، غرض بے سبب محض ہے، ایسا سجدہ اصلاً قربت نہیں، غایت یہ کہ مباح محض ہو، اور شافعیہ کے نزدیک تو مطلقاً حرام ہے، خود اسی عبارتِ ''عالمگیری'' منقولۂ قنوجی کا شروع یوں ہے: أمّا إذا سجد بغير سبب فليس بقربة، ولا مكروه، وما يفعل عقيب الصّلاة مكروه -إلى قوله: وكلّ مباح يؤدّي إليه فمكروه ["الفتاوى الهندية"، كتاب الصّلاة، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة، ١/١٣٦]۔

اسی طرح ''غنیہ شرحِ منیہ'' ["الغنية"، مسائل شتّى، صـ١١٦، ١١٧ بتصرّف] میں ''مجتبیٰ''، پھر ''ردّ المحتار'' ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب سجود التلاوة، مطلب في سجدة الشكر، ٤/٦١٠ بتصرّف] میں ''غنیہ'' سے نقل فرمایا: امام یوسف اردبیلی شافعی ''کتاب الانوار'' میں فرماتے ہیں: ولو سجد إنسان لله تعالى ابتداءً من غير سبب ممّا ذكر عصى۔ ''کمثری'' میں ہے: قوله: ممّا ذكر من الصّلاة والسهو والتلاوة والشكر۔ اسی طرح امام ابنِ حجر مکی نے ''جوہرِ منظّم'' ["الجوهر المنظّم"، الفصل السابع في ما ينبغي فعله...إلخ، صـ٤٥] میں اُس کے حرام ہونے کی تصریح فرمائی۔ عالمِ اہلسنّت مدّ ظلہ العالی۔

(۲) اقول: اوہام وہذیاناتِ عوام پر مدارِ کار ہو تو مستحبات کی باگ جاہلوں کے ہاتھ میں ہو جائے، جس فعلِ مستحب کے ترک پر چاہیں ملامت کردیں، چلیے وہ گناہ وواجب الترک ہوگیا، اس جہالت کی کوئی حد ہے؟! عالمِ اہلسنّت۔

قولِ [(۱)] ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ رئیس المانعین نے اس مغالطہ کی تائید وتقریر میں ذکر کیا) محض بے محل، اسی ''عالمگیری'' وعامہ کتبِ معتمدہ میں ذکرِ خلفائے راشدین وعمّین مکرّمین خطبۂ جمعہ وعیدَین میں [(۲)]، اور رجعتِ قہقری وغیرہ بہت [(۳)] اُمور مطلقاً مستحب ومندوب ٹھہرائے۔

اور وہ [(۴)] جو ''مجالس الابرار'' سے نقل کرتے ہیں کہ: ''بعض فقہا نے بوجہِ

---

(۱) وہ قول یہ ہے: كيف أنتم إذا لبستكم فتنة يهرم فيها الكبير وينشؤ فيها الصغير تجري على النّاس بدعة يتّخذونها سنّة ["المستدرك"، كتاب الفتن والملاحم، ر: ۸۵۷۰، ۸/ ۳۰۵۳ بتصرّف]۔

اقول: اس ارشاد کا حاصل اس قدر کہ زمانۂ فتن میں لوگ بعض بدعتوں کو سنت بنالیں گے، یہ ضرور حق ہے، اب دیکھیے نہ! ذکر شریف حضور پُر نور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے منع کرنا کیسی بدعتِ شنیعہ قطعیہ ہے، دلیلِ چہارم میں بحمد اللہ تعالیٰ بیس وجوہِ قاہرہ سے ثابت کردیا گیا کہ ذکرِ حضور بعینہٖ ذکرِ ربِ غفور ہے، جلّ جلالہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو ذکرِ حضور سے منع ذکرِ خدا سے منع ہے،........ ے پاس موجود نسخہ میں یہ مقام واضح نہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بندش وممانعت میں اُن کا بڑا اس میں بوڑھا ہوتا ہے، اور اُن کا چھوٹا اِسی پر اُٹھان پاتا ہے، سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسے ہی فتنوں سے خبر دے رہے ہیں۔ حضرت عالمِ اہلسنّت۔

(۲) "الهندية"، كتاب الصلاة، الباب السادس عشر في صلاة الجمعة، ۱/ ۱۴۷۔

(۳) حالانکہ اُن کا شیوع والتزام بدیہی، بلکہ ملامتِ تارک بھی حاصل، جس کی ایک حکایتِ عظیمہ ابھی منقول ہوتی ہے۔ حضرت عالمِ اہلسنّت۔

(۴) اقول: اس مغالطہ کی تقریر میں کلامِ فتوجیین مضطرب ہے، صاحبِ ''غاية الكلام'' نے کالسنّۃ وکالواجب سمجھنے پر ملامتِ تارک سے استدلال کیا، اور نواب بھوپالی المآب نے =

=ابتدائے کلام میں مجرّد مداومت وعدمِ ترک کو دلیلِ اعتقادِ سنّیت، اور آخر میں صرف شیوعِ فعل کو مؤدّی با عتقادِ وجوب قرار دیا، اور دونوں بزرگواروں نے مباح وقربت میں تفرقہ نہ کیا، یہ سب جہلِ بے مزہ ہے، مجرّد شیوع تو اصلاً اعتقادِ وجوب سے مس نہیں رکھتا، لاکھوں مباحات شائع ہیں جنہیں کوئی عاقل واجب کیا مستحب تک نہیں جانتا، اور اگر شیوع منجر بہ اعتقادِ وجوب ہو تو مستحبات، بلکہ سنن کی اِشاعت بھی جرم ٹھہرے، یہ حقیقۃً شارع صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اعتراض، اور مقصدِ شرع سے صریح مضادت واِعراض ہے۔

شرعِ مطہّر نے سنن ومستحبات کی ترغیب اسی لیے کی کہ مسلمان اُن پر کار بند ہوں، نہ اس لیے کہ شاذ، نادر، اَحیاناً کوئی کبھی کرلے، اُن کا شیوع نہ ہونے پائے، ورنہ عقیدے بگڑ جائیں گے، ایسا تھا تو وہ ترغیبات خصوصاً جس قدر بقوّت ہوں گی، اپنے مقصود پر عائد بالنقض ہوں گی؛ کہ ترغیب اِشاعت چاہے گی، اور مقصود اُس کا منع ہے، ہزار ہا سنن ومستحبات قرونِ سابقہ سے آج تک شائع ہیں، کسی عاقل کو بھی یہ وہم جاگا کہ اب اُن سے ممانعت کی جائے؟!؛ کہ شیوع ہوگیا، واجب ٹھہر جائیں گے۔

اذان واِقامت وسننِ راتبہ فجر وظہر ومغرب وعشا بھی آخر واجب نہیں، اور کس قدر عام طور پر تمام بلادِ اسلام میں شائع ہیں، اِنہیں بھی بند کیجیے! یا یہ نیا شگوفہ صرف مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکرِ پاک بند کرنے کے لیے گڑھا گیا ہے؟! یہیں سے ظاہر ہوا کہ وہ جو صاحبِ ''مجالس'' سے نقل کیا: أفتى بعض الفقهاء حين شاع صوم الأيّام البيض في زمانه بكراهة؛ لئلاّ يؤدّي إلى اعتقاد الواجب، مع أنّ صوم أيّام البيض مستحبٌ ورد فيه أخبار كثيرة، یعنی جب بعض فقہا کے زمانے میں ایامِ بیض کے روزے شائع ہوئے، اس بعض نے اُنہیں مکروہ کردیا؛ کہ شیوع سے اعتقادِ وجوب نہ پیدا ہو، حالانکہ یہ روزے مستحب ہیں، جن میں بہت حدیثیں وارد ہیں۔

یہ نقل اگر بعض فقہا پر مکذوب نہیں صریح مردود ہے، ان روزوں اور اِن کی اَمثال اور=

= قرباتِ غیرِ واجبہ کا شیوع آج سے نہیں ہمیشہ سے ہے، تو یہ حکمِ کراہت صراحۃً خلافِ اجماع وواجب الرّد ہے۔ صاحبِ ''مجالس'' کی نقل اگر سچی بھی ہو تو معلوم نہیں کہ اُس نے بعض فقہا کس کو کہا، اور وہ شخص کہاں تک نامِ فقیہ کا مستحق اور کس مذہب، کس پائے کا تھا، اسی لیے تو علما تصریح فرماتے ہیں کہ مجہول کا قول مقبول نہیں۔

كما نصّ عليه العلاّمة قاسم في "تصحيح القدوري"، والعلاّمة الشامي في "ردّ المحتار" وفي "العقود الدريّة" وغير ذلك، خصوصاً لفظِ بعض سے تعبیر کرنا خود ہی بتارہا ہے کہ وہ خلافِ جمہور ونا معتمد ونا قابلِ عمل ہے۔ ''درِ مختار'' میں ہے: لو بقي حرف أو كلمة فأتمّه حال الانحناء، لا بأس به عند البعض ["الدرّ المختار"، كتاب الصّلاة، با ب صفة الصّلاة، فصل إذا أراد الشروع...إلخ، ۳۰٦/۳ بتغيّر] ''ردّ المحتار'' میں ہے: أشار بهذا إلى أنّ هذا القول خلاف المعتمد ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب صفة الصّلاة، مطلب: قراءة البسملة...إلخ، ۳۰٦/۳] اُسی میں ہے: مراده بهذا النقل أن يبيّن أنّ ما في "مجمع الأنهر" ["مجمع الأنهر"، كتاب الصلاة، باب صلاة الخوف، ۲٦۱/۱] لا يعمل به؛ لأنّه قول البعض ["ردّ المحتار"، كتاب الصّلاة، باب صلاة الخوف، ۱۷٥/٥]۔ ایسے قولِ مہجور ومرجوح ومطروح سے خصم کے مقابل استناد جناب نواب بھوپالی المآب ہی کی شان ہے۔

مداومت والتزام قربات میں خود مطلوبِ شرع ہیں، ''صحیحین'' میں اُمّ المؤمنین صدّیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ((أحبّ الأعمال إلى الله أدومها وإن قلّ)) ["صحيح مسلم"، كتاب صلاة المسافرين، باب فضيلة العمل الدائم...إلخ، ر: ۱۸۳۰، صـ۳۱۸، و"صحيح البخاري"، كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبي...إلخ، ر: ٦٤٦٤، صـ۱۱۲۱ بتغيّر]، ''اللہ عزّ وجلّ کو سب سے زیادہ پسند وہ عمل ہے کہ ہمیشہ ہو اگرچہ تھوڑا ہو''۔ ''صحیح مسلم'' و''سننِ =

= ابی داوٗد'' میں اُنھیں سے ہے: كان رسول الله ـصلّى الله تعالى عليه وسلّم ـ إذا عمل عملاً أثبته ["صحيح مسلم"، كتاب صلاة المسافرين، باب جامع صلاة الليل...إلخ، ر: ١٧٤٤، صـ٣٠٣، و"سنن أبي داود"، كتاب التطوّع، باب ما يؤمر به من القصد في الصّلاة، ر: ١٣٦٨، صـ٢٠٤ بتصرّف] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب کوئی عمل کرتے اُسے ہمیشہ نباہتے، احادیث اِس باب میں حدِ تواتر پر ہیں۔

''صحاح'' میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: ((ما يكفيك من كلّ شهر ثلاثة أيّام)) ، ''کیا تمھیں ہر مہینے میں تین روزے کافی نہیں ہیں؟!'' عرض کی: یارسول اللہ! یعنی میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، حضور بڑھائیں! فرمایا: ''پانچ''، عرض کی: یارسول اللہ!، فرمایا: ''سات''، عرض کی: یارسول اللہ! فرمایا: ''نو''، عرض کی: یارسول اللہ! فرمایا: ''گیارہ''، عرض کی: یارسول اللہ! فرمایا: ''تو صومِ داود رکھو! ایک دن روزہ، ایک دن اِفطار''، عرض کی: مجھے اس سے افضل کی طاقت ہے، فرمایا: ((لا أفضل من ذلك))، اس سے افضل کچھ نہیں، ((واقرأ القرآن في كلّ شهر)) ''ہر مہینے میں ایک ختم کیا کرو!'' عرض کی: یا نبی اللہ! فرمایا: ''تو ہر بیس دن میں'' عرض کی: یا نبی اللہ! فرمایا: ''تو ہر دس دن میں''، عرض کی: یا نبی اللہ! فرمایا: ((فاقرأه في سبع، ولا تزد على ذلك)) ''تو سات دن میں ختم کیا کرو، اور اس پر نہ بڑھاؤ!'' ((إنّك لا تدري لعلّك يطول بك عمر)) ''تمھیں کیا خبر شاید تمھاری عمر طویل ہو'' یعنی اُس وقت نہ نبھ سکے گا، عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: وہی ہوا جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں عمرِ طویل کو پہنچا، فلمّا كبرتُ وددتُ إنّي كنتُ قبلتُ رخصة نبي الله صلّى الله تعالى عليه وسلّم ["صحيح مسلم"، كتاب الصيام، باب النهي عن صوم الدهر لمَن تضرر به...إلخ، ر: ٢٧٣٠، ٢٧٤١، صـ٤٧٣، ٤٧٥، ٤٧٦، و"صحيح البخاري"، كتاب الاستئذان، باب من ألقي له وسادة، ر: ٦٢٧٧، صـ١٠٩٣، و"سنن النسائي"، كتاب الصيام، =

= باب صوم خمسة أيام من الشهر، ر: ۲۳۹۸، الجزء الرابع، صـ۲۲۱، ۲۲۲]، وفي رواية: ياليتني! أخذتُ بالرخصة ["صحيح مسلم"، كتاب الصيام، باب النهي عن صوم الدهر لمَن تضرّر به...إلخ، ر: ۲۷٤۳، صـ٤٧٦]، اُس وقت مجھے تمنا ہوئی کاش! میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رخصت قبول کر لی ہوتی۔

اس حدیثِ جلیل کا حرف حرف جیسا التزامِ قربات پر دلیلِ باہر ہے، ہر ذی علم، بلکہ ہر ذی فہم پر ظاہر ہے، اوّل تو خود ہی ارشاداتِ عالیہ میں جا بجا لفظ: ((کلّ)) موجود کہ ہر مہینے اتنے روزے رکھو! ہر مہینے میں ایک ختم کرو! ہر بیس دن میں، ہر دس دن میں، پھر التزام کا ایسا اہتمام نہ ہوتا تو ارشاد میں بتدریج زیادت کی کیا حاجت تھی؟! اور اِن الفاظِ کریمہ کا کیا محصل ہوتا کہ اس سے نہ بڑھاؤ، شاید عمرِ طویل پاؤ؟ عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بوڑھے ہوئے، جوانی کا زور و جوش کہاں؟! ''کاش'' کہہ کہہ کر تمنائیں کرتے ہیں کہ اُس وقت رخصت مان لیتا تو کیا اچھا ہوتا! مگر جتنا وِرد روزہ وتلاوت میں مقرر فرما لیا اُس کا ترک گوارا نہیں کرتے۔

اِسی التزام سے ہے شاہ عبدالرحیم والدِ شاہ ولی اللہ کی وہ حکایت جو اُنہوں نے ''درّ الثمین'' و''اِنتباہ'' و''اَنفاس العارفین'' وغیرہا میں اُن سے نقل کی کہ: ''ایامِ وفاتِ اقدس میں کچھ کھانا حضور پُر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیاز کا پکایا کرتے، ایک سال کچھ نہ ملا، بھنے چنوں اور گڑ پر نیاز کردی، نہایت مقبولِ بارگاہِ بے کس پناہ ہوئی'' ["الدرّ الثمین"، الحديث الثاني والعشرون، صـ٦١] یہی شاہ صاحب ''ہمعات'' میں لکھتے ہیں: ''ازینجاست حفظِ اَعراسِ مشائخ، ومواظبتِ زیارت قبورِ ایشان، والتزامِ فاتحہ خواندن، وصدقہ دادن برائے ایشان'' ["همعات"، همعه ۱۱، صـ٥٨] نیز ''انتباہ'' میں ختمِ خواجگان کی ترکیب لکھ کر کہتے ہیں: ''ختم تمام کنند و برقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگانِ چشت عموماً بخوانند، وحاجت از خدائے تعالیٰ سوال نمایند، ہمیں طور ہر روز بخوانده باشند'' ["الانتباه في سلاسل أولياء"، ذكر طريقة ختم خواجگان چشت، صـ١١٤ بتصرّف]۔ ان احکام کو دیکھیے! اور شاہ صاحب کو فسادِ عقیدہ کا=

=دائی مانیے!۔

رہی ملامتِ تارک کہ قنوجی غایتی نے گڑھی، ترک اگر بربنائے منع وانکار ہوتو ضرور قابلِ ملامت ہے، اگرچہ فعل محض مباح ہی ہو؛ کہ مباح کوممنوع بتانا شرعِ مطہر پر تہمت اُٹھانا ہے، اور وہ سخت حرام وواجب الملام ہے، قال الله تعالی: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ [پ ١٤، النحل: ١١٦]، اوراگر بے منع ہوتو یا ترک اصلی ہے یعنی سرے سے اس فعل کو کیا ہی نہیں، اس پر ما نحن فیه میں وقوعِ ملامت محض اِفترا وتہمت، لاکھوں آدمی مجلسِ شریف نہیں کرتے، اُنہیں کون برا کہتا ہے؟! اور اگر طاری ہو، یعنی کرتے ہوئے چھوڑ دینا تو ایسا ترک اُمورِ قربت میں ضرور مستحقِ ملامت ہے، اوراُسے اعتقادِ وجوب یاسنیت سے ہرگز علاقہ نہیں۔

''صحیحین'' میں اُنہیں عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: ((یا عبدالله! لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترك قیام اللیل)) ["صحیح البخاري"، کتاب التهجّد، باب ما یکره مَن ترك قیام اللیل...إلخ، ر: ١١٥٢، صـ١٨٤، و"صحیح مسلم" کتاب الصیام ، باب النهي عن صوم الدهر لم تضرر به...إلخ، ر: ٢٧٣٣، صـ٤٧٤]، ''اے عبداللہ! فلاں شخص کی طرح نہ ہونا، وہ رات کو اُٹھ کر کچھ نفل پڑھا کرتا تھا، پھر چھوڑ دیئے''۔ امام نووی ''شرح صحیح مسلم شریف'' اُس تمنائے عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شرح میں کہ ''کاش! میں نے رخصت قبول کرلی ہوتی'' فرماتے ہیں:

معناه أنّه کبر وعجز عن المحافظة علی ما التزمه ووظفه علی نفسه عند رسول الله صلّی الله تعالی علیه وسلّم، فشقّ علیه فعله، ولا یمکنه ترکه؛ لأنّ النّبي ـصلّی الله تعالی علیه وسلّم ـ قال له: ((یا عبدالله! لا تکن مثل فلان کان یقوم اللیل فترك قیام اللیل))، وفي هذا الحدیث وکلام ابن عمر أنّه ینبغي الدوام علی ما صار عادة من الخیر، ولا یفرط فیه ["شرح صحیح مسلم" للنووي، کتاب الصیام ، باب النهي عن =

شیوع روزہ ایامِ بیض کے اپنے زمانہ میں کراہت کا حکم دیا'' اُن فقیہ صاحب یا مصنفِ ''مجالس الابرار'' کا کلام کس نے قبول کیا؟! کیا صیامِ بیض باوجودیکہ قرونِ قدیمہ سے شائع، اور ہمارے عصر میں بھی صدہا ہزار ہا آدمی اُن کا التزام کرتے ہیں، رئیس المانعین کے نزدیک مکروہ ہیں؟ قولِ صاحبِ ''مجالس الابرار'' مباحثہ میں پیش کرنا، جس کی روایت ودرایت پر مخالفین کو ہرگز اعتبار واعتماد نہیں، ایک عجیب بات ہے، اور حوالہ ابنِ قیم ظاہری کا اُس سے زیادہ عجیب۔

گیارھواں مغالطہ کہ اِنہیں بزرگوار نے بایں الفاظ لکھا: ''افعالِ(۱) مکلّفین باعتبارِ شرع دو قسم اند: مشروع وغیر مشروع، ومشروع آنست کہ از ادلۂ شرع ثابت گردد، وغیرِ مشروع بخلاف آنست، وعدمِ ثبوت این عمل از ادلۂ شرع بالامبین گردیده، پس غیر مشروع بود، و ادنیٰ غیرِ مشروع مکروہ باشد، في "خلاصة الكيداني" غير المشروع نوعان محرّم ومكروه''۔

= صوم الدهر لمَن تضرّر به...إلخ، الجزء الثامن، صـ۴۳]، یعنی بڑھاپے میں اگرچہ اس ورد کا التزام مشقت رکھتا تھا، مگر چھوڑ نا ممکن نہ تھا؛ کہ بعدِ شروع ترک پر ملامت سن چکے تھے۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ اُمورِ خیر پر مداوَمت چاہیے، اور کبھی اُن میں کمی نہ کریں۔ امام محمود عینی ''عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری'' ["عمدة القاري شرح صحيح البخاري"، كتاب الإيمان، باب أحبّ الدين إلى الله أدومه، تحت ر: ۴۳، ۱/۳۸۰] میں فرماتے ہیں: قد ذمّ الله تعالى مَن التزم فعل البرّ، ثمّ قطعه، بقوله تعالى: ﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ۨابْتَدَعُوْهَا﴾ [پ۲۷، الحديد: ۲۷]۔

(۱) یہ حاشیہ دستیاب نہ ہوسکا۔

اقول: مشروعیت عملِ مولِد کی اور ثبوت اُس کا قرآن وحدیث ودیگر ادلۂ شرع سے سابق گزرا، اور مشروع کو بزورِ زبان غیرِ مشروع ٹھہرانا، اور مردود مضمون کو دوبارہ پیش کرنا، اور اُسے[1]....۔

(۱) اس کے مابعد عبارات میسر نہ آسکیں، لہٰذا ہماری اس طباعت میں رسالہ "إذاقة الأثام" یہیں پر منتہی ہوا۔

فہرست آیاتِ قرآنیہ

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِن م بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْراً	۵	النساء	۱۱۵	۲۰۹
وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ	۵	النساء	۱۱۵	۵۵
لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلاَّ قَلِيْلاً	۵	النساء	۱۴۲	۱۵۸
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	۶	المائدة	۳	۱۷۰،۱۷۲
اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْناً	۶	المائدة	۳	۱۷۰
فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ	۶	المائدة	۲۴	۱۳۳
إِنَّمَا جَزَآءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	۶	المائدة	۳۳	۱۳۲
كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ	۶	المائدة	۷۹	۲۴۹
فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ	۷	المائدة	۹۱	۲۴۰

يَأْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَآئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْاَغْلَالَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ	۹	الأعراف	۱۵۷	۹۴
عَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ	۹	الأعراف	۱۵۷	۱۰۱
وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعاً وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ	۹	الأعراف	۲۰۵	۲۸۰
قُلِ الْاَنفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ	۹	الأنفال	۱	۱۳۱
مَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ	۹	الأنفال	۱۳	۱۳۲
فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى	۹	الأنفال	۱۷	۱۳۱
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ	۹	الأنفال	۲۴	۱۳۳
لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ	۹	الأنفال	۲۷	۱۳۲
وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ	۹	الأنفال	۳۳	۹۴
لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ	۱۰	التوبة	۲۹	۱۳۳

فہرستِ احادیث

مآخذ ومراجع

ـ أحكام الأحكام۔

ـإحياء علوم الدين، الغزالي (ت٥٠٥هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٠٦هـ، ط١۔

ـ الاختيار لتعليل المختار، الموصلي (ت٦٨٣هـ)، تحقيق عبداللطيف محمد عبدالرحمن، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤١٩هـ، ط١۔

ـ الأدب المفرَد، البخاري (ت٢٥٦هـ)، تحقيق عادل سعد، مكة المكرمة، مكتبة نزار مصطفى الباز ١٤٢٥هـ ط١۔

ـ الدرر السنيّة في الردّ على الوهابية ، أحمد بن زيني دحلان (ت١٣٠٤هـ)۔

ـ الأذكار من كلام سيّد الأبرار، النووي (ت٦٧٦هـ)، جدّة: دار المنهاج، ١٤٢٥هـ، ط١۔

ـ إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، القسطلاني (ت٩٢٣هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤٢١۔

ـ الأشباه والنظائر، ابن نجيم (ت٩٧٠هـ) تحقيق الدكتور محمد مطيع الحافظ، دمشق: دار الفكر ١٩٩٩م ۔

ـ أشعّة اللمعات في شرح المشكاة، الشيخ عبدالحق المحدّث الدهلوي (ت١٠٥٢هـ)، نولكشور: مطبع نامي۔

ـ الانتباه في سلاسل أولياء، الشاه ولي اللّٰه الدهلوي (ت١١٧٦هـ)، فيصل

آباد: كتب خانه علوية رضوية.

ـ أنوارالتنزيل وأسرار التأويل، البيضاوي (ت٦٨٥هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي١٣١٧هـ ط١ (طبع مع مجموعة التفاسير) ـ

ـ البحر الرائق، زين بن إبراهيم ابن نجَيم (ت ٩٧٠هـ)، تحقيق الشيخ زكريا عميرات، كوئتة: مكتبة رشيدية.

ـ بدائع الصنائع، الكاساني (ت٥٨٧هـ)، تحقيق محمد عدنان بن ياسين درويش، بشاور: المكتبة الحقّانية.

ـ تاريخ ابن النجار (ت٦٤٣هـ)، تحقيق صدقي محمد جميل العطّار، بيروت: دار الفكر١٤٢٤هـ ط١ـ

ـ تاريخ دمشق، ابن عساكر (ت٥٧١هـ)، تحقيق علي شيري، بيروت: دار الفكر١٤١٩هـ، ط١ـ

ـ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق، الزَيلعي (ت٧٦٢هـ)، كوئتة: دار الإشاعة العربية.

ـ التجنيس والمزيد، المَرغيناني (ت٥٩٢هـ)، تحقيق الدكتور محمد أميّه المكيّ، كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية١٤٢٤هـ، ط١ـ

ـ تحرير الأصول، ابن الهمام (ت٨٦١هـ)، بيروت: دار الفكر١٤١٧هـ، ط١ـ

ـ تحفة الأخيار على الدرّ المختار، إبراهيم الحلبي (ت٩٥٦هـ)، مخطوط.

ـ تحفة أثناء عشرية، عبد العزيز الدهلوي (ت١٢٣٩هـ)، لاهور: سهيل

أكادمي ١٣٩٥هـ، ط١.

ـ الترغيب، أبو القاسم (ت٥٣٥هـ).

ـ الترغيب في فضائل الأعمال، ابن شاهين (ت٣٨٥هـ)، تحقيق صالح أحمد مصلح الوعيل، السعودية: دار ابن الجوزي ١٤٢٠هـ.

ـ تفسير فتح العزيز، عبد العزيز الدهلوي (ت١٢٣٩هـ)، پشاور: قديمي كتب خانه.

ـ التقرير والتحبير في شرح التحرير، ابن أمير الحاج (ت٨٧٩هـ)، بيروت: دار الفكر١٤١٧هـ ط١.

ـ تلخيص الحبير، العسقلاني (ت٨٥٢هـ)، تحقيق السيّد عبدالله هاشم اليماني المدني، المدينة المنورة١٣٨٤هـ.

ـ التلويح، السعد التفتازاني (ت٧٩١هـ)، تحقيق محمد عدنان درويش، بيروت: دار الأرقم١٤١٩هـ ط١.

ـ تنبيه السفيه.

ـ التنقيح، صدر الشريعة (ت٧٤٧هـ)، تحقيق محمد عدنان درويش، بيروت: دار الأرقم١٤١٩هـ، ط١.

ـ التوبيخ والتنبيه، أبو الشيخ الأصبهاني (ت٣٦٩هـ).

ـ التيسير في شرح الجامع الصغير، المناوي (ت١٠٣١هـ)، تحقيق الدكتور مصطفى محمد الذهبي، مصر: دار الحديث١٤٢١هـ ط١.

ـ جامع الترمذي (ت٢٧٩هـ)، الرياض: دار السلام١٤٢٠هـ، ط١.

ـ جامع الرموز، القُهُستاني (ت٩٥٥هـ)، كراتشي: أيج أيم سعيد كمبني.

ـ الجامع الصغير، محمد الشيباني (ت١٨٩هـ)، كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية ١٤١١هـ.

ـ جواهر الأخلاطي، إبراهيم الأخلاطي، مخطوط.

ـ الجوهر المنظَّم، الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، لاهور: الإدارة المركزية لإشاعة القرآن والسنّة ١٤٠٥هـ.

ـ حاشية الطحطاوي على الدرّ المختار، السيّد أحمد الطحطاوي (ت١٢٣١هـ)، كوئته: المكتبة العربية.

ـ الحاوي للفتاوى، السيوطي (ت٩١١هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٤هـ.

ـ الحديقة الندية، النابلسي (ت١١٤٣هـ)، مصر: دار الطباعة العامرة ١٢٩٠هـ.

ـ حلبي صغير، إبراهيم الحلبي (ت٩٥٦هـ)، استنبول.

ـ حلبة المجلّي، ابن أمير الحاج (ت٨٧٩هـ)، مخطوط.

ـ حلية الأولياء وطبقات الأصفياء، أبو نعيم الأصفهاني (ت٤٣٠هـ)، تحقيق مصطفى عبد القادر عطا، بيروت: دار الكتب العلمية ١٤٢٣هـ.

ـ خزانة الفتاوى، أحمد بن محمد الحنفي (ت٥٢٢هـ)، مخطوط.

ـ خلاصة الفتاوى، طاهر البخاري (ت٥٤٢هـ)، بشاور: مكتبة القرآن والسنّة.

ـ خير الجاري شرح صحيح البخاري، يعقوب البمباني.

ـ الدرّ الثمين، الشاه ولي اللّٰه الدهلوي (ت١١٧٦هـ)، كراتشي: مير محمد كتب خانه۔

ـ الدرّ المختار شرح تنوير الأبصار، الحصكفي (ت١٠٨٨هـ)، بلوچستان: أمين كتب خانه، ودمشق: دار الثقافة والتراث، وبولاق: دار الطباعة المصرية۔

ـ دلائل الخيرات، الجزولي (ت٨٧٠هـ)، فيضان سنجري فاؤنڈيشن ٢٠٠٥ (مطبوع مع مجموعة وظائف)۔

ـ ديوان حسّان بن ثابت الأنصاري (ت٥٤هـ)، مير محمد كتب خانه، (مطبوع مع شرحه)۔

ـ الذخيرة البرهانية، محمود البخاري (ت٦١٦هـ)، مخطوط۔

ـ ذمّ الغيبة والنميمة، لابن أبي الدنيا (ت٢٨١هـ)۔

ـ ردّ المحتار، ابن عابدين الشامي (ت١٢٥٢هـ)، تحقيق الدكتور حسام الدين فرفور، دمشق: دار الثقافة والتراث١٤٢١هـ، ط١، وبولاق: دار الطباعة المصرية۔

ـ رمز الحقائق شرح كنز الدقائق، العيني (ت٨٥٥هـ)، كوئٹه: المكتبة الحبيبة۔

ـ سبل الهدى والرشاد في سيرة خير العباد، الإمام يوسف الشامي (ت٩٤٢هـ)، تحقيق الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، بيروت: دار الكتب العلمية١٤١٤هـ، ط١۔

ـ سرور القلوب بذكر المحبوب، نقي علي خان (ت١٢٩٧هـ)، لاهور: شبير برادرز١٤٠٥هـ، ط٣ـ

ـ سنن أبي داود (ت٢٧٥هـ)، الرياض: دار السّلام١٤٢٠هـ، ط١ـ

ـ سنن ابن ماجه (ت٢٧٥هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢١هـ، ط١ـ

ـ سنن الدارمي (ت٢٥٥هـ)، تحقيق فواز أحمد زمرلي، بيروت: دار الكتاب العربي١٤٠٧هـ، ط١ـ

ـ سنن سعيد بن منصور (ت٢٢٧هـ)، تحقيق سعد بن عبد اللّٰه بن عبد العزيز آل حميد، الرياض: دار العصيمي١٤١٤هـ ط١ـ

ـ السنن الكبرى، البيهقي (ت٤٥٨هـ)، ملتان: إداره تاليفات أشرفية۔

ـ السنن الكبرى، النَسائي (ت٣٠٣هـ)، تحقيق عبدالغفّار سليمان البنداري، بيروت: دار الكتب العلمية١٤١١هـ، ط١ـ

ـ سنن النَسائي (ت٣٠٣هـ)، تحقيق صدقي جميل العطّار، بيروت: دار الفكر١٤٢٥هـ۔

ـ الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، قاضي عياض (ت٥٤٤هـ)، تحقيق عبد السلام محمد أمين، بيروت: دار الكتب العلمية١٤٢٢هـ ط٢ـ

ـ شرح الزرقاني على الموطّأ، الزرقاني (ت١١٢٢هـ)، بيروت: دار الجيل۔

ـ شرح سِفر السعادة، الشيخ عبدالحق المحدّث الدهلوي (ت١٠٥٢هـ)، سكهر: مكتبه نوريه رضويه ١٣٩٨هـ، ط٤ـ

ـ شرح السنّة، البغوي (ت٥١٦هـ)، تحقيق سعيد محمد اللحّام، بيروت: دار الفكر١٤١٩هـ.

ـ شرح الطحاوي، الإسبيجابي (ت٥٣٥هـ).

ـ شُعب الإيمان، البيهقي (ت٤٥٨هـ)، تحقيق حمدي الدمرداش محمد العدل، بيروت: دار الفكر ١٤٢٤هـ، ط١.

ـ شرح عين العلم وزين الحلم، القاري (ت١٠١٤هـ)، بيروت: دار المعرفة.

ـ شرح معاني الآثار، الطحاوي (ت٣٢١هـ)، تحقيق إبراهيم شمس الدين، كراتشي: قديمي كتب خانه.

ـ شرح المقاصد، التفتازاني (ت٧٩٣هـ)، تحقيق الدكتور عبد الرحمن عميرة، منشورات الشريف الرضي ١٤٠٩هـ، ط١.

ـ شرح النقاية، البرجندي (ت٩٣٢هـ)، لكنؤ، نولكشور.

ـ شرح الوقاية، صدر الشريعة (ت٧٤٧هـ)، بشاور: مكتبة علوم إسلامية.

ـ صحيح ابن حِبّان (ت٣٥٤هـ)، بيروت: بيت الأفكار الدولية٢٠٠٤م.

ـ صحيح ابن خزيمة (ت٣١١هـ)، تحقيق محمد مصطفى الأعظمي، بيروت: المكتب الإسلامي ١٣٩٠هـ.

ـ صحيح البخاري (ت٢٥٦هـ)، الرياض: دار السّلام١٤١٩هـ، ط٢.

ـ صحيح مسلم (ت٢٦١هـ)، الرياض: دار السّلام ١٤١٩هـ، ط١.

ـ الضعفاء الكبير، العقيلي (ت٣٢٢هـ) تحقيق الدكتور عبد المعطي أمين قلعجي، بيروت: دار الكتب العلمية١٤٠٤هـ ط١.

ـ الطريقة المحمدية، البركلي (ت٩٨١هـ)، مصر: دار الطباعة العامرة ١٢٩٠هـ.

ـ عقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، ابن عابدين الشامي (ت١٢٥٢هـ)، مصر: المطبعة الميمنية١٣٠٦هـ.

ـ عمدة القاري، العيني (ت٨٥٥هـ)، تحقيق صدقي جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤١٨هـ، ط١.

ـ العناية شرح الهداية، أكمل الدين البابرتي (ت٧٨٦هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي (هامش "فتح القدير").

ـ عين العلم وزين الحلم، محمد بن عثمان البلخي (ت٨٣٠هـ)، بيروت: دار المعرفة (مطبوع مع شرحه).

ـ الغاية شرح الهد اية، إبراهيم السروجي (ت٧١٠هـ).

ـ غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، الحموي (ت١٠٩٨هـ)، بيروت: دار الكتب العلمية١٤٠٥هـ، ط١.

ـ غنية ذوي الأحكام، الشرنبلالي (ت١٠٦٩هـ)، إستانبول (هامش "درر الحكّام").

ـ الغنية لطالبي طريق الحقّ عزّ وجل، الجيلاني (ت٥٦١هـ)، تحقيق أبو عبد الرحمن عويضة، بيروت: دار الكتب العلمية١٤١٧هـ، ط١.

ـ غنية المتملي في شرح منية المصلّي، إبراهيم الحلبي (ت٩٥٦هـ)، لاهور: سهيل أكادمي.

ـ الفتاوى البزا زية، الكردري (ت٨٢٧هـ)، بشاور: المكتبة الحقانية۔

ـ الفتاوى الخانية، الإمام قاضي خان (ت٥٩٢هـ)، بشاور: المكتبة الحقانية۔

ـ الفتاوى الكبرى الفقهيّة، ابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، القاهرة: مكتبة ومطبعة المشهد الحسيني۔

ـ الفتاوى الهندية، الشيخ نظام (ت١١٦١هـ) وجماعة من علماء الهند الأعلام، بشاور: المكتبة الحقّانية۔

ـ فتح الباري شرح صحيح البخاري، العسقلاني (ت٨٥٢هـ)، تحقيق عبد العزيز بن الباز، القاهرة: دار الحد يث١٤٢٤هـ۔

ـ فتح القدير، ابن الهمام (ت٦٨١هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي۔

ـ فتح المبين لشرح الأربعين، ابن حجر الهيتمي (ت٩٧٤هـ)، مصر: دار إحياء الكتب العربية۔

ـ الفردوس بمأثور الخطاب، الديلمي (ت٥٠٩هـ)، تحقيق السعيد بن بسيوني زغلول، بيروت: دار الكتب العلمية ١٩٨٦م، ط١ـ

ـ فيوض الحرمين (مترجم بالأردية)، شاه ولي الله المحدّث الدهلوي (ت١١٧٦هـ)، كراتشي: دار الإشاعة ١٤١٤هـ، ط١ـ

ـ قنية المنية لتتميم الغنية، الزاهدي (ت٦٥٨هـ)، مخطوط۔

ـ القول الجميل (مترجم بالأردية)، شاه ولي الله (ت١١٧٦هـ)، لاهور: مكتبة رحمانية، أُردو بازار۔

ـ الكافي، النسفي (ت ٧١٠ هـ)، مخطوط۔

ـ كتاب التحقيق، عبد العزيز البخاري (ت٧٣٠هـ)، كراتشي: مير محمد كتب خانه۔

ـ كتاب المجروحين من المحدّثين والضعفاء والمتروكين، ابن حبان (ت٣٥٤هـ)، تحقيق محمود إبراهيم زايد، بيروت: دار المعرفة ١٤١٢هـ۔

ـ كشف الخفاء ومزيل الإلباس، العجلوني (ت١١٦٢هـ)، تحقيق الشيخ يوسف الحاج أحمد، دمشق: مكتبة العلم الحديث١٤٢٢هـ ط١۔

ـ كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، حاجي خليفة (ت١٠٦٧هـ)، بيروت: دار الفكر ١٤١٩هـ۔

ـ كنز العمّال في سنن الأ قوال والأفعال، المتقي الهندي (ت٩٧٥هـ)، تحقيق محمود عمر الدمياطي، بيروت: دار الكتب العلمية١٤٢٤هـ۔

ـ كلمة الحق، بهوپالي (ت١٣٠٧هـ)۔

ـ ما ثبت من السُنّة في أيّام السَنة، الشيخ المحقّق عبدالحقّ المحدّث الدهلوي (ت١٠٥٢هـ)، لاهور: إدارهٔ نعيِميه رضويه سواد أعظم، ط٢ (طبع مع ترجمته المسمّى بـ"ما أنعم على الأمّة")۔

ـ مأة مسائل، إسحاق الدهلوي ۔

ـ مجمع بحار الأنوار في غرائب التنزيل ولطائف الأخبار، الفتني (ت٩٨٦هـ)، المدينة المنورة: مكتبة دار الإيمان١٤١٥هـ، ط٣۔

ـ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، الهيثمي (ت٨٠٧هـ)، تحقيق محمد

عبدالقادر أحمد عطا، بيروت: دار الكتب العلمية١٤٢٢هـ، ط١۔

۔ المحلّی، ابن حزم (ت٤٥٦هـ)، بيروت: دار الآفاق الجديدة۔

۔ محيط السرخسي (ت٤٨٣هـ)، مخطوط۔

۔ مدارج النبوّت (فارسی)، الشيخ المحقّق عبدالحقّ المحدّث الدهلوي (ت١٠٥٢هـ)، لاهور: نوريه رضويه پبلشنگ كمبني ١٩٧٧م، ط١۔

۔ مدارك التنزيل وحقائق التأويل، النسفي (ت٧١٠هـ)، تحقيق الشيخ زكريا عميرات، بشاور: مكتبة القرآن والسنّة۔

۔ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، القاري (ت١٠١٤هـ)، تحقيق صدقي محمد جميل العطار، بيروت: دار الفكر ١٤١٢هـ۔

۔ المستدرَك على الصحيحَين، الحاكم (ت٤٠٥هـ)، تحقيق حمدي الدمراش محمد، مكّة المكرّمة: مكتبة نزار مصطفى الباز١٤٢٠هـ، ط١۔

۔ المسلك المتقسّط في المنسك المتوسّط شرح لباب المناسك"، القاري (ت١٠١٤هـ)، كراتشي: إدارة القرآن والعلوم الإسلامية ١٤٢٥هـ، ط٢۔

۔ مسلّم الثبوت، البهاري (ت١١١٩هـ)، لكنؤ، نولكشور (مطبوع مع شرحه "فواتح الرحموت")۔

۔ المسند، أحمد بن حنبل (ت٢٤١هـ)، تحقيق صدقي محمد جميل العطّار، بيروت: دار الفكر ١٤١٤هـ، ط٢۔

۔ مسند إسحاق بن راهويه (ت٢٣٨هـ)، تحقيق عبد الغفور عبد الحق

حسين بر البلوشي، المدينة المنورة: مكتبة الإيمان ١٩٩٥م، ط١۔

۔ مسند البزّار (ت٢٩٢هـ)، تحقيق محفوظ الرحمن زين اللّٰه، بيروت: مؤسّسة علوم القرآن ١٤٠٩هـ، ط١۔

۔ مسند أبي داود الطيالسي (ت٢٠٤ هـ)، بيروت: دار المعرفة۔

۔ مسند الإمام الشافعي (ت٢٠٤هـ)، تحقيق سعيد محمد اللحام، بيروت: دار الفكر١٤١٧هـ ط١۔

۔ مسند أبي يعلى، الموصلي (ت٣٠٧هـ)، تحقيق ظهير الدين عبد الرحمن، بيروت: دار الفكر١٤٢٢هـ ط١۔

۔ مشكاة المصابيح، التبريزي (ت٧٤٠هـ)، تحقيق سعيد محمد اللحام، بيروت: دار الفكر ١٤١١هـ ط١۔

۔ المصنّف، ابن أبي شَيبة (ت٢٣٥هـ)، تحقيق كمال يوسف الحوت، الرياض: مكتبة الرشد ١٤٠٩هـ، ط١۔

۔ المصنّف، عبد الرزاق الصَنعاني (ت٢١١هـ)، تحقيق حبيب الرحمن الأعظمي، بيروت: المكتب الإسلامي١٤٠٣هـ، ط٢۔

۔ معالم التنزيل، البغوي (ت٥١٦هـ)، تحقيق خالد عبد الرحمن العك، ملتان: إدارة تاليفات أشرفية١٤٢٥هـ۔

۔ المعجم الأوسط، الطبراني (ت٣٦٠هـ)، تحقيق محمد حسن محمد حسن إسماعيل الشافعي، بيروت: دار الفكر ١٤٢٠هـ، ط١۔

۔ المعجم الصغير، الطبراني (ت٣٦٠هـ)، تحقيق عبد الرحمن محمد

عثمان، بيروت: دار الفكر١٤١٨هـ، ط١۔

ـ المعجم الكبير، الطبراني (ت٣٦٠هـ)، تحقيق حمدي عبد المجيد السلفي، بيروت: دار إحياء التراث العربي ١٤٢٢هـ، ط٢۔

ـ مطالع المسرّات بجلاء د لائل الخيرات، الفاسي (ت١٠٥٢هـ)، مصر: شركة مكتبة البابي١٣٨٩هـ۔

ـ المطوّل، التفتازاني (ت٧٩٣هـ)، بشاور: مكتبة علوم إسلامية ١٣١١هـ۔

ـ مكتوبات الإ مام الربّاني (ت١٠٣٤هـ)، كوئته: مكتبة القدس۔

ـ ملفوظات أعلى حضرت، مفتي أعظم هند (ت١٤٠٢هـ)، لاهور: مشتاق بك كارنر۔

ـ المنتقى شرح موطّأ مالك، سليمان الباجي (ت٤٩٤هـ)، تحقيق محمد عبدالقادر أحمد عطا، بيروت: دار الكتب العلمية١٤٢٠هـ، ط١۔

ـ المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجّاج، النووي (ت٦٧٦هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي، ط٤۔

ـ منية المصلّي وغنية المبتدئ، الشيخ سديد الدين الكاشغري (ت٧٠٥هـ)، كوئته: المكتبة الرحمانية۔

ـالمواهب اللدنية بالمنح المحمدية، القسطلاني (ت٩٢٣هـ)، تحقيق صالح أحمد الشامي، غجرات: مركز أهل سنت بركات رضا١٤١٢هـ، ط١۔

ـ المورد الروي في مولِد النّبي (مترجم بالأردية)، القاري (ت١٠١٤هـ)،

لاهور: قادري رضوي كتب خانه ١٤٢٦هـ.

ـ ميزان الاعتدال، الذهبي (ت٧٤٨هـ)، تحقيق علي محمد البجاوي، بيروت: دار المعرفة.

ـ المبين المعين لفهم الأربعين، القاري (ت١٠١٤هـ)، مصر: المطبعة الجمالية ١٣٢٨هـ، ط١.

ـ نسيم الرياض، الخفاجي (ت١٠٦٩هـ)، تحقيق محمد عبد القادر عطا، بيروت: دار الكتب العلمية١٤٢١هـ، ط١.

ـ النقاية، صدر الشريعة (ت٧٤٧هـ)، كراتشي: أيج، أيم سعيد كمبني.

ـ نوارد الأصول في معرفة أحاديث الرسول، الحكيم الترمذي (ت٣١٨هـ)، دمشق: تحقيق عبد الحميد محمد الدرويش١٤٢٥هـ، ط١.

ـ النهاية شرح الهداية، السغناقي (ت٧١١هـ)، مخطوط.

ـ النهر الفائق، عمر بن إبراهيم ابن نجَيم (ت١٠٠٥هـ)، تحقيق أحمد عزو عناية، كراتشي: قديمي كتب خانه.

ـ وفيات الأعيان وأنباء أبناء الزمان، ابن خلكان (ت٦٨١هـ)، بيروت: دار إحياء التراث العربي١٤١٧هـ ط١.

ـ الهداية شرح بداية المبتدي، المرغيناني (ت٥٩٢هـ)، تحقيق محمد عدنان درويش، بيروت: دار الأرقم.

ـ همعات، الشاه ولي الله الدهلوي (ت١١٧٦هـ).